(چوتھا مجموعہ)

پیار کا پاپی

جرم و سزا اور سراغرسانی کی چار سچی کہانیاں
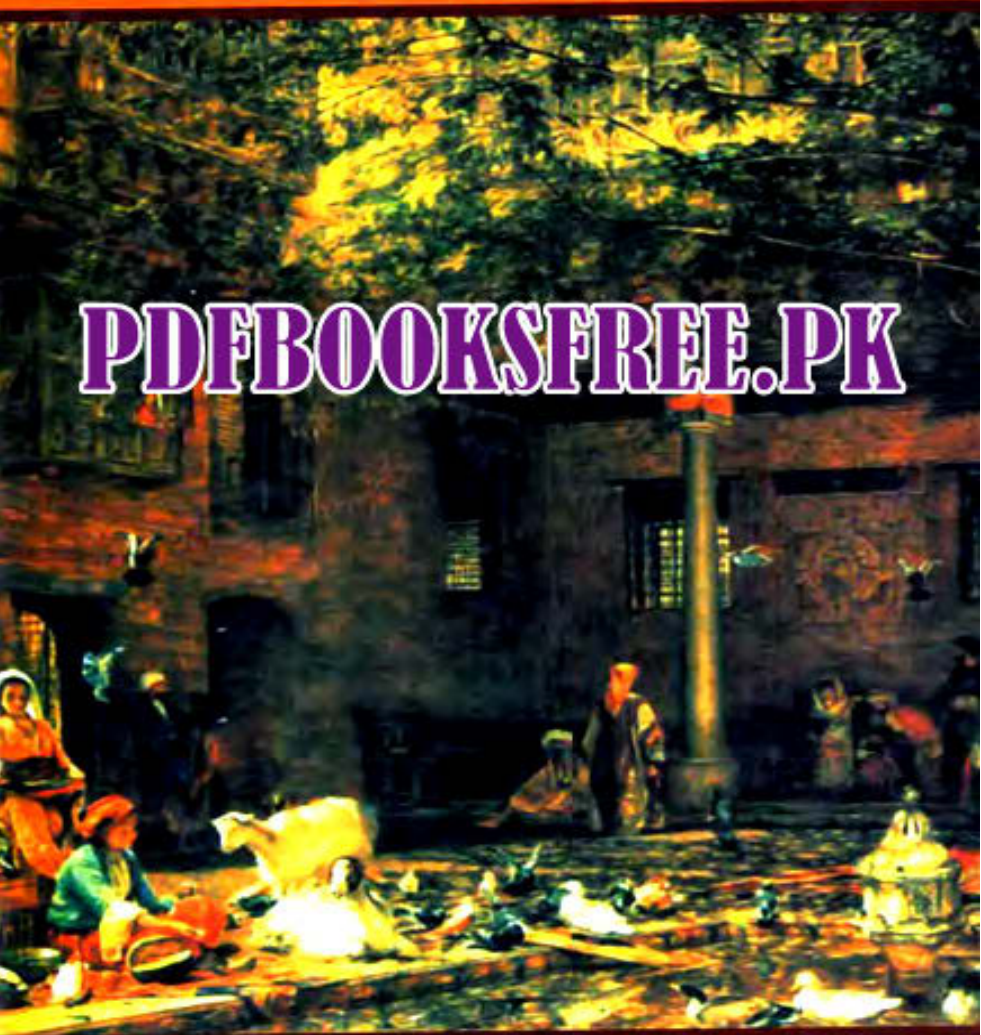
محبوب عالم

فہرست

پیش لفظ

محترم محبوب عالم ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس کی تفتیشی کہانیوں کا چوتھا مجموعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جُوں جُوں وقت گزرتا جا رہا ہے محبوب عالم، احمد یار خان، دبیر حسین رضوی اور انگریزوں کے دَورِ حکومت کے دیگر پولیس افسروں کی تفتیشی کہانیاں افسانے بنتی جا رہی ہیں کیونکہ آزادی کے بعد پاکستان کی جو پولیس سامنے آئی اس کے طور طریقے ہی کچھ اور تھے۔ طور طریقے بدل جانے کی وجہ یہ تھی کہ پولیس کا استعمال بدل گیا جس کے نتیجے میں پولیس کا رول ہی بدل گیا۔ کرتے کرتے پولیس کا اوّلین فرض یہ رہ گیا کہ حکمران پارٹی کے مخالفین کو سَر نہ اُٹھانے دے اور حکمران کوئی جرنیل ہو یا سیاسی لیڈر، اُس کا تحفظ کرے۔ پولیس کا جو اصل فرض تھا یعنی عوام کی عزت اور جان و مال کا تحفظ، وہ اِس کا ثانوی رول بن گیا۔

اب پولیس کا جو رول رہ گیا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ جرائم کی طرف سے نگاہیں پھیر لینے کے جو نتائج ہیں وہ عوام بھگت رہے ہیں۔ نہ تفتیش رہی ہے نہ سراغرسانی۔ جرائم اور پولیس کی اِس صورتِ حال کو دیکھ کر پاکستانی انگریزوں کے دَور کی پولیس کی تفتیشی کہانیوں کو من گھڑت قِصے سمجھتے ہیں۔ یہ کہانیاں جو ہم پیش کرتے رہتے ہیں یہ حقیقی واقعات ہیں اور یہی پولیس کا صحیح رول تھا۔ آج کی پولیس کو بھی انہی خطوط پر چلایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ہمارے حکمرانوں کو اپنے انداز اور طور طریقے بدلنے پڑیں گے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

سوناسنیاسی اور سترہ سال کی کنواری

وہ علاقہ ہندو جاٹوں کا تھا جس کے ایک قصبے کا تھانہ میرے پاس تھا۔ جاٹ عام ہندوؤں سے بہت مختلف تھے۔ یہ لڑائی مار کٹائی کرنے والے دلیر لوگ تھے۔ بھارت کی فوج میں ان کی الگ رجمنٹیں ہیں جو انگریزوں کے زمانے سے جاٹ رجمنٹیں کہلاتی ہیں۔ سپاہ گری اور زمینداری ان کے پیشے ہیں۔

قصبے میں ایک سرکاری ہسپتال تھا۔ اُس زمانے میں لوگ بہت کم بیمار ہوتے تھے۔ ہسپتال کے وارڈ خالی پڑے رہتے تھے۔ کوئی مریض ہسپتال میں داخل ہو جاتا تو اُسے پوری توجہ ملتی تھی۔ ایک صبح مجھ کو ہسپتال کے ڈاکٹر کا پیغام ملا کہ ہسپتال میں ایک مریض آیا ہے اور یہ زہر خورانی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔

میں ہسپتال گیا۔ مجھ کو بتایا گیا کہ مریض کو بیہوشی کی حالت میں لایا گیا ہے۔ ڈاکٹر نے اُس کو انجکشن دیا تھا لیکن اس کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اس نے مر جانا ہے اور اس کو انجکشن اس واسطے دیا ہے کہ تین چار منٹوں کے واسطے ہوش میں آجاتے اور بتا دے کہ اُس کو زہر کس نے دیا ہے یا کوئی اشارہ ہی دے دے۔

موت نے اُس کو ہوش میں آنے کی مہلت نہ دی۔ وہ مر گیا۔ ڈاکٹر تجربہ کار آدمی تھا۔ اُس نے اس شخص کے مرض کی علامتیں اس کو ہسپتال

لانے والوں سے سُنیں اور جس طرح مریض بیہوشی میں تڑپتا تھا، اس کو دیکھ کر
ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اس نے خود زہر کھایا ہے یا اس کو کسی نے دھوکے میں
زہر دے دیا ہے۔ وہ مر گیا تو زہر کی ایک اور نشانی ظاہر ہونے لگی۔ یہ تھوڑی
تھوڑی جھاگ تھی جو اُس کے مُنہ سے پھُوٹ آئی تھی۔

یہ شخص قصبے سے تقریباً چار میل دُور کے ایک گاؤں کا رہنے والا
بڑا زمیندار تھا۔ ٹھاکر کہلاتا تھا۔ ٹھاکر اونچی پوزیشن کے لوگ ہوتے تھے
یہ بھی اپنے علاقے کا روپے پیسے اور رُعب داب والا ٹھاکر تھا۔ ٹھاکر کا
قتل معمولی واردات نہیں تھی۔ ڈاکٹر کے کہنے پر میں ٹھاکر کے بڑے بیٹے
کو تھانے لے گیا۔ ڈاکٹر نے پوسٹ مارٹم کے لئے لاش کو اپنے پاس
رکھ لیا۔

تھانے جا کر میں نے ٹھاکر کے بڑے بیٹے کی رپورٹ پر ایف۔آئی۔آر
تحریر کی۔ باقی کاغذی کارروائی محرر ہیڈ کانسٹیبل کے حوالے کی اور ٹھاکر
کے بیٹے کا بیان لینے لگا۔

اُس نے بیان دیا اور میں نے اُس کے ساتھ سوال جواب کئے۔ اُس
کے جوابوں میں سے سوال نکالے اور اس طرح جو بات مجھ کو پتہ چلی وہ یہ
تھی کہ ایسی دشمنی عداوت کسی کے ساتھ نہیں تھی کہ کوئی اسے زہر دے
کر انتقام لیتا۔ گاؤں سے دو ڈھائی فرلانگ دُور ان کا سبزیوں کا باغ تھا۔
اس میں ٹھاکر نے ایک مکان بھی بنایا ہُوا تھا۔ کبھی کبھی رات کو ٹھاکر اُس
مکان میں رہتا تھا۔ پچھلی رات ٹھاکر باغ والے مکان میں گیا تھا۔ آدھی رات
سے بہت پہلے وہاں سے آ گیا۔ گھر والے سوتے ہوتے تھے۔ اُس نے اپنی
بیوی کو جگایا۔ پھر اُس کا بڑا بیٹا بھی جاگ پڑا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ٹھاکر کو کوئی
تکلیف تھی

تکلیف یہ تھی کہ وہ پیٹ میں درد اور جلن محسوس کرتا تھا۔ گھر والوں نے
اُس سے تکلیف کی بابت پوچھا تو پتہ لگا کہ وہ بات نہیں کر سکتا۔ اُس نے
کچھ اشارے کئے جو گھر کا کوئی بھی فرد سمجھ نہ سکا۔

اُس کا بیٹا گاؤں کے دو سیانوں کو جگا کر لے آیا۔ دونوں نے کہا
کہ اس کو کسی زہریلی چیز نے کاٹ لیا ہے۔ اُنہوں نے اس کی ٹانگوں ہاتھوں
وغیرہ پر دیکھا لیکن کسی کیڑے مکوڑے کے کاٹنے کا کوئی نشان نہیں تھا۔
دونوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے ٹھاکر کے مُنہ میں اپنی دوائیاں
ڈالیں۔ پھر ٹھاکر کوئی بات کئے بغیر بے ہوش ہو گیا۔ ان سیانوں نے کہا
کہ اس کو آرام محسوس ہو رہا ہے اس لئے یہ سو گیا ہے۔ صبح اس کو اور دوائی
دیں گے۔

کوئی ایک گھنٹے بعد ٹھاکر نے بے ہوشی میں اپنے سینے اور پیٹ پر
زور زور سے ہاتھ پھیرنے شروع کر دیئے۔ اس کے ساتھ وہ تڑپتا بھی تھا۔
اس کا مُنہ کھُلا ہُوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ
اپنی آنکھیں اس طرح زور سے بھینچ لیتا تھا جیسے اُسے بہت تکلیف ہو رہی
ہو۔ باقی رات اسی طرح گزر گئی۔ منہ اندھیرے اس کی حالت اور زیادہ بگڑی
تو دو تین بوڑھوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اس کی چارپائی ہسپتال لے چلو۔
اس طرح یہ لوگ ٹھاکر کو نزع کی حالت میں ہسپتال اُٹھا لاتے۔

لڑکی اپنے آپ گئی ہوگی

میں معلوم یہ کرنا چاہتا تھا کہ ٹھاکر کا چال چلن اور گاؤں والوں کے
ساتھ اس کا سلوک برتاؤ کیسا تھا۔ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدمعاش نہیں کہہ
سکتا۔ پھر بھی میں نے اس کے بیٹے سے پوچھا کہ ٹھاکر کیسا آدمی تھا۔ بیٹے
نے کہا کہ وہ ٹھیک ٹھاک آدمی تھا۔ یہ تو پہلے ہی وہ کہہ چکا تھا کہ ان کی کسی
کے ساتھ خونی دشمنی نہیں۔ میرے پوچھنے پر ٹھاکر کے بیٹے نے بتایا کہ
جائیداد یا زمین کا بھی کوئی تنازعہ نہیں۔ خاندان میں بھی کوئی ایسا جھگڑا نہیں
جو قتل تک پہنچانے والا ہوتا۔

"تم نے کہا ہے کہ ٹھاکر جی کبھی کبھی رات باغ میں گزارتے تھے"

میں نے اُس کے بیٹے سے پُوچھا ——— "وہ وہاں کیا کرتے تھے؟"
وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"پیتے پلاتے تھے؟" ——— میں نے پوچھا ——— "تاش کھیلتے تھے یا وہاں گانا بجانا ہوتا تھا؟"

"میں نے کبھی دیکھا نہیں" ——— بیٹے نے جواب دیا ——— "میرا خیال ہے یار دوستوں کو اکٹھا کر کے گپ شپ لگاتے تھے۔"

اس شخص نے یہ جواب ایسے لہجے میں دیا جس سے میں سمجھ گیا کہ یہ اپنے باپ کی بابت کوئی ایسی ویسی بات نہیں کرنا چاہتا۔ مجھ کو یہ شک بھی ہو رہا تھا کہ اپنے باپ کو اسی نے زہر دیا ہو گا۔ کئی ایسی وجوہات ہوتی ہیں کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے۔ ایک وجہ کو سامنے رکھ کر میں نے ٹھاکر کے بیٹے سے پوچھا کہ اُس کی ماں زندہ ہے؟ اُس نے بتایا کہ زندہ ہے۔ میرے دل میں یہ شک آیا تھا کہ ٹھاکر کی بیوی مر گئی ہو گی اور اُس نے جوان لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہو گی اور اس لڑکی نے ٹھاکر کے بیٹے کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے ہوں گے۔

یہ بیٹا کچھ بھی نہ بتاتا یا جتنا جھوٹ چاہتا بولتا، مجھ کو ذرا سا بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔ گاؤں میں مجھ کو ہر ایک راز بتانے والے موجود تھے۔ میں نے معلوم کیا کہ ٹھاکر کو ہسپتال لانے والے کون کون تھے۔ ان میں دو آدمی ٹھاکر کے رشتہ دار نہیں تھے۔ ان دو میں ایک آدمی ٹھاکر کی پوزیشن کا آدمی تھا۔ میں نے اُس کو اندر بلایا اور ٹھاکر کے بیٹے کو باہر بھیج دیا۔ اس آدمی سے پوچھا کہ ٹھاکر کیسا آدمی تھا اور اُس کے قتل کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

"اُس کی اتنی گہری دشمنی سے میں واقف نہیں جس میں اُس کی جان ہی چلی گئی" ——— اُس نے جواب دیا ——— "میں یہ بتا سکتا ہوں کہ ٹھاکر ٹھیک آدمی نہیں تھا۔ عورت کے معاملے میں تو یہ بالکل ہی ٹھیک نہیں تھا۔"

"تم مجھے یہ بھی بتا سکتے ہو کہ کس کس عورت کے ساتھ اُس کے تعلقات تھے" ——— میں نے پوچھا۔

اُس نے چار پانچ عورتوں کے نام لئے لیکن وہ غریب گھروں کی عورتیں تھیں جن کے مَردوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی ٹھاکر کو زہر دے دیتا۔ اس آدمی نے یہ بھی بتایا کہ باغ میں ٹھاکر نے جو مکان بنایا ہوا تھا، اس میں وہ راتوں کو اپنی محفلیں جماتا تھا۔ شراب پی جاتی اور جوا چلتا تھا۔ کبھی کبھی گانے والیوں کو بھی شہر سے وہاں لایا جاتا تھا۔

بہت وقت گزر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے پوسٹ مارٹم کر کے رپورٹ بھیج دی کہ ٹھاکر کو زہر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر نے معدے اور جگر کے کچھ ٹکڑے کم و بیش ایک سو میل دُور کے شہر کو بھیج دیتے تھے۔ وہاں سے ماہرین کی رپورٹ لینی تھی۔ ڈاکٹر نے اپنے طور پر تصدیق کر دی تھی کہ یہ زہر خورانی کا کیس ہے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ٹھاکر نے کسی وجہ سے خود ہی زہر پی لیا ہو۔ اُس نے زہر خود پیا تھا یا کسی نے پلایا تھا، میرے واسطے ضروری تھا کہ پہلے یہ معلوم کرتا کہ اس کے گھر کے حالات، گاؤں میں اس کی دوستی اور دشمنی اور گاؤں کی سیاست بازیوں میں اس کا عمل دخل کیا تھا اور کیسا تھا۔ قتل کی تفتیش میں سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ قتل کا باعث کیا تھا۔ باعث معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے لئے حالات معلوم کرنے پڑتے ہیں۔ بہت گہرائی میں جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے۔

میں اُس کے گاؤں کو جانے کے واسطے روانہ ہونے لگا تو مجھ سے جونیئر سب انسپکٹر نے مجھ کو الگ کر کے اسی گاؤں کا ایک کیس یاد دلایا۔ چار پانچ دن پہلے یہی ٹھاکر اپنے گاؤں کے ایک معمولی سی حیثیت کے بوڑھے آدمی کو ساتھ لے کر تھانے آیا تھا۔ بوڑھے کی بیٹی جس کی عمر سترہ سال کے لگ بھگ تھی، لاپتہ ہو گئی تھی۔ غریب آدمی پولیس کے ڈر سے اور اپنی بے عزتی کے باعث تھانے نہیں آتا تھا۔ اس کو مقتول ٹھاکر تھانے لایا تھا۔ میں نے گمشدگی کی رپورٹ درج کر لی تھی۔ قانون کے لحاظ سے وہ نابالغ تھی۔ رپورٹ لے لینا اور کارروائی کرنا لازمی تھا۔

میں ایک بات بتاتا ہوں۔ اس پر غور کریں۔ اُس زمانے میں لڑکیاں

لڑکے خالص اور سادہ غذا کی وجہ سے اور سادہ زندگی گزارنے کی وجہ سے پندرہ سولہ سالوں میں پوری طرح جوان ہو جایا کرتے تھے۔ آج کل تو ایسے جوان کہیں نظر ہی نہیں آتے۔ میں نے اس لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ لے کر پوچھا تھا کہ وہ خوبصورت تھی اور چال چلن کی کیسی تھی؟ ٹھاکر نے مجھ کو بتایا تھا کہ بہت خوبصورت نہیں تھی، اچھی شکل و صورت کی تھی۔

لڑکی کے باپ کے سامنے ٹھاکر نے یہ کہا کہ لڑکی چال چلن کی ٹھیک تھی لیکن بعد میں باپ کو پرے بھیج کر ٹھاکر نے دوسری رائے دے دی۔

"میں نے اس بوڑھے کو خوش کرنے کے واسطے کہا تھا کہ اس کی بیٹی اغوا ہو گئی ہے" — ٹھاکر نے مجھ کو کہا — "یہ محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کی لڑکیاں ابھی پوری طرح جوان نہیں ہوتیں اور عشق بازی شروع کر دیتی ہیں۔ اس کی لڑکی خود ہی ادھر اُدھر ہو گئی ہو گی۔ آپ زیادہ بھاگ دوڑ نہ کریں۔ اپنے آپ آجائے گی یا شہر کے کسی کوٹھے پر پہنچ جائے گی۔"

میں اس شخص کی رائے سے تو متاثر نہیں ہوا۔ یہ ٹھاکر، بڑے بڑے زمیندار، ساہوکار اور جاگیردار چھوٹے چھوٹے کسانوں اور مزدوروں کو عزت کے قابل سمجھتے ہی نہیں تھے۔ غریبوں کی بیٹیوں کو خراب کرنے والے یہی لوگ ہوتے تھے، پھر بھی مجھ کو یہی خیال آیا تھا کہ لڑکی اپنے آپ گئی ہو گی مگر میں اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے یہ کیس اپنے جونیئر سب انسپکٹر کو دے دیا تھا اور وہ تفتیش کر رہا تھا۔ اب میں ٹھاکر کے قتل کے کیس کی تفتیش کے واسطے اُس کے گاؤں کو جانے لگا تو سب انسپکٹر وِشوا ناتھ نے مجھ کو روک لیا۔

"ایسا ہو گا تو نہیں" — اُس نے مجھ کو کہا — "لیکن ذہن میں رکھنا کہ اس گاؤں کی ایک جوان لڑکی لاپتہ ہے۔"

اِس لڑکی کا ٹھاکر کے قتل کے ساتھ تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹھاکر لڑکی کے باپ کو خود تھانے لایا تھا۔ باپ تو تھانے آتا ہی نہیں تھا۔

پلنگ پر عورت کی موجودگی

گاؤں میں جا کر میں ٹھاکر کے گھر گیا۔ وہاں کہرام بپا تھا۔ لاش میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ٹھاکر کی بیوی کا بیان لیا۔ وہ ٹھاکر کی عمر سے تین چار سال چھوٹی تھی۔ اُس کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اُس نے وہی بات بتائی جو اُس کا بیٹا بتا چکا تھا، یعنی ٹھاکر رات کو باغ سے آیا اور اُس کی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ وہ کچھ بھی نہ بتا سکا۔ یہ گھر والوں کا اپنا خیال تھا کہ ٹھاکر باغ والے مکان میں تھا اور وہاں سے کچھ کھا کر آیا تھا۔

میرے دماغ میں ایک سوچ آئی۔ گھر والوں کو پکا پتہ نہیں تھا کہ ٹھاکر باغ سے ہی آیا تھا اور اُس نے شام کے بعد سے لے کر رات کو گھر آنے تک باغ والے مکان میں ہی وقت گزارا تھا۔ کوئی اور اُس کو اپنے ساتھ لے گیا ہو گا اور اُس کو زہر پلا دیا ہو گا۔

بیوی نے میرے سوالوں کے جو جواب دیئے تھے، ان سے معلوم ہوا کہ بیوی اُس سے خوش تھی۔ گھر میں کوئی تنازعہ یا جھگڑا نہیں تھا۔ بیوی یقین کے ساتھ کہتی تھی کہ گاؤں میں کسی اور کے ساتھ بھی ٹھاکر کا کوئی جھگڑا یا تنازعہ نہیں تھا۔ میں ابھی ٹھاکر کی بیوی کے بیان پر پورا بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اُس پر خاوند کی موت کا بہت بُرا اثر تھا۔ وہ آدھی بات کہہ کر رونا شروع کر دیتی تھی۔

میں باغ میں چلا گیا۔ یہ سبزیوں کا پانچ چھ ایکڑ میں پھیلا ہوا باغ تھا۔ اس میں گھنے پودوں کی باڑیں اور درخت بھی تھے۔ باغ کے اندر ہی ایک طرف ایک مکان تھا۔ یہ کچا تھا لیکن کاریگروں کا بنایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کا صحن تھا جس کی دیوار تھی۔ دو کمرے تھے۔ پیچھے برآمدہ اور اُدھر بھی تھوڑا سا صحن اور دیوار تھی۔ ایک دروازہ اُدھر بھی تھا۔

باغ میں کام کرنے والے تین آدمی تھے۔ ان کے جھونپڑے باغ

سے ذرا ہٹ کر تھے۔ ان میں اُن کے بیوی بچے رہتے تھے۔ میں نے ان تینوں آدمیوں کو بلایا۔ اُن تک خبر پہنچ چکی تھی کہ ٹھاکر کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے۔ اُن کو ابھی یہ پتہ نہیں لگا تھا کہ ٹھاکر مر چکا ہے۔ میں نے انہیں الگ بٹھا دیا اور خود مکان کو دیکھنے کے لئے اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ دروازے کے اندر والے کُنڈے کے ساتھ ایک تالا لٹکا ہوا تھا جس میں چابی بھی لگی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ اب ٹھاکر کا بیٹا نہیں تھا بلکہ ٹھاکر کا کوئی بھی رشتہ دار میرے ساتھ نہیں تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ٹھاکر کی لاش آگئی تھی اور میں اس خاندان کے کسی آدمی کو اپنے ساتھ پابند نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ان تینوں نوکروں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ جب ٹھاکر اس مکان میں نہیں ہوتا تو کیا دروازے کو تالا لگا رہتا ہے؟

"ہاں حضور!" — ایک نوکر نے جواب دیا — "تالا اُسی وقت کھلتا ہے جب ٹھاکر جی آتے ہیں۔ صبح ہم نے دروازے پر تالا نہ دیکھا تو ہم یہ سمجھے کہ ٹھاکر جی اندر سوتے ہوتے ہیں۔"

میں نے ان سے بہت کچھ پوچھنا تھا لیکن میں نے مکان کو اندر سے دیکھنا ضروری سمجھا۔ میں نے پہلے صحن دیکھا پھر اندر گیا۔ اس کمرے میں میری نظر سب سے پہلے جس چیز پر پڑی وہ دیسی شراب کی بوتل تھی اور دو گلاس۔ یہ لکڑی کے معمولی اور چھوٹے سے میز پر پڑے ہوتے تھے۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو کہا کہ وہ بوتل اور گلاسوں کو احتیاط سے اُٹھا کر قبضے میں لے لے۔ ان چیزوں کا قبضے میں لینا اس واسطے ضروری تھا کہ ان پر انگلیوں کے نشانات کا پایا جانا لازمی تھا اور مجھ کو پکا شک یہ تھا کہ زہر شراب میں ملایا گیا ہے۔ دونوں گلاسوں میں چند قطرے شراب موجود تھی۔

میز کے ساتھ پلنگ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پلنگ پوش کو غور سے دیکھا۔ ایسے نشان پائے گئے جن سے پتہ لگتا تھا کہ اس پلنگ پر عورت موجود رہی ہے۔ میں نے اس کمرے کی تلاشی لی پھر میں دوسرے کمرے

میں چلا گیا۔ وہاں بھی تلاشی لی۔ ایسے سراغ پائے گئے جو بتاتے تھے کہ یہاں کوئی عورت کچھ وقت گزار گئی ہے یا رہ گئی ہے لیکن میں نے اس پر زیادہ غور نہ کیا۔ اس واسطے نہ کیا کہ مجھ کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ یہاں عورتیں اور گانے بجانے والیاں آتی رہتی ہیں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ وہاں سے مجھ کو ایسی کوئی چیز اور ایسا کوئی سراغ نہ ملا جو مجھ کو تفتیش میں مدد دیتا۔

میں مکان کے دوسری طرف گیا۔ اُدھر چھوٹا سا ایک اور صحن تھا۔ اُدھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر نکل کر دیکھا۔ آگے پانی کا کھال تھا اور اس سے آگے کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ وہاں میرے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں مکان کے اندر چلا گیا اور پلنگ پر بیٹھ کر وہیں تفتیش شروع کر دی۔ سب کو باہر بھیج کر باغ کے ایک نوکر کو اندر بلایا۔ وہ بہت ڈرا اور گھبرایا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ رسمی سی باتیں کر کے اُس کا ڈر دُور کیا۔

"رات کو ٹھاکر کے ساتھ یہاں کون کون آیا تھا؟" — میں نے پوچھا۔

"حضور!" — اُس نے جواب دیا — "میں نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ ٹھاکر جی اکیلے آتے تھے۔"

"تم اُس وقت کہاں تھے؟" — میں نے پوچھا — "تم اس مکان کے اندر تھے یا باہر؟"

"نہ حضور!" — اُس نے جواب دیا — "باغ میں کام کرنے والے کسی بھی مرد، عورت یا بچے کو اس مکان کے قریب آنے کی اجازت نہیں۔ جب ٹھاکر جی مکان کے اندر ہوتے ہیں تو ہم ادھر آنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے ..... کل شام جب ٹھاکر آتے تو میں رہٹ پر تھا۔ اُنہوں نے مجھ کو دیکھا اور کہنے لگے کہ تم اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں چلا گیا۔"

"وقت کیا تھا؟"

"سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا گہرا ہو رہا تھا" — اُس نے جواب دیا۔

"تم نے کسی اور کو ٹھاکر کے بعد باغ میں آتے دیکھا تھا؟" —— میں نے پوچھا۔

"نہیں حضور!" —— اُس نے جواب دیا —— "میں وہاں سے ہٹ گیا تھا۔"

"تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ یہاں اس مکان میں کیا ہوتا تھا؟" —— میں نے پوچھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا —— "یہاں ٹھاکر کسی عورت کو بلاتا ہوگا اور یار دوستوں کو بلا کر تاش وغیرہ کھیلتا ہوگا؟"

"میں آپ کو بتاتا ہوں حضور!" —— اُس نے کہا —— "مکان کے اندر جو کچھ بھی ہوتا تھا اس کی بابت صرف ایک آدمی بتا سکتا ہے .... اُس کا نام دُرگا ہے اور وہ ٹھاکر جی کا خاص نوکر ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر کام میں ٹھاکر جی کے ساتھ رہتا ہے۔ ٹھاکر جی کا پستول بھی دُرگا کے کندھے کے ساتھ لٹکتا رہتا ہے۔ نوکروں میں صرف دُرگا ہے جو اس مکان کے اندر جا سکتا ہے۔"

"کیا رات کو بھی وہ یہیں تھا؟"

"وہ تو سورج غروب ہونے سے پہلے ہی آ گیا تھا۔" —— اُس نے جواب دیا —— "یہ تو میں نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ باہر والے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا جو دُرگا نے کھولا تھا۔"

"رات کو جب ٹھاکر یہاں سے نکلا اُس وقت تم کہاں تھے؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں حضور!" —— اُس نے جواب دیا —— "میں اپنے گھر چلا گیا تھا۔ میں تو صبح باغ میں آیا تو بھی میرا خیال تھا کہ ٹھاکر جی ابھی اندر ہیں۔"

تحفے لے لیتی تھیں

اس نوکر کو میں نے دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ دوسرے نوکروں سے ملے۔ اس کے بعد میں نے ایک اور نوکر کو

بلایا۔ اُس سے میں نے یہی سوال کئے اور اُس نے وہی جواب دیئے جو پہلا نوکر دے چکا تھا۔ اُس سے میں نے اور بھی سوال پوچھے لیکن میرے مطلب کی کوئی بات معلوم نہ ہوئی۔ اس کو میں نے کہا کہ صحن میں جا کر بیٹھ جائے۔ تیسرے نوکر کو بلایا۔ وہ پرانی عمر کا آدمی تھا۔

"کب سے ٹھاکر کی نوکری کر رہے ہو؟" —— میں نے اُس سے پوچھا۔

"مجھ کو صحیح معلوم نہیں حضور!" —— اُس نے جواب دیا —— "موٹا موٹا حساب کروں تو چالیس سال بن جائیں گے۔ ٹھاکر جی کی شادی میرے سامنے ہوئی تھی۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے ٹھاکر جی اس وقت کہاں ہیں؟" —— میں نے پوچھا۔

"ہم تو کہتے تھے کہ ٹھاکر جی یہاں سوتے ہوتے ہیں" —— اُس نے جواب دیا —— "لیکن کسی نے بتایا ہے کہ ان کو کوئی تکلیف ہو گئی تھی اور وہ ہسپتال میں ہیں۔"

"اگر میں کہوں کہ ٹھاکر مر گیا ہے تو تم کیا کہو گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں حضور!" —— بوڑھے نوکر نے جواب دیا —— "گاؤں کے سارے ٹھاکر مر جائیں تو بھی میں ٹھاکر نہیں بن سکتا۔ ہم تو ٹھاکروں کی چاکری کے لئے پیدا ہوتے ہیں" —— اُس نے ڈھیلی سی آواز میں پوچھا —— "کیا ٹھاکر جی واقعی ہسپتال میں ہیں یا آپ نے جو کہا ہے وہ ٹھیک ہے؟"

"میں نے جو کہا ہے وہ ٹھیک ہے" —— میں نے کہا —— "تمہارا ٹھاکر مر گیا ہے اور اُس کی لاش گھر آ گئی ہے۔"

وہ کچھ دیر چپ چاپ میرے مُنہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"سُنا ہے ٹھاکر عورت کے معاملے میں ٹھیک آدمی نہیں تھا" —— میں نے کہا۔

"آپ نے ٹھیک سُنا ہے حضور!" ___ اُس نے جواب دیا ___ "دولت ہو تو عورت کے معاملے میں کون ٹھیک رہتا ہے۔"

میں نے اس سے بھی وہ تمام سوال پوچھے جو میں دوسرے دو نوکروں سے پوچھ چکا تھا۔ اُس نے وہی جواب دیتے جو میں پہلے دو مرتبہ سُن چکا تھا۔ اس بوڑھے نے بھی ٹھاکر کے خاص نوکر دُرگا کا نام لیا۔ اب مجھے خیال آیا کہ دُرگا کو شاملِ تفتیش کرنا تو بہت ضروری ہے۔ میں نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ دُرگا کہاں ہوگا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ ٹھاکر کی حویلی میں ہوگا یا پھر اپنے گھر میں۔

"دُرگا کیسا آدمی ہے؟" ___ مَیں نے پوچھا۔

"پکّا بدمعاش ہے حضور!" ___ بوڑھے نوکر نے جواب دیا اور وہ یکلخت جیسے ڈر گیا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا ___ "حضور! یہ بات میرے مُنہ سے نکل گئی ہے۔ اگر یہ دُرگا تک پہنچ گئی تو وہ میری جھگی کو آگ لگا دے گا۔"

اس بوڑھے کو بھی معلوم نہیں تھا کہ رات کو ٹھاکر یہاں سے چلا گیا تھا یا نہیں۔ میں نے ایک کانسٹیبل کو کہا کہ وہ ٹھاکر کے گھر جائے اور اُس کے بڑے بیٹے کو کہے کہ اپنے خاص نوکر دُرگا کو میرے پاس بھیج دے۔

کانسٹیبل واپس آیا تو اُس کے ساتھ ٹھاکر کا بیٹا تھا، دُرگا نہیں تھا۔

"دُرگا کہاں ہے؟" ___ مَیں نے پوچھا۔

"میں اسی واسطے آیا ہوں" ___ اُس نے جواب دیا ___ "میں تو باپو کی بیماری اور موت میں ایسا پھنسا ہُوا تھا کہ ادھر اُدھر کی ہوش ہی نہیں تھی۔ دُرگا تو کسی کو صبح سے نظر نہیں آیا۔ وہ صبح سویرے ہمارے گھر آجایا کرتا تھا۔ میں آپ کے کانسٹیبل کے ساتھ اُس کے گھر گیا اور اُس کا پوچھا۔ اُس کی بیوی اور اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ کل شام گھر سے نکلا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ٹھاکر جی کے پاس جا رہا ہے۔ وہ ساری رات گھر نہیں آیا۔ آج کا دن بھی گزر گیا ہے۔ وہ ابھی تک نہیں آیا۔"

یہ انکشاف میرے واسطے کارآمد تھا۔ مجھ کو ٹھاکر کے بیٹے نے مزید

باتیں کرتے ہُوئے بتایا کہ دُرگا کو غیر حاضر نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہ مجھ کو باغ کے نوکروں سے معلوم ہوگیا تھا کہ شام کو دُرگا باغ کے مکان میں آیا تھا۔ اُس کی غیر حاضری کی یہ وجہ ہوسکتی تھی کہ ٹھاکر نے اُس کو کسی دوسرے گاؤں میں کسی کام کے سلسلے میں بھیج دیا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ آج رات اُس کا انتظار کر لیتے ہیں۔

میرے پوچھنے پر ٹھاکر کے بیٹے نے بتایا کہ دُرگا کوئی واردات کرنے والا آدمی نہیں لیکن بدمعاش ہے۔ گاؤں کے لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ وہ ٹھاکر کا باڈی گارڈ بنا ہُوا تھا۔

میں نے رات باغ والے مکان میں گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ مجھ کو ذرا سا بھی سراغ نہیں ملا تھا۔ نمبردار باہر حاضری میں کھڑا تھا۔ مخبر بھی موجود تھے۔ اُن مخبروں میں دو آدمی ایسے بھی تھے جو معززین کہلاتے تھے۔ تھانیداروں کی چاپلوسی کو یہ لوگ اپنا دین دھرم سمجھتے تھے۔ چاپلوسی کا بہترین طریقہ مخبری تھا۔ ایسے لوگ آج کل بھی پائے جاتے ہیں۔

میں نے ان لوگوں کو باری باری اپنے پاس بٹھایا اور ان سے رپورٹیں لیں۔ ان سے مجھ کو جو حالات معلوم ہُوئے وہ میں آپ کو سُنا دیتا ہوں۔ ہر ایک کی الگ الگ رپورٹ سنانے کی ضرورت نہیں۔ ان سب سے میں نے دُرگا کی بابت خاص طور پر پوچھا۔ ہر ایک تھانیدار جانتا تھا کہ ٹھاکروں، سیٹھوں اور جاگیرداروں کے جو خاص ملازم اور باڈی گارڈ ہوتے تھے، وہ اپنے اپنے آقاؤں کے حکم سے اغوا اور قتل کی وارداتیں کرتے تھے، اُن کی عیاشی کا سامان مہیا کرتے تھے اور اُن کے دلوں میں اپنے آقاؤں کے قیمتی راز ہوتے تھے۔

ٹھاکر کا چال چلن اِن سب نے یہ بتایا کہ عیاش آدمی تھا۔ ان سے مجھ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ باغ والے مکان میں جوا کھیلنے کون کون آتا تھا۔ اُن ناچنے گانے والیوں کے نام اور پتے بھی مل گئے جن کو کبھی کبھار ٹھاکر باغ والے مکان میں بلایا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے میرے سوال کا جواب

دیتے ہوئے بتایا کہ واردات کی رات گانے ناچنے والی کوئی نہیں آئی تھی۔ اگر خفیہ طور پر آئی ہو تو اس کا ان کو علم نہیں تھا۔

میں نے باغ کے تینوں نوکروں کو پھر بلایا اور ان سے پوچھا کہ پچھلی رات یہاں گانا بجانا ہوا تھا؟ اُنہوں نے کہا کہ نہیں ہوا تھا لیکن اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ اگر بعد میں ناچ گانا ہوا ہو تو وہ کچھ نہیں بتا سکتے۔

"میرا خیال ہے گانے بجانے والا کوئی نہیں آیا" — بوڑھے نوکر نے کہا — "یہاں اندر جب کبھی گانا بجانا ہوتا ہے، ہمیں گھروں میں ڈھولک طبلے کی آواز آجاتی ہے۔"

دُرگا کی بابت وہی رپورٹ ملی جو پہلے مل چکی تھی۔ وہ دلیر اور بدمعاش تھا۔ اس کی دوستی بدمعاشوں اور چوروں وغیرہ کے ساتھ تھی۔ اس وجہ سے لوگ ٹھاکر سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا دُرگا سے ڈرتے تھے۔

"لیکن ٹھاکر بڑا کائیاں شکاری ہے جناب!" — ایک معزز مخبر نے کہا — "دُرگا پر ٹھاکر اس واسطے بھی مہربان تھا کہ دُرگا کی بیوی بھی جوان اور خوبصورت عورت ہے اور دُرگا کی ایک ہی بہن ہے۔ وہ بھی اُس کی بیوی جیسی خوبصورت ہے۔ اُس کی عمر ابھی پچیس سال نہیں ہوئی۔ خاوند کے ساتھ اُس کی نہیں بنتی۔ عرصہ ڈیڑھ سال سے اپنے میکے بیٹھی ہے۔ ٹھاکر دُرگا کے گھر آتا جاتا ہے۔ معاملہ کچھ ایسا ویسا ہی ہے۔"

"دُرگا کو معلوم ہوگا؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتے" — مجھ کو جواب ملا — "شاید اُس کو معلوم نہیں .... دُرگا کی ایک بات کو سب پسند کرتے ہیں۔ گاؤں کی کوئی عورت ہو، خواہ وہ بدچلن ہی ہو، دُرگا اس کی عزت کرتا ہے۔ کسی عورت کو میلی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اُس کی اس عادت کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اُس کو معلوم نہیں ہوگا کہ ٹھاکر اُس کے گھر بُری نیّت سے جاتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ٹھاکر کی نیّت بُری نہ ہو؟"

"ٹھاکر کی نیّت اچھی ہو ہی نہیں سکتی" — یہ بات مجھ کو نمبردار نے کہی تھی — "میں تو حضور، یہ بھی کہتا ہوں کہ دُرگا ٹھاکر کے کسی کام سے نہیں گیا۔ وہ رُوپوش ہو گیا ہے۔ اُس نے ٹھاکر کو اپنی بیوی یا بہن کے ساتھ دیکھ لیا ہوگا۔"

"وہ جا کہاں سکتا ہے؟"

"اُس کے بہت ٹھکانے ہیں" — اُس نے جواب دیا — "رہزنوں اور ڈاکوؤں کے ساتھ اُس کا دوستانہ ہے۔"

دونوں چالاک تھیں

میں نے رات کو ہی نمبردار، ذیلدار، چوکیدار اور اپنے کانسٹیبلوں کو اُن آدمیوں کے نام بتا کر جو باغ میں جُوا بازی اور شراب نوشی کے واسطے آتے تھے، کہا کہ ان سب کو صبح تھانے حاضر کریں۔ مجھ کو ایک عورت بتائی گئی تھی جو ٹھاکر کے خفیہ کام کرتی تھی۔ وہ معمولی سی عورت تھی۔ پانچ چھ سال سے بیوہ تھی۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ میں نے اپنا آرام منسوخ کر دیا تھا۔ چوکیدار کو کہا کہ اس عورت کو جگا کر لے آتے۔

وہ گھبراہٹ کی حالت میں میرے پاس آئی۔ اس کو دیکھتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عورت میرے کام کی ہے۔ اُس کی عمر چالیس سال سے تین چار سال کم تھی۔ ایسی عورتیں دیہات میں بھی ہوتی ہیں شہروں میں بھی۔ پولیس ان کو اچھی طرح جانتی ہے۔ ان کے نام الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں لیکن ان کی ڈیل ڈول اور ایکٹنگ ایک جیسی ہوتی ہے۔ یہ عورت بھی انہی جیسی تھی۔ میں نے اس کو بٹھایا اور کہا کہ وہ ڈرے نہیں، میں جو پوچھوں وہ مجھ کو ٹھیک ٹھیک بتا دے۔

میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور ذرا مسکرا کر اُس کو دو تین ایسی باتیں کہیں جو وہ سمجھ گئی۔ اُس کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ مجھ کو

دھوکہ نہیں دے سکتی۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ ٹھاکر کی ساری کہانیاں سنا دے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون عورت ہے جس پر ٹھاکر نے بُری نظر رکھی اور مارا گیا؟

"اور اگر تم ٹھاکر کے قتل کی کوئی اور وجہ جانتی ہو تو وہ بھی بتا دو" — میں نے کہا۔

"میں اتنے گہرے راز نہیں جانتی" — اُس نے کہا — "مجھ کو بالکل معلوم نہیں کہ اُس کی اتنی سخت دشمنی کس کے ساتھ تھی۔ دیواروں کے اندر ٹھاکر جو کچھ کرتا تھا، وہ میں نہیں جانتی، دُرگا جانتا ہے۔ میں اُن عورتوں کے نام بتا دوں گی جن کے ساتھ اُس کے تعلقات تھے۔"

اُس نے تین چار نام بتائے لیکن مجھ کو اب دُرگا کے نام کے ساتھ زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے اس عورت سے دُرگا کی بیوی اور اُس کی بہن کی بابت پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ دونوں بہت چالاک ہیں۔ ٹھاکر ان کو اس عورت کے ہاتھ تحفے بھیجا کرتا تھا۔ وہ تحفے لے لیتی تھیں مگر اُس کے ہاتھ نہیں آتی تھیں۔ ٹھاکر اُن کے گھر جاتا تھا اور وہ دونوں اُس کی بہت خاطر تواضع کرتی تھیں۔ ایسے کہہ لیں کہ وہ دونوں ٹھاکر کو بیوقوف بنا رہی تھیں۔

"کیا ایسا نہیں ہُوا کہ دُرگا کو پتہ چل گیا کہ ٹھاکر اُس کی بیوی اور بہن کے ساتھ دوستی لگانے کی کوشش کر رہا ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"نہیں" — اُس نے جواب دیا — "میں بہت احتیاط کرتی تھی... اب اگر اُس کو شک ہُوا ہو یا اُس کی بہن یا بیوی نے بتا دیا ہو تو میں نہیں جانتی۔"

اس عورت کے ساتھ میں نے بہت دماغ سوزی کی۔ اس سے مجھ کو یہی حاصل ہُوا کہ ٹھاکر عورتوں کا شکاری تھا۔ میرا خیال تھا کہ اُس کے قتل کا باعث یہی تھا۔ میرے ذہن میں سوال یہ تھا کہ وہ عورت کون تھی جس کے خاندان کے کسی آدمی نے اس کو زہر دے کر مار دیا ہے۔

اس عورت کو میں نے جانے نہ دیا۔ اس کو باہر بٹھا دیا اور ہیڈ کانسٹیبل

اور دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر نمبردار وغیرہ کو کہا کہ وہ مجھ کو دُرگا کے گھر لے چلیں۔ چوکیدار ہمارے آگے آگے چل پڑا اور ایک مکان کے دروازے پر جا رُکا۔ میں نے اُس کو کہا کہ وہ دروازے پر دستک دے۔ اُس نے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارے۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ دوسری بار کھٹکھٹانے پر دروازہ کھُلا۔ میں نے ٹارچ جلائی۔ دروازہ کھولنے والی عورت تھی۔ میں نے تیزی سے دروازے میں داخل ہو کر اس عورت کو بازو سے پکڑا۔ چوکیدار نے کہا — "پولیس ہے" — میں اس عورت کو صحن میں لے گیا۔

"دُرگا کہاں ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"وہ کل شام کو گیا تھا" — اُس نے جواب دیا — "ابھی تک گھر نہیں آیا۔"

"کہاں گیا تھا؟"

"ٹھاکر کے گھر" — اُس نے جواب دیا۔

کمرے سے ایک اور عورت باہر آئی اور بولی — "یہ کون ہیں؟"

"پولیس والے ہیں" — اس عورت نے جواب دیا جو میرے قبضے میں تھی۔

"بتی جلاؤ" — نمبردار نے کہا — "یہ پولیس انسپکٹر ہیں۔"

اُس نے لالٹین جلائی۔ ہمارے پاس ٹارچیں تھیں۔ ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبلوں کو معلوم تھا کہ کسی کے گھر چھاپہ مارنے کے موقع پر اُن کی ڈیوٹی کیا ہوتی ہے۔ وہ گھر میں اِدھر اُدھر ہو کر کونے کھدرے دیکھ رہے تھے۔

میں کمرے میں چلا گیا۔ وہاں ایک بوڑھی عورت تھی۔ کمرے میں چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اس کمرے کے دائیں اور بائیں ایک ایک کوٹھڑی تھی ایک میں ہیڈ کانسٹیبل گیا اور دوسری میں مَیں چلا گیا۔ ہم نے چار پائیوں کے نیچے اور سامان کے پیچھے دیکھا۔ سارا گھر کھنگال ڈالا۔ دُرگا نہ ملا۔

بوڑھی عورت دُرگا کی ماں تھی۔ وہ اتنی بوڑھی نہیں تھی کہ اُٹھ نہ سکتی،

اُسے بڑا تیز بخار تھا۔ اُس کا جسم کمزور تھا لیکن زبان میں پوری طاقت تھی۔ اُس نے مجھ کو اور میرے ساتھ کے تمام آدمیوں کو گالیاں نہیں دیں، باقی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ کہتی تھی کہ دُرگا ٹھاکر کے گھر ہوگا۔ وہاں نہیں تو اُس کے باغ میں ہوگا۔ وہ پوچھتی تھی کہ اُس نے کیا جرم کیا ہے۔ میں نے اُسے نہ بتایا۔

وہاں دُرگا کی بہن تھی اور بیوی۔ بتانے والوں نے تھوڑا بتایا تھا۔ وہ زیادہ خوبصورت تھیں۔ میں نے برآمدے میں چارپائی پر بیٹھ کر تفتیش شروع کر دی۔ پہلے دُرگا کی بیوی سے پھر اُس کی بہن سے پُوچھ گُچھ کی۔ دونوں نے بتایا کہ وہ ٹھاکر کی نیت کو سمجھتی تھیں اور اُس سے کھا پی رہی تھیں۔

"کیا دُرگا کو اُس پر شک نہیں ہُوا؟"

"شک کیوں ہوتا؟" — دُرگا کی بیوی نے جواب دیا — "نیت ٹھاکر کی خراب تھی۔ ہماری نیت تو بالکل صاف تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی اُس کے ساتھ الگ تنہائی میں نہیں بیٹھتی تھی۔"

دونوں چالاک معلوم ہوتی تھیں۔ وہ جان گئی تھیں کہ میں دُرگا کو ٹھاکر کے قتل کے سلسلے میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ دونوں نے کہا کہ دُرگا ٹھاکر کے کسی کام سے کہیں باہر گیا ہوتا تو گھر بتا کر جاتا۔ وہ کہتی تھیں کہ وہ جب بھی گاؤں سے باہر جاتا ہے، بتا کر جاتا ہے۔

میں اس کا یہی مطلب لے سکتا تھا کہ دُرگا رُوپوش ہو گیا ہے۔ میں نے ان عورتوں پر یہ ظاہر کیا کہ اُنھوں نے میرا شک رفع کر دیا ہے اور میں دُرگا کو نہیں ڈھونڈوں گا۔ وہاں سے باہر آ کر میں نے دو مخبروں کو یہ ڈیوٹی دی کہ وہ اس گھر پر نظر رکھیں۔

دو طوائفیں

اس کے علاوہ بھی میں نے چھان بین اور پوچھ گچھ کی تھی کہ قتل کا کوئی اور باعث سامنے آجاتے۔ کئی اور تنازعے اور جھگڑے ہوتے ہیں لیکن کوئی واضح اشارہ اور سراغ نہیں مل رہا تھا۔ میں گاؤں سے تھانے چلا گیا۔ سات آٹھ آدمی تھانے میں آتے ہوتے تھے۔ یہ سب ٹھاکر کے باغ والے مکان میں جُوا کھیلنے جایا کرتے تھے۔ ان میں تین چار آدمی اچھے خاندانوں کے تھے۔ انہیں جُوا بازی کی عادت ہو گئی تھی۔ باقی آدمی پیشہ ور جُوا باز تھے۔ ان میں ایک جرائم پیشہ تھا اور دو سال سزا بھی کاٹ چکا تھا۔

یہ بڑی لمبی کہانی ہے کہ میں نے ان سے کس طرح تفتیش کی، کیا کیا پوچھا اور اُنھوں نے کیا کیا بتایا۔ مختصر بتاتا ہوں کہ جرائم پیشہ آدمیوں اور پیشہ ور جُوا بازوں سے پُوچھ گُچھ کرنے کا طریقہ کچھ اور ہوتا ہے۔ یہ لوگ اندر کے راز دے دیا کرتے ہیں لیکن ان میں جو ڈھیٹ پن پر اُتر آتے، اُس کے ساتھ مشکل پیش آتی ہے۔ یہ مشکل اس کیس میں بھی پیش آئی جو میں نے حل کر لی۔ دوسروں نے میرے ساتھ تعاون کیا اور جو بات میں نے نہ پوچھی وہ بھی اُنھوں نے بتائی۔ اس طرح چند اور آدمی سامنے آتے۔

پھر میں نے ان لوگوں سے تفتیش کی جو پیشہ ور نہیں تھے۔ وہ شوقیہ یا عادت کی وجہ سے جُوئے کی بازی لگایا کرتے تھے۔ یہ جرائم پیشہ نہیں تھے، بدمعاش بھی نہیں تھے، صرف آوارہ تھے۔ ان کا پالا پولیس کے ساتھ کبھی نہیں پڑا تھا۔ یہ سیدھے سادے دیہاتی بھی نہیں تھے۔ بڑے زمیندار یا اُن کے بیٹے تھے۔ اُنھوں نے تو اپنی عزت کی خاطر اور پولیس کے ڈر سے اپنے سینے کھول کر میرے آگے رکھ دیتے اور مقتول ٹھاکر کی باتیں اس طرح بیان کیں جیسے وہ ان کا دشمن تھا۔ انھوں نے میرے بعض شک رفع کئے اور ان کی جگہ نئے شک پیدا کر دیئے۔ ایسے سمجھ لیں کہ کبھی مجھ کو پتہ لگتا کہ میں صحیح راستے پر تفتیش کر رہا ہوں اور کبھی میں اپنے آپ کو

گمراہ سمجھنے لگتا۔

کچھ اس طرح معلوم ہونے لگا جیسے قتل کا باعث رقابت تھا۔ اس کو ثابت کرنے کے واسطے ایک جوان عورت کا نام سامنے آیا اور اُس کے ایک آشنا کا نام بھی لیا گیا۔ دو طوائفوں کے نام پتے بھی ملے جن کو ٹھاکر کبھی کبھی اپنے باغ میں بلایا کرتا تھا۔ ایسے اشارے ملے تھے کہ شک ہوتا تھا کہ قتل کے پس منظر میں یہ طوائفیں بھی ہیں۔ یہ گانے اور ناچنے والی تھیں۔

ان لوگوں سے تفتیش کرتے چار پانچ دن گزر گئے۔ اُنھوں نے جن افراد کے نام لئے، میں نے اُن کو بھی تھانے بلایا۔ دو تین دن ان کے ساتھ لگ گئے۔ ابھی تک مجھے کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ دُرگا واپس نہیں آیا تھا۔ اب تو یقین ہو گیا تھا کہ وہ رُوپوش ہے۔ میں نے اس سلسلے میں یہ کارروائی کی کہ دوسرے تھانوں کو اُس کا نام وغیرہ اور حلیہ لکھ کر بھجوایا اور ایک کام یہ کیا کہ دُرگا کی بیوی اور بہن کو تھانے میں بٹھا لیا۔ رات کو ان کو جانے کی اجازت دی اور اگلے دن اے۔ ایس۔ آئی کو تین چار کانسٹیبل دے کر کہا کہ دُرگا کے گھر چھاپہ مارے اور اس کے بعد اس کی بیوی اور بہن کو تھانے لے آئے۔ یہ میں اس واسطے کر رہا تھا کہ دُرگا کو اطلاع ملے کہ اُس کے گھر کی جوان عورتوں کی بے عزتی ہو رہی ہے تو وہ خود ہی تھانے آجائے۔

میں ان دونوں عورتوں کو کہتا تھا کہ وہ صرف یہ بتا دیں کہ اُنھوں نے دُرگا کو بتایا تھا کہ ٹھاکر نے اُن کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ وہ انکار کرتی تھیں۔ مجھ کو یہ شک تھا کہ ان کو معلوم ہے کہ دُرگا نے اپنی بیوی یا بہن یا دونوں کی بے عزتی کا انتقام لینے کے واسطے ٹھاکر کو زہر دے دیا ہے۔

شراب کی بوتل اور گلاسوں پر انگلیوں کے جو نشان تھے، ان کی رپورٹ الٰہ آباد سے آگئی تھی۔ گلاسوں میں چند قطرے شراب رہ گئی تھی۔ ایک گلاس میں شراب اور پانی کے جو قطرے تھے، ان میں زہر کی ملاوٹ تھی۔ مقتول

کے معدے اور جگر کے ٹکڑوں کی بھی رپورٹ آگئی تھی۔ اس میں تصدیق کی گئی تھی کہ مقتول کو زہر دیا گیا ہے۔

دوسرے کیس بھی زیرِ تفتیش تھے۔ ان کے علاوہ بھی تھانے کے کام تھے۔ عدالتوں میں زیرِ سماعت کیسوں میں گواہیاں دینے اور گواہوں کو ساتھ لے جانے کا کام بھی تھا۔ ان سب کاموں کی وجہ سے ٹھاکر کے قتل کی تفتیش آگے ہی آگے ہوتی گئی۔ ویسے بھی یہ تفتیش لمبی ہو گئی۔ میں بیس میل دور اُس شہر میں بھی گیا تھا جہاں کی دو گانے والی طوائفیں مقتول کے ہاں جایا کرتی تھیں۔ میں نے تین دن ان سے پوچھ گچھ کی اور بہت مغز مارا مگر کچھ حاصل نہ ہُوا۔

اب مجھ کو دُرگا کی تلاش تھی۔ اُس کا لاپتہ ہو جانا بے معنی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے آدمیوں نے مجھ کو بتایا تھا کہ دُرگا معمولی قسم کا بدمعاش نہیں اور اس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔

لڑکی کو ڈھونڈو

باتیس تیئس دن گزر گئے۔ ٹھاکر کا قتل ابھی تک معمہ بنا ہُوا تھا۔ دُرگا کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اچانک ہم پر ایک مصیبت آپڑی۔ ہمارا ڈی۔ ایس۔ پی جو انگریز تھا، ایک روز تھانے میں آگیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی اور ایس۔ پی اسی طرح اچانک کسی نہ کسی تھانے میں آجاتے اور زیرِ تفتیش کیسوں کی فائلیں دیکھتے اور مصیبت کھڑی کر دیتے تھے۔ وہ علاقے کا دورہ بھی کرتے تھے۔

ہمارا ڈی۔ ایس۔ پی آیا تو اسے میں اُس کا اچانک دورہ سمجھا لیکن وہ کسی اور مقصد کے واسطے آیا تھا۔ اُس نے آتے ہی ٹھاکر کے گاؤں کی ایک لڑکی کا نام لے کر کہا کہ اُس کی گمشدگی کی فائل دکھاؤ۔۔۔۔ میں نے اس کہانی کے شروع میں ایک لڑکی کا ذکر کیا ہے جو لاپتہ ہو گئی تھی۔ اس کی رپورٹ درج کرانے کے واسطے لڑکی کا باپ آیا تھا اور اُس کے ساتھ مقتول ٹھاکر تھا۔ میں نے یہ

کیس اپنے جونیئر سب انسپکٹر کو دے دیا تھا اور اس کیس کو میں نے اہمیت
نہیں دی تھی۔ ٹھاکر نے کہا تھا کہ لڑکی خود ہی اِدھر اُدھر ہو گئی ہو گی۔ میرا بھی
یہی خیال تھا۔ اس کے دو تین دن بعد ٹھاکر کا زہر خورانی کا کیس آ گیا اور میں
اُلجھ گیا۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے فائل دیکھی۔ اس میں سب انسپکٹر نے فضول سی چند
ایک ضمنیاں لکھ کر کارروائی ڈالی ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا کہ ایک
مہینے میں کیا یہی تفتیش ہوتی ہے؟ ہمارے پاس بغلیں جھانکنے کے سوا کوئی
جواب نہ تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے ہمیں اردو زبان میں بہت گالیاں دیں۔ اُس
نے کہا تم لوگوں نے اس کیس کو صرف اس وجہ سے دبایا ہوا ہے کہ گمشدہ لڑکی
ایک غریب باپ کی بیٹی ہے۔ تم اُن وارداتوں میں دلچسپی لیتے ہو جن کی تفتیش
میں تمہاری خاطر تواضع ہوتی ہے۔ اُس نے ہمیں بھوکے اور بے ایمان ہندوستانی
کہا اور اُس کے منہ میں جو آیا وہ کہتا چلا گیا۔ ہم دونوں سب انسپکٹر چپ چاپ سنتے
رہے۔ ہماری خیریت چپ رہنے میں ہی تھی۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے بتایا کہ اس لڑکی کا بڑا بھائی فوج میں نائک ہے۔
اُس کو اپنی بہن کے لاپتہ ہونے کی اطلاع ملی۔ یہ اطلاع اُس کے باپ نے بذریعہ
خط دی تھی جس میں اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ پولیس نے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں
لی۔ نائک نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کو درخواست دے دی۔ کمانڈنگ آفیسر
نے درخواست بریگیڈ کمانڈر کو بھیج دی۔ بریگیڈ کمانڈر نے نائک کے ضلعے
کے ڈپٹی کمشنر کو چٹھی لکھی اور ساتھ نائک کی درخواست منسلک کر دی۔ ڈپٹی کمشنر
نے چٹھی پولیس کے آئی جی کو بھیج دی۔

یہ تمام افسر انگریز تھے۔ ایک تو وہ کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے
اور ایک وجہ اور بھی تھی کہ ان انگریز افسروں نے ایک نائک کی درخواست پر
احکام جاری کئے اور انگریز ڈی۔ ایس۔ پی ہمارے تھانے میں آ پہنچا۔ وجہ یہ
تھی جنگِ عظیم دوم دوسرے سال میں داخل ہو چکی تھی۔ حکومتِ برطانیہ کی حالت
غیر ہو رہی تھی۔ اس کی ہندوستانی فوج مختلف محاذوں پر لڑ رہی تھی۔ انگریز ہندوستانی

فوج کو خوش رکھنے کے واسطے بہت کچھ کرتے تھے۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کوئی
معمولی سا سپاہی بھی اپنے کمانڈنگ آفیسر کو درخواست دے دیتا کہ اُس کے
گاؤں میں اُس کے خاندان کی دشمن پارٹی اُس کے گھر والوں کو تنگ کرتی ہے
تو کمانڈنگ آفیسر فوراً کارروائی کرتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر کو لکھا جاتا تھا۔ وہ فوری طور پر
پولیس کو سپاہی کے دشمنوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیتا تھا۔

ہمارا ڈی۔ ایس۔ پی بھی اوپر کے حکم سے آیا تھا۔ وہ خود بھی انگریز تھا۔
اُسے بھی ایک ہندوستانی فوجی کی شکایت رفع کرنے کا پورا پورا احساس تھا
مگر ہم نے یہاں کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے میرے جونیئر سب انسپکٹر
کو حکم دیا کہ ابھی گمشدہ لڑکی کے گاؤں جاؤ اور تفتیش شروع کر دو۔

"میں تم دونوں کو لائن حاضر کر دوں گا"— ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا —
"پھر تمہارے خلاف محکمانہ کارروائی ہو گی .... میں تم کو صرف پانچ دن دیتا ہوں۔
مجھ کو صحیح رپورٹ چاہیئے کہ لڑکی اغوا ہوئی ہے یا اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اگر
اغوا ہوئی ہے تو ملزم رپورٹ کے ساتھ موجود ہوں۔"

ڈی۔ ایس۔ پی ہمارا خون خشک کر کے چلا گیا۔ ہم نے ٹھاکر کے قتل کی
تفتیش اور دوسرے کیسوں کی تفتیشیں الگ رکھ دیں اور اس لڑکی کی گمشدگی کے
پیچھے پڑ گئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے ہمیں لائن حاضر کرنے کی صرف دھمکی نہیں دی
تھی۔ ہم تو اپنے آپ کو لائن حاضر سمجھنے لگے تھے۔

ایک خط

اگر میں یہ بیان کروں کہ مسلسل دو دن میرے جونیئر سب انسپکٹر نے
کیا تفتیش کی تو یہ کہانی بہت لمبی ہو جاتے گی۔ میں آپ کو صرف یہ بتا دیتا ہوں
کہ ہماری جان پر بنی ہوئی تھی۔ ہم نے اس طرح کیا کہ جس پر بھی ذرا سا شک ہوا
اُس کو خوب پھینٹی لگائی۔ تفتیش کو پانچ دنوں کے اندر کسی نتیجے پر پہنچانے کا
اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار

کیا کر اُٹھتے بیٹھتے اپنے اللہ کو یاد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یا اللہ! اتنی سروس پکّی ایمانداری اور دیانتداری سے کی ہے، اپنی خدائی کے صدقے میری مدد کر۔

یہ میرا تجربہ ہے کہ ایمانداری اور دیانتداری ضائع نہیں جاتی۔ اللہ صلہ دیتا ہے۔ میں آپ کو اپنا یہ تجربہ بھی بتا دوں بعض گناہگار سزا سے بچ جاتے ہیں۔ قتل اور دیگر جرائم کے بعض مجرم بری ہو جاتے ہیں اور وہ خوشیاں مناتے، مٹھائیاں تقسیم کرتے اور کہتے پھرتے ہیں کہ وہ بے قصور تھے لیکن وہ اللہ کی لاٹھی سے نہیں بچ سکتے۔ عمر کے کسی نہ کسی حصے میں اُن کو سزا ضرور ملتی ہے۔

تفتیش کا تیسرا دن تھا۔ میں نے اور جونیئر سب انسپکٹر رام سہائے نے گاؤں کی ایک چوتھائی آبادی کو بھینیٹی لگا لگا کر استری کر دیا تھا مگر لڑکی کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی کے دیتے ہوئے پانچ دنوں میں سے صرف دو دن باقی تھے۔ تیسرے دن کا سورج غروب ہونے والا تھا۔ میں تھانے میں سخت پریشانی کی حالت میں بیٹھا ہُوا تھا۔ سب انسپکٹر رام سہائے گاؤں سے آتا نظر آیا۔ اُس کا سر جُھکا ہُوا تھا اور اُس کی چال بتا رہی تھی کہ آج بھی وہ ناکام لوٹ رہا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے چار پانچ دیہاتی تھے۔ یہ مشتبہ تھے۔ مجھے رام سہائے کا بہت افسوس ہو رہا تھا۔ اس کو سب انسپکٹر ہُوتے ابھی چھ ہی مہینے ہوتے تھے۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ وہ میرے سامنے کرسی پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اُس نے شکست مان لی ہو۔ اُس کے ساتھ ابھی بات نہیں ہوتی تھی کہ ایک ڈاکیا (پوسٹ مین) آیا۔ اُس نے مجھ سے ذرا دُور رُک کر اشارہ کیا۔ وہ مجھ کو بلا رہا تھا۔ پہلے تو مجھ کو غصہ آیا لیکن میں نے اپنے اوپر کنٹرول کر لیا۔ میرے دماغ میں سوچ آگئی کہ ہو سکتا ہے یہ شخص کام کی کوئی بات بتانے آیا ہو۔ ایک سوچ یہ بھی آئی کہ اس نے اگر کسی کی سفارش کی تو میں دو کانسٹیبلوں کے سپرد کر کے اس کو بھی استری کرا دوں گا۔

"میں یہاں کے ڈاک خانے کا پوسٹ مین ہوں" —— اس نے کہا —— "میں دیہات میں ڈاک تقسیم کرنے جاتا ہوں۔ جس گاؤں کی لڑکی لاپتہ ہے، اُس گاؤں کے دس بارہ خط تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ لوگ اَن پڑھ ہیں۔ وہ مجھ سے خط پڑھواتے ہیں۔ میں نے ایک خط پڑھا۔ یہ ایک حوالدار کا ہے جو اُسی جاٹ رجمنٹ میں ہے جس میں لاپتہ لڑکی کا بھائی نائک جگموہن داس ہے۔ حوالدار نے اپنے گھر والوں کو لکھا ہے کہ نائک جگموہن کی بہن اُس کے پاس آتی ہوتی ہے۔ اس حوالدار نے گھر والوں کو کوئی چیزیں بھیجی ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ وہ یہ چیزیں دُلاری (گمشدہ لڑکی) کے ہاتھ بھیج دے گا۔ حوالدار نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے اپنی رجمنٹ کے فیملی کوارٹروں میں دُرگا کو بھی دیکھا ہے"۔

مجھ کو ایسے لگا جیسے اس ڈاکیے کو میں خواب میں دیکھ رہا ہوں، اور اگر یہ خواب نہیں تو یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ مجھ کو کسی معجزے کی توقع نہیں تھی۔

"کیا بکواس کرتے ہو!" —— میرے مُنہ سے بے اختیار نکلا —— "دُلاری کے بھائی نے ہی درخواست دی ہے کہ اُس کی بہن لاپتہ ہو گئی ہے۔ میں کس طرح مان سکتا ہوں کہ بہن کو اُس نے اپنے پاس رکھا ہُوا ہے اور اُس کی گمشدگی کی درخواست دے دی ہے؟ .... اور یہ دُرگا وہاں کیا کر رہا ہے؟"

"آپ اس حوالدار کے گھر چلے جائیں" —— ڈاکیے نے کہا —— "مجھ کو معلوم ہے کہ دُلاری کی گمشدگی پر گاؤں پر کیا مصیبت آئی ہوتی ہے۔ اس گاؤں میں پولیس کا سپاہی چلا جاتے تو لوگ اِدھر اُدھر بھاگ جاتے ہیں۔ حوالدار کے باپ نے مجھ کو ہاتھ جوڑ کر کہا تھا کہ میں کسی کے ساتھ اس خط کا ذکر نہ کروں ورنہ پولیس ہم سب کو تھانے لے جا کر مارے گی.... میں نے حضور، اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ مجھ کو بے شک آپ گواہوں میں شامل کر لیں۔ اگر یہ لوگ خط سے انکاری ہوں تو مجھ کو بلا لیں"۔

میں آپ کو اُس وقت کی ایک بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اب تو تعلیم دیہات میں بھی چلی گئی ہے۔ اُس وقت دیہات میں کوئی کوئی آدمی صرف اتنا پڑھا ہُوا ہوتا تھا کہ خط پتر لکھ پڑھ سکتا تھا۔ جنگ کے زمانے میں فوجیوں کے خط آتے تھے جو ڈاکیا پڑھ کر اُن کے گھر والوں کو سناتا تھا۔ گھر

واے اس کے عوض ڈاکیے کو تھوڑا سا گڑ یا دو چار انڈے یا دانے وغیرہ
دے دیتے تھے۔ خطوں کے جواب بھی ڈاکیے سے لکھواتے جاتے تھے۔
اس کا معاوضہ عموماً دو پیسے ہوتا تھا۔ یہ ڈاکیا عجیب و غریب خبر لایا تھا۔
میں نے اُسی وقت سب انسپکٹر رام سہائے اور دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا۔
ایک یکہ منگوایا اور اُس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ رات ہو گئی تھی۔ چوکیدار سے حوالدار
کے گھر کا پتہ کیا اور اُس کے دروازے پر جا ہاتھ مارا۔ حوالدار کے باپ نے
دروازہ کھول کر جب اپنے سامنے دو تھانیدار دیکھے تو اُس کی حالت ایسی
ہو گئی کہ مجھ کو ڈر لگا کہ یہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ دیتے
اور اُس کے مُنہ سے الفاظ کی بجائے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔
"مت ڈرو بھائی!" — میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا —
"ہم تجھے کھانے تو نہیں آئے۔ تمہارے بیٹے کا جو خط آیا ہے وہ دے دو۔"
"حضور!" — اُس نے کہا — "میں غریب آدمی ہوں۔ میں آپ کو خط
دے دوں گا۔ مجھ کو تھانے نہ لے جانا۔ آپ خط دیکھ لیں۔ میرے بیٹے کا اس
میں کوئی قصور نہیں۔"
ہم اندر چلے گئے۔ اُس کا سارا خاندان جاگ اُٹھا۔ لالٹین کی روشنی میں
ہر فرد کانپتا ہُوا نظر آ رہا تھا۔ حوالدار کے باپ نے معلوم نہیں کہاں سے خط نکال
کر مجھ کو دے دیا۔ میں نے اور رام سہائے نے خط پڑھا۔ اس میں وہی لکھا تھا
جو ڈاکیے نے بتایا تھا۔ خط سے یہ پتہ لگتا تھا کہ حوالدار کو معلوم نہیں کہ جس لڑکی کا
اُس نے ذکر کیا ہے وہ لاپتہ ہے اور پولیس نے سارے گاؤں کے لئے
مصیبت کھڑی کی ہوئی ہے۔ اُس کو شاید یہ معلوم تھا کہ لڑکی ویسے ہی بھائی
سے ملنے آئی ہوئی ہے۔
ہم نے خط اپنے قبضے میں لے لیا اور حوالدار کے باپ کو کہا کہ وہ بالکل
نہ ڈرے۔ اُس کو ہم صرف گواہ بنائیں گے اور وہ اتنی سی گواہی دے گا کہ
اُس کو اپنے بیٹے کا یہ خط ملا تھا اور خط ڈاکیے نے پڑھ کر سنایا تھا۔ بوڑھا باپ
بے چارہ اتنا ڈرا ہُوا تھا کہ اُس نے بیٹھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے اور کہنے لگا کہ

اُس کو جیسی بھی گواہی کے واسطے کہا جائے گا وہ ویسی ہی گواہی دے گا۔
بوڑھے کو تسلی دلاسہ دے کر ہم واپس آ گئے۔

جاٹ رجمنٹ میں تفتیش

صبح سویرے پہلی لاری سے میں علاقہ ڈی۔ ایس۔ پی کے ہیڈ کوارٹر
کو روانہ ہو گیا۔ لاری نے ایک گھنٹے سے پہلے مجھ کو وہاں پہنچا دیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی
ابھی دفتر میں نہیں آیا تھا۔ میری حالت تو یہ تھی جیسے میرے اندر بارُود بھرا
ہُوا ہو۔ میں ڈی۔ ایس۔ پی کے بنگلے میں چلا گیا۔ وہ تیار ہو کر باہر نکل رہا تھا۔
مجھ کو دیکھ کر اُس نے غصّے سے گھورا۔ میں نے سلیوٹ کیا۔
"کیا رپورٹ لائے ہو؟" — اُس نے پوچھا — "اُسی لڑکی کے کیس کی
رپورٹ لائے ہو یا کوئی اور کام ہے؟"
میں نے جیب میں سے حوالدار کا خط نکال کر اُس کے آگے رکھ دیا۔
اُس نے کاغذ کھولا اور میری طرف پھینک دیا۔
"پڑھ کر سناؤ" — اُس نے کہا — "ہم صرف اردو بول سکتے ہیں۔"
میں نے خط پڑھ کر سنایا۔ پھر اُس کو بتایا کہ ڈاکیے نے مجھ کو کیا اطلاع
دی تھی۔ پھر میں نے ڈی۔ ایس۔ پی کو کہا کہ مجھ کو جبل پور چھاؤنی میں اُس
جاٹ رجمنٹ میں جانے کا اجازت نامہ دیا جائے اور مجھ کو اتھارٹی لیٹر دیا
جائے کہ میں وہاں تفتیش کر سکوں۔
"میرے دفتر میں آجاؤ" — اُس نے کہا اور اپنے سائیکل پر سوار ہو
کر دفتر کو روانہ ہو گیا۔
قصہ مختصر یہ کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے مجھ کو سرکاری چٹھی دے دی جس پر میں
رجمنٹ میں جا کر تفتیش کر سکتا تھا اور فوجی افسروں پر پابندی تھی کہ وہ میرے
ساتھ تعاون کریں۔
میں دوسرے دن کی شام جبل پور پہنچا اور وہاں کے پولیس ہیڈ کوارٹر

چلا گیا۔ رات وہاں گزاری۔ علی الصبح مجھ کو وہاں کے ایس۔ پی کے سامنے لے
جایا گیا۔ میں نے اُس کو چِٹھی دکھائی اور کیس سنایا۔ اُس نے غالباً بریگیڈ ہیڈ کوارٹر
کو ٹیلی فون کیا اور میرے واسطے تمام راستے صاف کر دیئے۔

دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے جب میں اُس جاٹ رجمنٹ کے
کمانڈنگ آفیسر کے دفتر میں پہنچ گیا جس میں خط لکھنے والا حوالدار اور گمشدہ لڑکی
کا بھائی نانک جگ موہن تھے۔ میں نے اس انگریز افسر کو وہ چِٹھیاں دکھائیں جو
میں ساتھ لے گیا تھا۔

"آپ کو کس طرح معلوم ہُوا ہے کہ لڑکی یہاں ہے؟"—— اس انگریز کرنل
نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے حوالدار کا خط اُس کو پڑھ کر سنا دیا۔ وہ مسکرانے لگا۔

"اگر ہم دباؤ نہ ڈالتے تو تم لوگ پرواہ ہی نہ کرتے کہ لڑکی کو کون اُٹھا
کر لے گیا ہے"—— کرنل نے کہا —— "ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ تم لوگ
پبلک کا کتنا خیال رکھتے ہو اور اپنی ڈیوٹی میں تم کتنے کچے پکے ہو۔"

"صاحب بہادر!"—— میں نے کہا —— "اگر ایک لڑکی گاؤں کے ایک
ایسے بدمعاش کے ساتھ جس سے گاؤں کے سب لوگ ڈرتے ہیں، خود ہی گھر
سے کہیں چلی جاتے تو ہماری تفتیش کیا کر سکتی ہے، اس خط میں دُرگا نام کے جس
شخص کا ذکر ہے، یہ بہت بڑا بدمعاش ہے اور یہ شخص ایک آدمی کے قتل
میں پولیس کو مطلوب ہے۔ دُرگا قتل کی رات سے لاپتہ ہے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ قتل کا مجرم یہی ہے؟"—— کرنل نے پوچھا۔

"یقین تو تفتیش میں کیا جائے گا صاحب بہادر!"—— میں نے کہا ——
"حالات اور شہادت اس شخص کے خلاف جا رہی ہے۔ میں آپ سے درخواست
کرتا ہوں کہ دُرگا اور اس لڑکی کو میرے حوالے کر دیں۔ ہو سکتا ہے مجھے آپ
کی رجمنٹ کے کچھ اور لوگوں کے بھی بیان لینے پڑیں۔ میں آپ سے تعاون
کی درخواست کرتا ہوں۔"

کرنل خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس نے ایجوٹنٹ کو بلایا۔ ان

دونوں انگریز افسروں کا غالباً یہ خیال تھا کہ میں انگریزی نہیں سمجھ سکتا۔ انہیں
معلوم نہیں تھا کہ میں ایف اے پاس کر کے ڈائریکٹ اے۔ ایس۔ آئی بھرتی
ہُوا تھا اور پولیس کے انگریز افسروں کے ساتھ میری بات چیت عموماً انگریزی
میں ہُوا کرتی تھی۔

"اِن لوگوں نے ہمیں بیوقوف بنایا ہے"—— کرنل نے ایجوٹنٹ
سے کہا —— "نانک جگ موہن نے یہ بالکل نہیں بتایا کہ جو شخص اُس کی بہن کو
کسی آدمی کی قید سے نکال کر لایا ہے وہ خود بہت بڑا بدمعاش آدمی ہے
اور یہ انسپکٹر کہتا ہے کہ اسے شک ہے کہ یہ بدمعاش گاؤں میں کسی کو قتل کر
کے آیا ہے۔"

"معاف رکھنا سر!"—— کیپٹن ایجوٹنٹ نے کہا —— "ہمیں ان لوگوں
پر پہلے ہی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ان ہندوستانیوں کی اپنی ہی سیاست
ہوتی ہے جس میں یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم پہلے دن ہی لڑکی
کو اور جس کے ساتھ وہ آئی تھی اسے ان کے گاؤں کی پولیس کے حوالے
کر دیتے۔"

"میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ہماری ہندوستانی پولیس اپنی ڈیوٹی کس طرح کر
رہی ہے"—— کرنل نے کہا —— "مجھے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس لڑکی کو
گاؤں کے کسی امیر زمیندار نے اغوا کر کے اپنے پاس قید میں رکھا ہُوا تھا لیکن
اب مجھ کو شک ہوتا ہے کہ اس کے آگے ان لوگوں نے جو کہانی بیان کی ہے
وہ سچی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ نانک جگ موہن، اس کی بہن اور یہ آدمی جس کا
نام دُرگا ہے، اس کو بھی یہاں بلا کر اس پولیس انسپکٹر کے حوالے کر دیا جائے
اور یہ تفتیش یہیں کرے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ میں خود
یہ رپورٹ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو لکھوں گا ورنہ ایسے ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ آپس
میں مل ملا کر کوئی اور گڑبڑ پیدا کر دیں اور کوئی اُلٹی بات ہمارے سر پر آ
پڑے ... صوبیدار میجر سے کہو کہ ان سب کو بلاتے۔"

ایجوٹنٹ چلا گیا۔ کرنل نے مجھ کو اتنا ہی بتایا کہ وہ ان سب کو بلا رہا ہے

اُس نے مجھ کو ایجوٹنٹ کے کمرے میں بیٹھنے کو کہا۔

لڑکی کا بیان

کچھ دیر بعد تینوں کو میرے سامنے لایا گیا۔ دُرگا کو میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ڈکیتی کے دو کیسوں میں یہ شخص ملزموں کی صفائی میں پیش ہُوا تھا۔ یہ بالکل جھوٹا گواہ تھا۔ چونکہ یہ باقاعدہ جرائم پیشہ نہیں تھا اس واسطے اس کا نام تھانے کے ریکارڈ پر نہیں تھا۔ ایجوٹنٹ نے مجھ کو کہا کہ وہ تفتیش کے لئے علیحدہ کمرہ دے رہا ہے۔ مجھ کو ساتھ لے جا کر اُس نے وہ کمرہ دکھایا۔ وہاں ایک میز اور دو تین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے سب سے پہلے لڑکی کو بلا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔

”دیکھو دُلاری!“ —— میں نے اُس کو کہا —— ”گاؤں میں ہر طرح کا جھوٹ چل سکتا ہے۔ پولیس اور فوج کے سامنے اگر تم جھوٹ بولو گی تو یہ انگریز افسر تم کو باہر کھڑا کر کے گولی مار دیں گے یا تم کو ساری عمر کے واسطے کالا پانی بھیج دیں گے۔ اس وقت صرف میں ہوں جس کے آگے تم سچ بولو گی تو محفوظ رہو گی۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ تم دُرگا جیسے بدمعاش کے ساتھ خود گھر سے بھاگی ہو اور یہاں آکر تم نے اپنے بھائی کی زبانی انگریز افسروں کو کوئی اور ہی کہانی سُنا دی ہے۔“

”نہیں نہیں“ —— دُلاری نے اس طرح کہا جیسے میں نے اُس کی گردن پر چھری رکھ دی ہو۔ وہ تڑپ تڑپ کر بولی —— ”میں دُرگا کے ساتھ گھر سے نہیں بھاگی۔ وہ ٹھاکر گاؤں میں موجود ہے جس نے مجھ کو اغوا کرا کے اپنی قید میں رکھ لیا تھا۔ وہ میری بہت خاطر تواضع کرتا رہا اور مجھ کو کہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ شادی کرے گا۔“

اس لڑکی کی یہ بات سن کر مجھ کو اس طرح لگا جیسے یہ کمرہ ایک چکر میں گھوم رہا ہو۔ مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ اس لڑکی کے کیس کا تعلق ٹھاکر کے قتل

کے ساتھ ہو گا۔ مجھ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اس لڑکی سے کیا پوچھوں اور اس کو کیا کہوں۔ یہ کیس فلمی کہانی بنتا جا رہا تھا۔

”تم کون سے ٹھاکر کی بات کر رہی ہو؟“ —— میں نے دُلاری سے پوچھا۔ اُس نے اُسی ٹھاکر کا نام لیا جو قتل ہو چکا تھا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ دُرگا اُس ٹھاکر کا خاص آدمی تھا اور اُس نے اپنے باغ میں اپنے لئے بڑا خوبصورت مکان بنایا ہُوا ہے۔

”میری بات غور سے سنو دُلاری!“ —— میں نے کہا —— ”میں تم کو بتا چکا ہوں کہ جھوٹ بولو گی تو تمہارا کیا انجام ہو گا۔ اب میں تم کو صرف یہ کہتا ہوں کہ سارا واقعہ خود بیان کر دو۔“

”یہ سارا واقعہ اس طرح ہُوا“ —— دُلاری نے کہا —— ”میں شام سے ذرا پہلے اپنی بکریوں کو واپس گھر لا رہی تھی۔ گاؤں سے کچھ دُور ٹیلے اور گہرائی ہے۔ جب میں وہاں سے گزر رہی تھی تو میرے سر پر موٹا سا کپڑا آن پڑا۔ پھر کسی آدمی نے پیچھے سے مجھ کو اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ایک آدمی کی آواز آئی —— ’اس کا مُنہ باندھ دو‘ —— اُنہوں نے کپڑے کے اُوپر سے میرے منہ پر ایک کپڑا باندھ دیا۔ پھر اُنہوں نے مجھ کو اُٹھا لیا اور کسی طرف لے گئے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ شاید وہ اندھیرا ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ آدمی دو تھے، تین تھے یا کتنے تھے ....

”اُنہوں نے مجھ کو پھر اُٹھا لیا اور کسی طرف چل پڑے۔ وہ مجھ کو باری باری اٹھاتے تھے۔ اُن کے اُٹھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی مجھ کو اپنے کندھے پر ڈال لیتا تھا۔ بہت دیر بعد مجھ کو محسوس ہُوا کہ دروازہ کُھلا ہے اور وہ مجھ کو اندر لے جا رہے ہیں۔ اندر لے جا کر اُنہوں نے مجھ کو ایک پلنگ پر ڈال دیا اور میرا مُنہ کھول کر جو میرے اُوپر موٹے کپڑے کی چادر پڑی ہوئی تھی وہ بھی ہٹا دی۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ وہاں تین چار آدمی تھے۔ دو کے چہرے کپڑوں میں لپٹے ہوتے تھے۔ وہ باہر چلے گئے۔ میرے

سامنے دو آدمی کھڑے رہے۔ ایک یہ ٹھاکر تھا اور دوسرا دُرگا تھا۔ میں
دونوں کو دیکھ کر بہت ڈری۔ ایک ٹھاکر اور ایک بدمعاش کے سامنے
میری حیثیت چیونٹی جیسی تھی۔ اگر میں بدچلن لڑکی ہوتی تو مجھ کو کوئی فکر نہ ہوتا۔
میں نے اپنی عزت کو ہمیشہ عزیز رکھا ہے ....

"میں نے رونا شروع کر دیا اور ان کی منتیں کرنے لگی کہ مجھ کو چھوڑ
دیں۔ میرا خیال تھا کہ یہ دونوں میرے ساتھ زیادتی کریں گے لیکن اُنہوں
نے ایسا بالکل نہیں کیا۔ ٹھاکر نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اُس نے
مجھ کو بدکاری کے واسطے نہیں اٹھوایا۔ اُس نے بھگوان کی قسم کھا کر کہا کہ
وہ میرے ساتھ شادی کرے گا۔ دُرگا نے بھی میرے ساتھ عزت اور پیار
سے بات کی ....

"میں نے اُن کو کہا کہ شادی کرنے کا یہ کیا طریقہ ہے۔ میرے باپ
کو کہو۔ وہ غریب آدمی ہے۔ وہ تم کو فوراً میرا رشتہ دے دے گا۔ ٹھاکر نے
کہا کہ اُس نے رشتہ مانگا تھا۔ میرے باپ نے میرے بھائی کو خط لکھ کر پوچھا تو
بھائی نے انکار کر دیا ہے۔ ٹھاکر نے مجھ کو یہ بھی کہا کہ تم میرے دل میں اس
طرح بیٹھ گئی ہو کہ میں تمہارے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اُس نے میری منتیں کیں۔
دُرگا بدمعاش آدمی ہے لیکن اُس نے بھی مجھ کو پیار سے سمجھایا کہ میں آرام سے
بیٹھی رہوں۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ مجھ کو یہاں رکھ کر کیا کریں گے۔ ٹھاکر
نے کہا، دیکھو دُلاری! سچی بات یہ ہے کہ تمہارا باپ پریشان ہوگا کہ اُس کی
بیٹی کدھر گئی۔ میں اُس کو کہوں گا کہ میں تمہاری بیٹی کو ڈھونڈ کر لے آؤں گا
لیکن شرط یہ ہے کہ تم اُس کی شادی میرے ساتھ کر دو ....

"میں ساری رات ڈرتی رہی۔ اُنہوں نے کمرے کے اندر دونوں
دروازوں کو تالے لگا دیئے۔ ساری رات گزر گئی۔ اُنہوں نے میرے ساتھ
ذرا سی بھی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔ اگلے دن اگلی رات پھر اگلا دن اور اگلی رات ٹھاکر
مجھ کو بڑے آرام سے سمجھاتا رہا کہ میں ایک دو دن صبر سے بیٹھی رہوں۔ مجھ
کو یہ تسلی ہو گئی تھی کہ ٹھاکر کی نیت خراب نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اتنے دن اور

اتنی راتیں یہ دونوں یا کم از کم ٹھاکر مجھ کو بہت خراب کر سکتے تھے۔ ٹھاکر نے
میرے آگے سو سو کے نوٹ رکھے اور بہت سا زیور میری گود میں رکھا اور کہنے
لگا کہ یہ سب تمہارا مال ہے، میں تم کو رانی بناؤں گا۔ اس کی منت سماجت اور
یہ روپے اور سونا دیکھ کر میرا دل ٹھاکر کی طرف آنا شروع ہو گیا۔ میں نے اس
کو کہا کہ یہ سب کچھ ابھی اپنے پاس رہنے دو، پہلے میرے باپ کو مناؤ۔"

"مجھے یہ بتاؤ دُلاری!" ــــ میں نے اُس سے پوچھا ــــ "کیا دُرگا ہر
وقت اس مکان میں موجود رہتا تھا؟"

"نہیں" ــــ دُلاری نے جواب دیا ــــ "وہ صرف پہلی رات موجود
رہا تھا۔ اس کے بعد وہ صرف رات کو آتا تھا۔"

"دُرگا تمہیں ڈراتا نہیں تھا؟"

"نہیں جی!" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "دُرگا تو بڑی اچھی باتیں کرتا
تھا .... تیسری رات ٹھاکر نے میرے آگے بہت اچھا کھانا رکھا اور کہنے لگا
کہ آج میں تم کو دارُو (شراب) پلاؤں گا۔ میں نے کہا یہ تو بہت بُری چیز ہے،
میں نہیں پیتوں گی۔ اُس نے بڑے پیار سے کہا کہ میرے کہنے پر ایک دو
گھونٹ پی لینا۔ میں نے اُس کا اتنا اچھا سلوک دیکھ کر سوچا کہ چلو ایک دو گھونٹ
پی لیتی ہوں۔ وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دارُو کی بوتلیں شاید اُدھر رکھی
تھیں۔ اتنے میں مجھ کو دُرگا کی آواز سنائی دی۔ وہ اُسی وقت آیا تھا اور وہ
ٹھاکر کے ساتھ باتیں کر رہا تھا ....

"ٹھاکر خالی ہاتھ واپس آگیا اور میرے پاس بیٹھ گیا۔ پھر دُرگا آیا۔ اُس
کے ہاتھ میں دو گلاس تھے جن میں دارُو تھا۔ اُس نے ایک گلاس میرے ہاتھ
میں دے دیا اور دوسرا ٹھاکر کے ہاتھ میں۔ ٹھاکر نے مجھ کو کہا کہ پیو۔ میں نے
ڈرتے ڈرتے ذرا سا دارُو پیا۔ ذائقہ بہت کڑوا تھا۔ میں نے بُرا سا منہ
بنایا تو ٹھاکر نے اپنے ہاتھ سے میرے گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈال دیا۔ دُرگا
بوتل اُٹھا کر لے آیا۔ دُرگا نے بوتل کے ساتھ ہی منہ لگا لیا۔ ٹھاکر نے ایک ہی
سانس میں اپنا گلاس خالی کر دیا۔ دونوں کے کہنے پر میں نے بھی جلدی جلدی اپنا

گلاس پی لیا۔ ٹھاکر نے ایک پلیٹ میرے آگے کر کے کہا کہ اب یہ کھا لو....

"ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ ٹھاکر کہنے لگا کہ اُس کو چکر سا آتا ہے۔ دُرگا نے اُس کو کہا کہ تھوڑی سی اور پی لو۔ یہ کہہ کر اُس نے ٹھاکر کے گلاس میں تھوڑا اور دارُو ڈال دیا۔ ٹھاکر وہ بھی چڑھا گیا۔ اس کے بعد معلوم نہیں اُس کو کیا ہُوا کہ کبھی وہ پیٹ پر ہاتھ رکھتا تھا کبھی گلے پر اور کبھی اپنے ماتھے پر۔ ایک بار اُس نے کہا — دُرگے! تُو نے غلطی تو نہیں کر دی؟ — دُرگا نے ہنس کر کہا کہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے؟ مجھ کو معلوم نہیں کہ اُن کی اِن باتوں کا کیا مطلب تھا....

"ٹھاکر کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ اُس نے دُرگا کو کہا کہ اُس کو گھر پہنچا دے۔ دُرگا نے اُس کو کہا کہ وہ آرام آرام سے اکیلا چلا جائے۔ اگر وہ اُس کے ساتھ گیا تو یہ (دُلاری) اکیلی رہ جائے گی۔ ٹھاکر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دُرگا نے مجھ کو کہا کہ دُلاری چلو یہاں سے نکلو۔ میں نے پُوچھا کہ وہ مجھ کو کہاں لے جا رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ تمہاری جان سخت خطرے میں ہے۔ تم کنواری لڑکی ہو۔ ٹھاکر نے تم کو ایک سنیاسی کے کہنے پر اغوا کرایا ہے۔ ایک دو دنوں میں یہ تم کو قتل کر کے کوئی ٹُونہ کرے گا۔ اُس ٹُونے سے اس کو دولت حاصل ہو گی ....

"مجھ کو دُرگا پر شک ہونے لگا کہ یہ مجھ کو دھوکہ دے رہا ہے، لیکن اس نے مجھ کو ساری بات سمجھائی جو سُن کر میں مان گئی بلکہ میں بہت ڈری۔ دُرگا یہیں ہے۔ آپ خود اُس سے یہ ساری بات سُن لیں۔ میں اُس کے ساتھ ٹھاکر کے باغ والے مکان کے پچھلے دروازے سے نکلی۔ رات کو ہم پیدل چلتے رہے۔ صبح مُنہ اندھیرے ہم ایک گاؤں میں پہنچے۔ مجھ کو بالکل معلوم نہیں کہ وہ کون سا گاؤں تھا یا اُس گاؤں کو کون سا راستہ جا رہا تھا۔ وہاں مجھ کو الگ کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ ایک بوڑھی عورت نے مجھ کو دُودھ پلایا اور اس کے ساتھ ایک پراٹھا کھلایا۔ بہت دیر بعد دُرگا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں تم کو تمہارے بھائی کے پاس لے جاؤں گا۔ اُس نے مجھ سے پُوچھا کہ آجکل میرا بھائی کہاں ہے۔ میں نے اُس کو بتایا کہ وہ جبل پور میں جاٹ رجمنٹ میں ہے ....

"مجھ کو دُرگا کی نیت پر شک ہو گیا۔ میں نے اُس کو کہا کہ بھائی کے پاس لے جانے کی بجائے تم مجھ کو میرے باپ کے پاس کیوں نہیں لے جاتے؟ اس نے جواب دیا کہ ٹھاکر پہنچ والا آدمی ہے اور وہ ٹھاکر بھی ہے، پولیس بھی اُس کے ہاتھ میں ہے اس واسطے وہ ہم دونوں کو مروا دے گا یا کسی ایسے چکر میں ڈال دے گا کہ ہم سیدھے جیل خانے میں جائیں گے۔ بہتر ہے کہ اپنے بھائی کے پاس چلو....

"میں مجبور تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں خاموشی سے اُس کے ساتھ چل پڑی۔ اُس گاؤں سے ڈیڑھ دو کوس دُور ہم ٹٹوؤں پر ایک ریلوے سٹیشن تک پہنچے۔ جو آدمی ہمارے ساتھ آیا تھا وہ ٹٹو لے کر چلا گیا۔ ریل گاڑی آئی۔ ہم اُس میں بیٹھے اور اگلے روز جبل پور پہنچے۔ چھاؤنی میں آ کر جاٹ رجمنٹ کی بارکیں پُوچھ پُوچھ کر ہم یہاں پہنچ گئے اور مجھ کو میرا بھائی مل گیا۔ بھائی بہت حیران ہُوا۔ دُرگا نے میرے بھائی کو کہا کہ ساری بات اس کی زبانی سُنو۔ میں نے اپنے بھائی کو ساری بات سنا دی۔ میرا بھائی یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ وہ بہت دیر بعد آیا اور مجھ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جو یہاں صوبیدار ہے۔ مجھ کو صوبیدار کے گھر میں چھوڑ دیا گیا۔ دُرگا کو بھی اُس کے کوارٹر میں بٹھا دیا گیا۔ مجھ کو بالکل معلوم نہیں کہ میرا بھائی اور دُرگا کیا کرتے رہے۔ بھائی مجھ کو اس کوارٹر میں آ کر ملتا تھا اور کہتا تھا کہ اُس نے درخواست دی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ پولیس آئے گی اور وہ تم کو لے جائے گی یا میں تم کو اپنے ساتھ گاؤں لے جاؤں گا۔ ایک روز ایک عورت صوبیدار کی بیوی کے پاس آئی۔ ہم دونوں نے ایک دوسری کو پہچان لیا۔ وہ ہمارے گاؤں کی رہنے والی ہے۔ اس کا خاوند یہیں حوالدار ہے۔"

"حوالدار کی بیوی کو تم نے کیا بتایا تھا؟"

"میں نے یہی کہا تھا کہ اپنے بھائی سے ملنے آئی ہوں" — دُلاری نے جواب دیا — "اس عورت نے دُرگا کو بھی دیکھ لیا تھا۔ پوچھنے لگی کہ

یہ بدمعاش یہاں کس طرح آیا ہے۔ میں نے اُس کو بتایا کہ یہ میرے بھاتی کا بڑا گہرا دوست ہے۔ یہ میرے ساتھ آیا ہے، اور یہ میرا مُنہ بولا بھاتی ہے۔ دراصل مجھ کو بھاتی نے کہا تھا کہ کوتی بھی پوچھ بیٹھے تو کہنا کہ اپنے بھاتی کو ملنے آتی ہوں .... پھر آج آپ آگتے۔"

لڑکی کنواری ہو

اس کے بعد میں نے دُرگا کو بُلایا۔

"دُرگا دوست!" —— میں نے اُس کو کہا —— "اِس وقت تم صرف پولیس کے ہاتھ میں نہیں، فوج کے ہاتھ میں بھی ہو۔ میں کچھ سوچ سمجھ کر اور کسی کی نشاندہی پر تمہارے پیچھے آیا ہوں۔ دُلاری نے مجھ کو اپنا سینہ کھول کر دکھا دیا ہے۔ اُس نے کوتی بات نہیں چھپاتی۔ تمہارا بیان اُس سے ذرا سا بھی مختلف ہُوا تو بُرے پھنسو گے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟"

"حضور!" —— اُس نے لمبی سانس لے کر کہا —— "لوگ مجھ کو دُرگا بدمعاش کہتے ہیں۔ بدمعاش کو لوگ بدمعاش ہی کہا کرتے ہیں۔ اگر بدمعاش کوتی نیکی کر گزرے تو کہتے ہیں کہ اس میں بھی کوتی بدمعاشی ہو گی .... میں نے ایک نیک کام کیا ہے لیکن بدمعاشی سے کیا ہے مگر آپ اس کو پولیس اور قانون کی نظر سے دیکھیں گے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اسے ایک انسان کی نظر سے دیکھیں؟"

"مجھ سے وعدہ لے دُرگے!" —— میں نے کہا —— "اگر تُو نے نیکی کی ہے تو اِس کا صلہ مجھ سے لے لیکن وعدہ دے کہ مجھ سے کچھ چھپاتے گا نہیں۔"

"پہلے مجھ کو یہ بتاتیں کہ ٹھاکر کس حال میں ہے؟" —— اُس نے پوچھا۔

"اُس کی تو راکھ بھی باقی نہیں رہی" —— میں نے جواب دیا —— "وہ مر چکا ہے۔"

اس سلسلے میں اُس کے ساتھ مزید باتیں ہوتیں۔ میں نے اپنا رویہ دوستوں جیسا رکھا۔ آخر اُس نے راز سے پردہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ ٹھاکر کی بابت اُس نے بتایا کہ بدکار آدمی تھا۔ وہ سارے گاؤں پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔

"میرے ساتھ اُس کی دوستی بدمعاشی کے سلسلے میں ہی تھی" —— اُس نے کہا —— "میں نے اُس کو اپنا آقا بنایا ہُوا تھا۔ لوگ مجھ کو اُس کا خاص ملازم کہتے تھے۔ میری وجہ سے وہ محفوظ رہتا تھا۔ مجھ کو اُس سے روپیہ پیسہ بھی مل جاتا تھا، شراب بھی اور عیاشی کا ہر سامان بھی ....

"ایک روز اُس نے مجھ کو راز کی ایک بات بتاتی۔ ہمارے گاؤں سے دو اڑھاتی میل دُور پرانے زمانے کا ایک کھنڈر ہے۔ وہاں سنیاسی اور سادھو رہتے ہیں۔ ٹھاکر کو کسی نے بتایا کہ وہاں ایک سنیاسی ہے جس کے ہاتھ میں کوتی غیبی علم ہے جو وہ کسی کو بتاتا نہیں۔ اگر وہ کسی پر مہربان ہو جاتے تو اُس کے گھر کے گھڑے روپے اور زیور سے بھر جاتے ہیں۔ ٹھاکر اُس کے پاس گیا۔ اُسے شراب کی دو تین بوتلیں دیں۔ کچھ رقم بھی دی۔ پھر وہ اُس کی خدمت کرتا رہا۔ مجھ کو ٹھاکر اتنا ہی بتاتا تھا کہ سنیاسی کو اُس نے رام کر لیا ہے اور اُس کے ہاتھ میں واقعی کوتی علم ہے ....

"ایک روز ٹھاکر بہت خوش تھا۔ مجھ کو گھر سے بلا کر کہنے لگا —— 'دُرگا داس! کام مشکل نہیں۔ اگر یہ کام کر دو تو تمہارے گھر میں دولت کے ڈھیر لگ جاتیں گے' —— میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا کام ہے۔ اُس نے بتایا —— 'اُس سنیاسی نے کہا ہے کہ خیال رکھو، گاؤں میں سولہ یا سترہ سال کی عمر کی کوتی کنواری لڑکی منگل کے روز مر جاتے تو اُس کی کھوپڑی کی ہڈی جو چار اِنچ سے کم نہ ہو، حاصل کر لو۔ سنیاسی نے کہا ہے کہ یہ ہڈی میرے پاس لے آؤ۔ میں اس پر ایسا عمل کر کے تمہیں دے دوں گا کہ یہ ہڈی ایک خاص وقت لوہے کے ٹکڑے پر پھیر دو گے تو وہ ٹکڑا خالص سونا بن جاتے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس ہڈی کو ایک خاص وقت اپنے گھر کی ایک خاص جگہ رکھ دو تو تمہیں پتہ نہیں چلے گا کہ تمہارے گھر میں پیسے کہاں سے آ گتے ہیں' ....

"ٹھاکر نے مجھ کو کہا — 'میں سارے گاؤں کی لڑکیوں پر نظر دوڑا چکا ہوں۔ مجھ کو ایک لڑکی نظر آئی ہے جس کی عمر سولہ سال سے کم اور سترہ سال سے زیادہ نہیں۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ شریف لڑکی ہے اس لئے وہ کنواری ہے'....

"اُس نے دُلاری کا نام لیا۔ میں نے اُس کو کہا کہ تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ اسی عمر میں منگل کے روز مر جائے گی؟ اُس نے کہا — 'یہی تو کام کرنا ہے۔ تم اُسے موقع دیکھ کر اُٹھا لاؤ۔ میں اُس کو ایسے طریقے سے ماروں گا کہ اُس کا خون بھی نہیں نکلے گا اور وہ منگل کے روز مرے گی' — میں نے اُس کو ٹالنے کی کوشش کی۔ اُس کو یہ بھی کہا کہ مجھ کو یقین نہیں آتا کہ کسی انسان کے پاس اتنی طاقت ہو سکتی ہے، مگر ٹھاکر کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اُس نے مجھ کو کہا کہ اپنے مُنہ سے بولو کیا لیتے ہو۔ تم لڑکی کو صرف لے آؤ۔ میں آگے جو کچھ کروں گا وہ تم کو بعد میں بتاؤں گا۔ بعد میں لاش کو غائب کرنے کا کام رہ جائے گا۔"

موت کا رُخ بدل گیا

اس سے آگے دُرگا نے وہی بات سنائی جو دُلاری مجھ کو سُنا چکی تھی۔ دُرگا نے ایک آدمی کا نام لے کر مجھ کو بتایا کہ یہ آدمی اپنے ساتھ ایک اور آدمی کو لے آیا۔ دُلاری کو دُرگا نے کبھی کبھی ٹیلوں اور گھاٹیوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ ایک شام اُسے موقع مل گیا۔ اُس نے دونوں آدمیوں کو جلدی جلدی ساتھ لیا اور اُس جگہ پہنچ کر دُلاری کو اُٹھا کر ٹھاکر کے باغ والے مکان میں لے گئے۔ اس لڑکی کے ساتھ ٹھاکر اور دُرگا نے اس وجہ سے اچھا سلوک کیا تھا کہ وہ خوش رہے اور وہ کنواری بھی رہے۔

دُرگا کے بیان کے مطابق، ٹھاکر نے اُس کو بتایا نہیں تھا کہ وہ لڑکی کو کس طرح مارے گا۔ واردات والی رات دُرگا باغ والے مکان میں گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ٹھاکر اور دُرگا کو ایسا خطرہ بالکل نہیں تھا کہ اس مکان میں کوئی اور بغیر اجازت اندر آ جائے گا۔

"میں جب مکان کے ایک کمرے میں داخل ہُوا تو ٹھاکر کو وہاں دیکھا" — دُرگا نے اپنے بیان میں کہا — "اُس نے اپنے سامنے دو گلاس رکھے ہوتے تھے۔ شراب کی بوتل پاس پڑی تھی۔ دونوں گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی شراب پڑی تھی۔ میں جب کمرے کے دروازے میں پہنچا تو ٹھاکر کو پتہ نہ چلا کہ میں آیا ہوں۔ اُس نے چھوٹی سی ایک پُڑیا کھولی اور یہ شراب کے ایک گلاس میں ڈال دی۔ پھر اُس نے گلاس کو ہلایا۔ یہ بہت تھوڑا سا پوڈر تھا۔ مجھ کو زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ پڑی۔ میرا دماغ فوراً سمجھ گیا کہ اس شخص نے شراب میں زہر ملایا ہے اور یہ دُلاری کو پلائے گا۔ مجھ کو یاد آیا کہ آج سوموار ہے۔ اس نے زہر اس واسطے ملایا تھا کہ لڑکی صبح تک مر جائے گی جو منگل کی صبح ہو گی....

"اچانک ٹھاکر نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ تم نے اچھا کیا ہے کہ آ گئے ہو۔ آؤ ہمارے ساتھ تم بھی کھا پی لو۔ وہ دونوں گلاس ہاتھ میں لے کر چلنے لگا تو میں نے اُس کو روک کر کہا — 'ٹھاکر جی! بہت بُرا لگتا ہے کہ آپ معمولی سی ایک لڑکی کے آگے اپنے ہاتھ سے برتن اُٹھا کر لے جائیں اور رکھیں۔ آپ چلیں۔ میں آپ کا نوکر ہوں۔ یہ میرا کام ہے کہ گلاس آپ کے اور لڑکی کے آگے رکھوں' — ٹھاکر نے اس گلاس پر جس میں اُس نے تھوڑا سا پوڈر ڈالا تھا، انگلی رکھ کر کہا کہ یہ لڑکی کے آگے رکھنا....

"ٹھاکر بہت خوش ہُوا کہ میں نے اُس کو مہاراجہ بنا دیا ہے لیکن حضور! معلوم نہیں آپ مجھ پر اعتبار کریں گے یا نہیں کہ میرے دماغ میں کوئی اور ہی بات آ گئی تھی۔ مجھ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اس لڑکی نے ٹھاکر کے ہاتھ سے مرنا ہے لیکن جب میں نے اُس کو شراب میں پوڈر ڈالتے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ زہر ہے۔ پھر اُس نے مجھ کو خاص طور پر کہا کہ یہ گلاس اس لڑکی کے سامنے رکھو۔ وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میرے وجود میں ایک دھماکہ سا ہُوا۔ مجھ کو خیال آیا کہ بوڑھے باپ کی اکیلی بیٹی ہے۔ باپ بھی شریف آدمی ہے اور بیٹی بھی شریف ہے.... حضور! میں بہت بدمعاش آدمی ہوں لیکن گاؤں میں کسی سے

پوچھ لیں کہ میں نے گاؤں کی کسی لڑکی کو کبھی مَیلی نظر سے نہیں دیکھا۔ مجھ کو اپنی بہن کا خیال آگیا جو بیاہی ہوتی ہے لیکن میرے گھر بیٹھی ہوتی ہے۔ اگر اُس کو کوئی اس طرح اُٹھا کر لے جاتے اور اُس کو دھوکے سے زہر پلاتے تو میری بوڑھی ماں کا کیا حال ہوگا۔ مجھ کو یہ بھی یاد آگیا کہ دُلاری کو میں نے اغوا کر لیا تھا تو اس کے باپ کی کیا حالت ہو رہی تھی۔ ٹھاکر نے آپ کو یہ دھوکہ دیا تھا کہ بوڑھے باپ کو ساتھ لے کر تھانے لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے چلا گیا تھا....

"مجھ پر ایسا اثر ہُوا کہ میں نے شراب کے دونوں گلاس اٹھائے اور زہر والا گلاس ٹھاکر کے آگے اور دوسرا دُلاری کے آگے رکھ دیا۔ میں نے ٹھاکر کی طرف اور اُس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اُس کو آنکھ ماری۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ خوش تھا کہ صبح تک لڑکی ختم ہو جائے گی اور اس کی کھوپڑی کی ہڈی کاٹ لیں گے۔ پھر اس کی لاش اگلی رات باغ کے اندر ہی کہیں دبا دیں گے۔ ٹھاکر کو ذرا سا بھی شک نہ ہُوا کہ میں نے اُس کی اپنی موت کا بندوبست کر دیا ہے۔ ٹھاکر نے بڑے مزے سے زہر والی شراب پی لی"

ٹھاکر کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ دُرگا نے بالکل وہی بات سنائی جو دُلاری مجھ کو سُنا چکی تھی۔ میں نے دُرگا سے پوچھا کہ زہر شراب میں کیوں دیا گیا تھا، دودھ میں یا کسی اور کھانے کی چیز میں کیوں نہیں دیا؟ دُرگا نے کہا کہ شراب چونکہ کڑوی ہوتی ہے اس لئے اس میں زہر کے ذائقے کا پتہ نہیں چلتا۔ اُس نے کہا کہ یہ ٹھاکر کی اپنی سوچ تھی کہ اُس نے زہر شراب میں ملایا۔

"یہ میرا اندازہ تھا کہ ٹھاکر صبح کو مرے گا" — دُرگا نے کہا — "یہ اندازہ مجھ کو اس طرح ہُوا تھا کہ وہ لڑکی کو منگل کی صبح مرا ہُوا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ جب زہر کے اثر سے تنگ آکر اپنے گھر کو چلا گیا تو میں نے دُلاری کو ساتھ لیا اور اس کو نکال لے گیا۔ ایک گاؤں میں میرا ایک دوست ہے جو پیشہ ور رہزن ہے۔ اُس کا گاؤں دوسرے تھانے میں آتا ہے۔ میں دُلاری کو رات

ہی رات وہاں لے گیا۔ میں اُس کو اس کے باپ کے حوالے کر سکتا تھا لیکن اس وجہ سے اس کو اس کے باپ کے پاس نہ لے گیا کہ اس کی گمشدگی کی رپورٹ تھانے میں لکھی ہوئی تھی۔ آپ مجھ کو پکڑ لیتے کہ میں نے لڑکی کو دو تین دن اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ڈرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہو سکتا تھا ٹھاکر ٹھیک ہو جاتا، پھر میری اور اُس کی دشمنی معلوم نہیں کیا کیا رنگ دکھاتی۔ وہ ٹھاکر تھا اور میں پکا بدمعاش۔ دراصل بات یہ بھی ہے کہ میں ایسی حرکت کر بیٹھا تھا جو میری عادتوں کے خلاف تھی۔ مجھ کو اب سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ میرے سامنے میرا رہزن دوست بار بار آتا تھا۔ میں دُلاری کو لے کر اُسی کے گاؤں جا پہنچا اور اُس کو صحیح بات بتا دی۔ اُس کی طرف سے مجھ کو دھوکے اور فریب کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔"

"یہ وہی رہزن تو نہیں جس نے میرے علاقے میں واردات کی اور پکڑا گیا تھا؟" — میں نے پوچھا — "اور تم نے اُس کی صفائی میں گواہی دی تھی۔"

"جی حضور!" — اُس نے جواب دیا — "بالکل وہی.... اُس نے مجھ کو کہا کہ علاقے کا تھانیدار بدل گیا ہے۔ پہلے تھانیدار کے ساتھ اس شخص نے سودا کیا ہُوا تھا۔ وہ اس کو گرفتار نہیں کرتا تھا، لیکن نئے تھانیدار نے آتے ہی اِس کو پیغام بھیجا تھا کہ اس علاقے سے نکل جاؤ ورنہ پولیس کی گولی سے مارے جاؤ گے یا ساری عمر کے لئے بند ہو جاؤ گے۔ اب میرا یہ دوست وہاں سے بوریا بستر سمیٹ رہا تھا۔ اُس نے مجھ کو صاف کہا کہ لڑکی کو ساتھ لے کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میرے ساتھ تم بھی پکڑے جاؤ گے اور لڑکی بھی....

"میں نے اُس کا مشورہ لیا اور اُس کو بتایا کہ اس لڑکی کا بڑا بھائی فوج میں ہے۔ میرے دوست نے کہا کہ لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے بھائی کے پاس چلے جاؤ اور اُس کو بتاؤ کہ یہ لڑکی تمہارے ہاتھ کس طرح آئی ہے۔ اُس نے کہا کہ آج کل فوجیوں کی اتنی قدر ہے کہ پولیس بھی ان کو ہاتھ نہیں ڈالتی

....میں لڑکی کو یہاں لے آیا۔ میں نے اس لڑکی کے بھائی جگ موہن کو سارا واقعہ سُنا کر یہ بھی بتا دیا کہ میں نے زہر ٹھاکر کو پلا دیا تھا۔ مجھ کو یقین نہیں تھا کہ ٹھاکر مر گیا ہے یا زندہ ہے، لیکن ہم نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ جگ موہن کے کرنل کو یہ نہ بتایا جائے کہ میں نے ٹھاکر کو زہر دیا تھا ورنہ کرنل مجھ کو اُسی وقت گرفتار کرا دیتا۔"

اگر میرا قانون چلتا تو....

اس کے بعد دُرگا نے بتایا کہ اس جاٹ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کو اُس نے کیا بیان دیا اور کمانڈنگ آفیسر نے دُلاری کو رکھنے کا کیا انتظام کیا۔ اس کا بیان مکمل ہونے کے بعد میں نے نائک جگ موہن داس کو بلایا۔ اُس نے بتایا کہ اُس کی بہن کس طرح اُس کے پاس پہنچی۔ اُس نے یہ واقعہ اپنی کمپنی کے صوبیدار کو سنایا، صوبیدار نے کمپنی کمانڈر کو سنایا اور کمپنی کمانڈر نے رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کو سنا دیا، لیکن یہ بات ان انگریز افسروں سے چھپائی گئی کہ دُرگا نے ٹھاکر کو زہر پلایا تھا۔

میں نے یہ بیان قلمبند کر کے اس رجمنٹ کے کرنل کو سنائے۔ وہ اس بات پر غصے میں آ گیا کہ ان لوگوں نے اُس سے زہر والی بات چھپا لی تھی۔ اُس نے کہا کہ ان سب کو گرفتار کر کے لے جاؤ۔ یہ کرنل دُرگا پر اس لئے خوش تھا کہ دُرگا نے اُس کو یہ بتایا تھا کہ اُس نے لڑکی کی جان بچانے کی خاطر ٹھاکر کو دھوکہ دیا اور لڑکی کو وہاں سے نکال کر لے آیا۔ کرنل نے مجھ کو یہ بھی کہا کہ میں اگر نائک جگ موہن کو بھی مجرم سمجھتا ہوں تو اسے ساتھ لے جاؤں۔ اُس نے کہا کہ ہم ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ ہمارے آگے جھوٹ بولتے ہیں۔

جگ موہن کی تو مجھے گواہ کے طور پر ضرورت تھی۔ اسے تو میں نے ساتھ لانا ہی تھا۔ میں نے دُرگا، دُلاری اور جگ موہن کو ساتھ لیا اور رات کی

گاڑی سے واپس آ گیا۔ میں اپنے ساتھ دو کانسٹیبل لے گیا تھا۔

میں نے اپنے تھانے میں پہنچتے ہی دُرگا کی نشاندہی پر سنیاسیوں اور سادھوؤں کے ڈیرے پر چھاپہ مارا۔ دُرگا میرے ساتھ تھا۔ اُس نے اس سنیاسی کو دیکھا ہُوا تھا۔ میں نے سنیاسی کو ساتھ لیا اور تھانے آ گیا۔ سنیاسی نے کوئی جُرم نہیں کیا تھا۔ میں نے سنیاسی سے پوچھا کہ اُس نے ٹھاکر کو جو ٹُونہ بتایا تھا، کیا واقعی مطلوبہ کھوپڑی کی ہڈی سے لوہا سونا بن جاتا ہے؟

"میں نے کبھی تجربہ نہیں کیا"— سنیاسی نے جواب دیا —"میرے استاد نے مجھ کو یہ ٹُونہ بتایا تھا۔ یہ میں نے ٹھاکر کو بتا دیا۔ مجھ کو پورا یقین تھا کہ اس کو ویسی لڑکی کی ہڈی نہیں ملے گی جیسی لڑکی میں نے اُس کو بتائی تھی۔"

سنیاسی نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ اُس نے لڑکی کو مارنے کے لئے ٹھاکر کو زہر کی پُڑیا دی تھی۔ اُس کو میں تھانے لے گیا۔ اس کے بعد میں نے رپورٹ تیار کی اور ڈی۔ ایس۔ پی کو بھیج دی۔ اُس نے مجھ کو شاباش دی۔ اس طرح میری اور سب انسپکٹر رام سہائے کی نوکری بچ گئی۔ میں دُرگا کے اخلاق سے متاثر ہُوا لیکن بیان میں صاف آ چکا تھا کہ اُس نے یہ جانتے ہوئے کہ اس شراب میں زہر ہے، وہ شراب ٹھاکر کو پلا دی تھی۔ اگر قانون میرا چلتا تو میں دُرگا کو چھوڑ دیتا۔ اُس نے ایک معصوم لڑکی کی جان بچانے کی خاطر ایک بدکار آدمی کو ٹھکانے لگا دیا تھا لیکن قانون کا تقاضہ کچھ اور تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ ٹھاکر کے قتل کی تفتیش میرے سر پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنا یہ فرض بھی پورا کرنا تھا۔ وہ میں نے اس طرح کیا کہ دُرگا کے خلاف ۳۰۲ کا مقدمہ بنایا۔ دُرگا کو میں نے بتا دیا کہ وہ اقبالِ جُرم سے صاف انکار کر دے اور عدالت میں یہ کہے کہ لڑکی کو وہ اُس وقت وہاں سے لے گیا تھا جب ٹھاکر وہاں نہیں تھا۔

میں نے ایسا کوئی گواہ پیش ہی نہ کیا جو یہ بتاتا کہ واردات کی رات ٹھاکر باغ والے مکان میں موجود تھا۔ ایسا بھی کوئی گواہ پیش نہ کیا جو یہ بتاتا کہ دُرگا وہاں گیا تھا۔ دُرگا نے وکیل بڑا اچھا کیا تھا۔ اُس نے یہی نکتہ پکڑ لیا کہ نہ یہ ثابت ہوتا ہے

کہ مقتول کہاں تھا نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملزم کہاں تھا۔ اُس نے کہا کہ ملزم کی موجودگی کہیں بھی نہیں دکھائی گئی۔ مختصر یہ کہ دُرگا کو سیشن کورٹ نے شک کا فائدہ دے کر بری کر دیا۔

یہ میرا بیٹا ہے

ایک لڑکا لاپتہ ہو جانے کی رپورٹ آئی۔ اُس کا باپ تھانے میں آیا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی تھے جن میں ایک لڑکے کا چچا تھا۔ لڑکے کی عمر پندرہ سولہ سال کے درمیان بتائی گئی۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہ سکول گیا تھا، پھر واپس نہیں آیا۔ لڑکا جس کا نام عظمت ہے دسویں جماعت میں پڑھتا تھا اور دو تین مہینے بعد اُس کا آخری امتحان ہونے والا تھا۔ اُس کے باپ نے اُس کے دوستوں سے معلوم کیا پھر اُس کے سکول جا کر ماسٹروں سے پُوچھا لیکن گمشدہ لڑکے کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

اگر عظمت چار پانچ سال کا بچہ ہوتا تو یہی بات دماغ میں آتی کہ اُس کو کوئی اُٹھا کر یا ورغلا کر اغوا کر کے لے گیا ہے۔ پندرہ سولہ سال کا لڑکا جوان ہوتا ہے۔ اُس کی بابت یہ کہنا ٹھیک نہیں ہوتا کہ اُس کو کوئی اُٹھا کر لے گیا ہے۔ میں نے لڑکے کے باپ سے پہلی بات وہی پوچھی جو ایسے قصوں میں ہر تھانیدار پُوچھتا ہے۔ میں نے پُوچھا کہ کسی کے ساتھ خاندانی دشمنی ہو گی۔ میرے اس سوال کے جواب میں عظمت کے باپ کے ساتھ آئے ہوئے سب آدمی اکٹھے بول پڑے۔ وہ کہتے تھے کہ دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ سب عظمت کے باپ کو بہت شریف آدمی ثابت کر رہے تھے۔

جوان لڑکے کی گمشدگی کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ لڑکوں میں بُری عادتیں پڑ جاتی ہیں اور وہ گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ پھر ذلیل و خوار ہو کر

اپنے آپ واپس آجاتے ہیں۔ میں نے جب لڑکے کے چال چلن کی بابت
دریافت کیا تو بھی سب بول پڑے کہ لڑکے میں کوئی ایسی ویسی عادت نہیں تھی۔
"یہ میرا ایک ہی بیٹا ہے"۔۔۔ عظمت کے باپ نے کہا۔۔۔ "اور
اِس کی ایک بڑی بہن ہے۔"
"اِس کا مطلب یہ ہُوا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "کہ یہ آپ کا اکلوتا
بیٹا ہے۔"
"ایک بیٹا اور بھی ہے"۔۔۔ عظمت کے باپ نے کہا۔۔۔ "وہ
اِس سے چھوٹا ہے اور وہ میری دوسری بیوی سے ہے۔"
اُس کی اِس بات پر میں چونک پڑا۔ میں نے فوراً اُس سے پُوچھا
کہ اُس کی دوسری بیوی زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ اُس نے
جواب دیا کہ وہ زندہ ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ پہلی بیوی (گمشدہ
لڑکے کی ماں) کے مرنے کے بعد اُس نے دوسری شادی کی تھی۔ میرا
خیال فوراً سوتیلی ماں کی طرف چلا گیا۔ مجھ کو یہ خیال آیا کہ میں باپ سے پوچھتا ہوں
کہ سوتیلی ماں کا گمشدہ لڑکے کے ساتھ سلوک کیسا تھا تو وہ کہے گا کہ بہت اچھا
تھا۔ صحیح پتہ چلانے کے واسطے لڑکے کا چچا ٹھیک آدمی معلوم ہوتا تھا۔
میں نے سوچا کہ گمشدگی کی رپورٹ درج کرنے سے پہلے تھوڑی سی تفتیش
کرلوں۔ مجھ کو اُمید تھی کہ یہ مسئلہ رپورٹ درج کرنے کے بغیر حل ہو جائے گا۔
میں نے عظمت کے چچا کو اپنے پاس رکھا اور دوسروں کو کہا کہ وہ ذرا باہر بیٹھیں۔
"مجھ کو میرے سوالوں کا بالکل صحیح جواب ملنا چاہیئے"۔۔۔ میں نے
عظمت کے چچا کو کہا۔۔۔ "تمہارا جوان بھتیجا لاپتہ ہو گیا ہے۔ تم چاہتے
ہو کہ وہ مل جائے۔ میں فرشتہ یا جادوگر نہیں ہوں کہ تم لوگ مجھ کو کچھ بتاؤ گے
نہیں اور میں لڑکا حاضر کر دوں گا۔ تم خود غور کرو کہ گھر میں سوتیلی ماں ہے جس کا
اپنا ایک بیٹا ہے۔ وہ اپنے خاوند کے پہلے بیٹے کو اچھا نہیں چاہے گی۔
اب مجھ کو بتاؤ کہ لڑکے کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کیسا تھا۔"
"میں نے خود بھی دیکھا ہے اور دوسروں سے بھی سُنا ہے کہ سوتیلی

ماں عظمت کے ساتھ اپنے بیٹوں کی طرح پیار کرتی ہے"۔۔۔ چچا نے جواب
دیا۔۔۔ "عظمت اتنا خوبصورت لڑکا ہے کہ ہر کوئی اُس کے ساتھ
پیار سے بات کرتا ہے۔ اِس میں کوئی بُری عادت بھی نہیں اور وہ سوتیلی
ماں کے آگے برخورداری بھی کرتا ہے۔ اِس واسطے سوتیلی ماں اُس کو
چاہتی ہے۔"
میرا دماغ تھانیداری تھا۔ اِس واسطے میں بال کی کھال اُتار رہا تھا۔
مجھ کو ذرا ذرا سی بات پر شک ہو رہا تھا۔ تفتیش کا یہی اصول ہے۔ عظمت
کے چچا نے جب کہا کہ لڑکا بہت خوبصورت ہے تو میرے دماغ میں ایک
اور بات آ گئی۔ یہ بات اِس واسطے میرے دماغ میں آئی تھی کہ میں نے ایسے
کچھ کیس دیکھے تھے اور اِن کی تفتیش کی تھی۔ یہ بات دماغ میں رکھ کر میں نے
عظمت کے چچا سے پُوچھا کہ اُس کی سوتیلی ماں کی عمر کتنی ہے۔ اُس نے
بتایا کہ وہ ابھی جوان لڑکی ہے اور اُس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں۔
مجھ کو خیال آیا کہ عظمت کے باپ کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہو گی۔
مجھ کو شک ہُوا کہ سوتیلی ماں کا عظمت کے ساتھ پیار غلط قسم کا بھی ہو سکتا ہے۔
اِس شک کو دماغ میں رکھ کر میں نے عظمت کے چچا کے ساتھ کچھ باتیں
کیں۔ وہ میرا مطلب اور اشارہ سمجھ گیا۔
"دراصل بات یہ ہے جی!"۔۔۔ لڑکے کے چچا نے ذرا سوچ کر اور کچھ
جھجک کر کہا۔۔۔ "میں نے اپنے بھائی کو منع کیا تھا کہ اب اِس عمر میں
شادی کر کے کیا کرو گے لیکن وہ نہ مانا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ ایک
جوان لڑکی کے ساتھ شادی کر رہا ہے تو میں نے اس کو پھر منع کیا اور
صاف لفظوں میں کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو۔ جوان لڑکی کے ساتھ شادی
نہ کرو لیکن وہ نہ مانا"۔۔۔ اُس نے مجھ سے پُوچھا۔۔۔ "آپ کو کیا شک
ہے؟"
"تم میرا شک سمجھ گئے ہو"۔۔۔ میں نے کہا۔
میں نے اُس کو اچھی طرح سمجھانے کے واسطے صاف صاف لفظوں

یں کہا کہ مجھ کو لڑکا شریف معلوم ہوتا ہے اور سوتیلی ماں نے اُس کے
ساتھ میاں بیوی والا پیار محبّت کرنے کی کوشش کی ہو گی لیکن لڑکا اس کو اپنی
ماں سمجھتے ہوئے نہیں مانا ہوگا۔ میں نے اُس کو یہ بھی بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے
کہ لڑکے نے سوتیلی ماں کو کہا ہو گا کہ وہ اپنے باپ کو بتا دے گا۔ پھر سوتیلی ماں
نے لڑکے کو غائب کرا دیا ہوگا۔

"آپ میں مجھ سے زیادہ عقل ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔
"لیکن اُس عورت میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ لڑکے کو غائب کرا دے۔"

"پھر لڑکا خود گھبرا کر گھر سے بھاگ گیا ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔

میں نے دیکھا کہ چچا کو اِس بابت کوئی خاص بات معلوم نہیں تھی۔
اِس شک کو میں نے اپنے دماغ میں محفوظ رکھ لیا اور چچا سے کچھ دوسری باتیں
پوچھنے لگا۔ اُس سے مجھ کو تفتیش کے مطلب کی صرف یہ بات معلوم ہوئی کہ
شہر میں (جو دراصل قصبہ تھا) دو بدمعاش قسم کے آدمی ہیں۔ عظمت کو
اُن کے ساتھ دیکھ کر چچا نے اُس کو منع کیا تھا کہ وہ اس قسم کے
آدمیوں کے ساتھ نہ ملا بیٹھا کرے۔ پھر بھی مجھ کو پتہ چلا کہ وہ اُن سے
ملتا ہے۔ یہ دو آدمی جرائم پیشہ نہیں تھے بلکہ اچھے خاندانوں کے آدمی تھے۔
اُن میں خرابی یہ تھی کہ جوا کھیلتے تھے اور اُن کا چال چلن صحیح نہیں تھا۔
میں نے لڑکے کی بابت اس بات کو خاص طور پر دماغ میں رکھا ہُوا
تھا کہ وہ بہت خوبصورت تھا اور نوعمر تھا۔

پھر ایک شک اور میرے دماغ میں آتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ سوتیلی ماں
کا اپنا بھی ایک بیٹا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ جائیداد کی وراثت کا معاملہ ہو۔ اگر
ایسا تھا تو یہ ممکن تھا کہ سوتیلی ماں نے اپنے سوتیلے بیٹے کو وراثت سے محروم
کرنے کے لیے غائب کرا دیا ہو۔

"تمہارے بھائی کی زمین جائیداد ہے؟"۔۔۔ میں نے عظمت کے
چچا سے پُوچھا۔

"ہے جی!"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "جس مکان میں وہ رہتا

ہے وہ بہت بڑی حویلی ہے۔ ہم دونوں بھائیوں نے جائیداد پہلے ہی
تقسیم کر لی تھی۔ میرے بھائی کی حویلی بہت بڑی ہے۔ بازار میں دو دکانیں
کرائے پر چڑھی ہوئی ہیں۔ قصبے کے ساتھ پندرہ سولہ ایکڑ اراضی قابلِ کاشت
بھی ہے۔۔۔۔ ہمارا باپ بہت امیر آدمی تھا۔ یہ ساری زمین و جائیداد اُسی کی
بنائی ہوئی تھی۔"

میں نے اِس شخص کو باہر بھیج کر ایک اور آدمی کو بُلایا جو ان کے
ساتھ آیا تھا۔ وہ ان کا پڑوسی تھا۔ مجھ کو یہ آدمی معزز لگتا تھا۔

"آپ کے پڑوس کا ایک نوعمر لڑکا لاپتہ ہو گیا ہے"۔۔۔ میں نے
اُس کو کہا۔۔۔ "پڑوسی بہن بھائی ہوتے ہیں۔ آپ کے دل میں بھی اس لڑکے
کا درد ہوگا لیکن مجھ کو کچھ باتوں کا پتہ چلے گا تو میں اس لڑکے کو تلاش کر سکوں
گا۔ آپ کو بہت سی باتوں کا علم ہوگا۔۔۔ آپ مجھ کو جو باتیں بتلائیں گے
وہ میں کسی کو پتہ نہیں چلنے دوں گا۔ میں آپ کی عزّت کا پورا خیال رکھوں
گا۔ مجھ کو یہ بتائیں کہ عظمت کی سوتیلی ماں کیسی عورت ہے۔"

"کیا آپ کو یہ شک ہے کہ لڑکے کو اُس نے غائب کرایا ہے؟"

"ہاں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "لڑکا اگر شریف ہے اور اگر اُس میں کوئی
بُری عادت نہیں تو یہی شک دماغ میں آتا ہے کہ اُس کو کسی نہ کسی وجہ
سے سوتیلی ماں نے لاپتہ کرا دیا ہے۔"

"یہ شک میرے دل میں بھی آیا تھا"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "لڑکے
کی سوتیلی ماں کے چال چلن کی بابت میرے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ اچھا
ہے یا درپردہ بُرا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ عورت چالاک اور ہوشیار ہے۔
اس کا باپ کاروباری آدمی ہے اور بہت لالچی ہے۔ اِس عورت کے
دو بڑے بھائی ہیں۔ وہ بدمعاش قسم کے ہیں اور سارا بازار ان سے ڈرتا ہے۔
کسی کے ساتھ کاروبار میں ذرا سی اونچ نیچ ہو جائے تو چاقو نکال کر للکارنے
لگتے ہیں۔۔۔۔ سچی بات ہے جی، ان لوگوں نے اپنی جوان لڑکی ایک
بوڑھے کو جائیداد کے لالچ میں ہی دی ہے۔ یہ عورت اپنے خاوند پر اس

طرح قابض ہے کہ یہ شخص آزادی سے کوئی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔"

"عظمت کے ساتھ اِس عورت کا سلوک کیسا ہے؟"

"میرے گھر کی عورتیں بتاتی ہیں کہ یہ عورت عظمت کے ساتھ بہت پیار کرتی ہے" ـــ اُس نے جواب دیا ـــ "بلکہ یہ مشہور ہو گیا ہے کہ وہ عظمت کو بھی اپنے بیٹے کی طرح سگا بیٹا سمجھتی ہے۔"

عظمت کی ایک بڑی بہن بھی تھی۔ اس کی بابت مجھ کو بتایا گیا کہ شادی شدہ ہے اور اِسی شہر میں رہتی ہے۔ میں نے اِس پڑوسی سے پُوچھا کہ عظمت کی یہ بہن اِدھر آتی ہے یا نہیں اور گھر آتی ہے تو سوتیلی ماں کا اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوتا ہے۔ اُس نے بتایا کہ سوتیلی ماں کو اس گھر میں آئے چار سال ہو گئے ہیں، اِن چار سالوں میں ہم نے کبھی لڑائی جھگڑے کی آواز نہیں سُنی۔

"سوتیلی ماں کے جو دو بھائی ہیں" ـــ میں نے پُوچھا ـــ "کیا وہ اتنی جرأت رکھتے ہیں کہ اُنہوں نے لڑکے کو غائب کر دیا ہو گا؟"

"وہ تو جی بہت کچھ کر سکتے ہیں" ـــ اُس نے جواب دیا ـــ "لیکن میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ زیادہ اچھی طرح خود معلوم کر سکتے ہیں۔"

بیٹا سوتیلی ماں کی بانہوں میں

اس کے بعد میں نے لاپتہ ہونے والے لڑکے کے باپ کو بُلایا اور اُس کو کہا کہ بچہ واپس چاہیئے تو کسی کا لحاظ نہ کرے بلکہ ہر کسی کو شک کی نظر سے دیکھے۔ میں نے اُس کی دوسری بیوی کی بابت بڑی صاف بات کی۔ اُس نے بتایا کہ وہ عظمت کو بہت چاہتی ہے۔ اُس کو اپنی دوسری بیوی پر شک نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ اُس کی دوسری بیوی کے دل میں جائیداد کا لالچ ہو گا لیکن اس شخص نے میرے اِس شک کو بھی غلط کہہ دیا۔

"آپ کس طرح یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ عظمت کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک بہت اچھا ہو گا؟" ـــ میں نے کہا ـــ "آپ کی اتنی عمر ہو گئی ہے، کیا آپ نے ایسا واقعہ کبھی نہیں سُنا کہ کوئی لڑکا سوتیلی ماں کے بُرے سلوک سے گھر سے بھاگ گیا۔"

"میں تو یقین سے کہہ رہا ہوں" ـــ اُس نے کہا۔

"اور میں یقین سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کی یہ بیوی چالاک عورت ہے" ـــ میں نے کہا ـــ "وہ آپ کے سامنے آپ کے بیٹے کے ساتھ اچھا سلوک کرتی ہے اور آپ کی غیر حاضری میں بُرا سلوک کر کے حساب برابر کر دیتی ہے ... آپ کے کوئی رشتہ دار کہیں اور رہتے ہیں؟"

"نہیں" ـــ اُس نے جواب دیا ـــ "سب یہاں ہیں۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔"

"آپ کی دوسری بیوی کے بھائی کیسے ہیں؟" ـــ میں نے پُوچھا ـــ "کیا وہ شریف لوگ ہیں؟"

"میں انہیں شریف نہیں کہہ سکتا" ـــ اُس نے جواب دیا ـــ "لیکن ایسے بدمعاش بھی نہیں کہ وہ میرے لڑکے کو غائب کر دیں۔"

میں نے اُس سے بہت سارے سوال پوچھے لیکن وہ میرے لئے بالکل کورا ثابت ہُوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کی بابت کوئی غلط بات سُننا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اچھے خاندان کا اچھی تعلیم والا اور اچھے دماغ والا آدمی تھا لیکن مجھ کو نظر آ رہا تھا کہ اُس کے دماغ پر دوسری بیوی کا قبضہ ہے۔

"اگر مجھ کو اتنی باتوں کا پتہ ہوتا تو میں آپ کے پاس کیوں آتا" ـــ اُس نے کہا ـــ "میں آپ کے پاس عرض لے کر آیا ہوں کہ میرا لڑکا لاپتہ ہو گیا ہے، اُس کو تلاش کر دیں۔ میری کسی کے ساتھ عداوت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے لڑکے کی دشمنی کسی کے ساتھ ہو۔ اُس کی کلاس میں بدمعاش لڑکے بھی ہوں گے۔ مجھ کو اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

میں اُس کو ٹال نہیں رہا تھا۔ میں نے اس کا رونا دیکھا تو میرے دل پر بہت اثر ہُوا۔ مجھے یہ کیس رجسٹر تو کرنا ہی تھا، وہ میں نے کر لیا۔ اب مجھ کو خود معلوم کرنا تھا کہ کس پر شک کرنا چاہیئے اور شاملِ تفتیش کس کس کو کرنا ہے۔ میں نے کاغذات تحریر کرائے۔ لڑکے کا حُلیہ لکھا۔ اُس کی ایک تصویر اُس کے باپ نے دکھائی لیکن یہ چھ سات سال پہلے کی تھی۔ یہ میرے کام نہیں آسکتی تھی۔ میں نے اردگرد کے تھانوں کو اطلاع بھجوانے کے لیے محرر کو کہہ دیا اور اُس کو حُلیہ وغیرہ بتایا۔

عظمت کے باپ کو کہا کہ وہ اپنی شادی شدہ بیٹی کو میرے پاس لے آئے۔ میں نے اس خاتون کو اِس واسطے بُلایا تھا کہ اُس کو معلوم ہو گا کہ اُس کی سوتیلی ماں کا عظمت کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا۔ یہ بات میرے تجربے میں آئی ہوئی بات تھی کہ اولاد کے ساتھ باپ اتنے بے تکلّف نہیں ہوتے کہ اولاد اُن کو دل کی باتیں بتا دیا کرے۔ باپ گھر میں اپنا رُعب داب رکھتے ہیں اور حکمران بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ بہن بھائی آپس میں دُکھ سُکھ کی باتیں کر لیتے ہیں۔

بہت وقت نہیں گزرا تھا کہ باپ اپنی بیٹی کو ساتھ لے آیا۔ اُس کی عمر پچیس سال کے اِدھر اُدھر تھی۔ میں نے اُس کی خوبصورتی دیکھی تو اس سے اندازہ کیا کہ اُس کا بھائی کتنا خوبصورت ہوگا۔ بہن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے اُس کو اپنے پاس بٹھا کر اُس کے باپ کو باہر بھیج دیا۔ عظمت کی بہن برقعے میں تھی۔ اُس کو میں نے ہمدردی سے تسلّی دی کہ میں اُس کے بھائی کو ڈھونڈ لوں گا۔

"وہ میرا ایک ہی بھائی ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "اور وہ میری ماں کی نشانی ہے۔ وہ نہ ملا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گی"۔

"تمہارے گھر جاتا رہتا ہو گا؟"

"روزانہ میرے پاس آتا تھا"۔۔۔ بہن نے کہا۔۔۔ "کبھی ناغہ کر جاتا تو میں اُس کا پتہ کراتی تھی کہ کیوں نہیں آیا"۔

"اُس نے تم کو کبھی بتایا تھا کہ سوتیلی ماں کا برتاؤ اُس کے ساتھ ٹھیک نہیں؟"

"اُس نے کبھی ایسی شکایت نہیں کی تھی"۔۔۔ عظمت کی بہن نے کہا ۔۔۔ "بلکہ وہ کہتا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ بہت پیار کرتی ہے"۔

"کیا تم کو اعتبار آگیا کہ لڑکا ٹھیک کہہ رہا ہے؟"

"ہاں!"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "اگر اُس کو شکایت ہوتی تو مجھ کو ضرور بتاتا"۔۔۔ اُس نے ذرا سوچ کر کہا۔۔۔ "میں نے ایک بار اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ میں اپنے والدین کے گھر گئی۔ صحن اور برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔ میں ایک کمرے میں چلی گئی۔ سوتیلی ماں نے میرے بھائی کو اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھایا ہُوا تھا اور اُس کے سر کو اپنے سینے کے ساتھ لگایا ہُوا تھا"۔

"ذرا اور اچھی طرح بیان کرو"۔۔۔ میں نے کہا اور اُس کو اچھی طرح سمجھایا کہ میں کیا معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

"سوتیلی ماں نے میرے بھائی کو اپنے بازوؤں میں لیا ہُوا تھا"۔۔۔ اُس نے کہا۔

"اور تم کو دیکھ کر سوتیلی ماں نے کچھ کہا تھا؟"۔۔۔ میں نے پُوچھا۔۔۔ "تم خوش ہوئی تھیں؟"

وہ میرا اشارہ نہ سمجھ سکی۔ میں نے اُس کے دماغ میں بٹھا دیا کہ میرا مطلب کیا ہے۔ اُس کو جب سمجھ آگئی تو اُس نے شرم سے سر جُھکا لیا۔

"مجھ کو اپنا بڑا بھائی سمجھو"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری عزّت کرتا ہوں۔ میرے ساتھ ہر طرح کی بات کرو۔ نہیں کرو گی تو تم کو بھائی نہیں ملے گا۔۔۔ یہ بھی دماغ میں رکھو کہ تمہارے ابّو بوڑھے ہو گئے ہیں اور اُن کی بیوی تمہاری عمر کی ہے"۔

اُس نے اس طرح سر ہلایا جیسے میرا شک اُس کے دماغ نے قبول کر لیا ہو۔

"اب مجھ کو یاد آرہا ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میری سوتیلی ماں مجھ

کو کمرے میں اچانک دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ معلوم نہیں وہ کیا کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی زبان ہکلا گئی اور میرے بھائی کو پرے کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی، پھر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ عظمی (عظمت) اُداس اُداس لگتا تھا، میں نے اس کو اپنے ساتھ لگا لیا" ـــــ وہ چُپ ہو گئی اور سوچنے لگی، پھر اُس نے کہا

ـــــ "آپ کے شک کو میں سمجھ گئی ہوں۔ ایک اور بات یاد آگئی ہے۔ سوتیلی ماں نے ایک عورت کو گھر میں کام کاج کے لیے رکھا ہُوا ہے۔ وہ کبھی کبھی میرے گھر آتی ہے اور میں اُس سے پُوچھتی ہوں کہ میری سوتیلی ماں کا برتاؤ میرے ابّو اور میرے بھائی کے ساتھ کیسا ہے۔ اس نوکرانی نے مجھ کو تین چار بار کہا تھا ـــــ 'بی بی! تمہارے بھائی کو تو وہ بہت ہی پیار کرتی ہے۔ اتنا پیار اچھا نہیں ہوتا۔ لڑکا جوان ہے' ـــــ میں نے کوئی شک نہیں کیا تھا۔ اب مجھ کو شک ہو رہا ہے۔"

"تمہاری سوتیلی ماں اسی شہر کی رہنے والی ہے" ـــــ میں نے پُوچھا ـــــ "شادی سے پہلے یا بعد میں اس کے چال چلن کی بابت کبھی کوئی بات تمہارے کان میں پڑی تھی؟"

"میں اور میرا چچا اس شادی کے سخت خلاف تھے" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "اس عمر میں جوان لڑکی کے ساتھ شادی ٹھیک نہیں تھی اور اس لڑکی کا خاندان بھی نیک نام نہیں مگر ابّو نے اپنا ارادہ پورا کر لیا.... آپ کو کیا شک ہے؟"

"اگر تمہارا بھائی شریف ہے تو وہ تمہاری سوتیلی ماں کے پیار سے بھاگا ہے" ـــــ میں نے کہا ـــــ "اس عورت کا پیار ماں والا نہیں تھا۔"

"لڑکا تو شریف ہے" ـــــ بہن نے کہا ـــــ "لیکن سوتیلی ماں کے پیار سے تو وہ بہت خوش تھا۔ میں نے اُس کو کبھی خفا نہیں دیکھا تھا۔"

"وہ عورت کیسی ہے جو تمہاری سوتیلی ماں کے گھر کا کام کرتی ہے؟"

"بڑی تیز اور ہوشیار عورت ہے" ـــــ اس نے جواب دیا۔

وہ عظمت کو پیسے دکھاتا تھا

عظمت کی بہن کو میں نے بھیج دیا۔ مجھ کو غم یہ تھا کہ لڑکے کا کُھرا کھوج جلدی نہ ملا تو وہ قتل ہو جائے گا۔ یہ خیال بھی آتا تھا کہ قتل ہو چکا ہو گا۔ میرا شک سوتیلی ماں پر ہی تھا لیکن ایک جگہ اور تھی جہاں لڑکے کے پھنس جانے کا اندیشہ تھا۔ وہ جگہ کسی مہاراجے یا نواب کا محل تھا۔ پٹیالہ کے مہاراجہ نے نوعمر خوبصورت لڑکے رکھے ہُوئے تھے جن سے وہ رقص کراتا تھا۔ اس کام کے واسطے نوعمر لڑکوں کی ضرورت رہتی تھی۔ بردہ فروش اس کام کے لیے موزوں لڑکوں کی تلاش میں رہتے اور کبھی کبھار کوئی لڑکا اغوا ہو جاتا تھا۔ وہاں سے لڑکے کو نکالنا بہت مشکل تھا۔

میں لڑکے کی گمشدگی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن خیال آیا کہ یہ کام مجھ کو بعد میں کرنا چاہیئے۔ پہلے مجھ کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ لڑکا سکول سے نکلا اور کس طرح غائب ہو گیا۔ لڑکے ٹولیوں میں سکولوں سے نکلا کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لیے مجھ کو عظمت کے دوستوں کی ضرورت تھی۔ مجھ کو یہ خیال بھی آیا کہ لڑکے دل کی باتیں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے عظمت بہن کے ساتھ بھی دل کی باتیں کرتے ہوئے شرماتا ہو۔

میں دوسرے دن سکول چلا گیا اور ہیڈ ماسٹر سے ملا۔ میں نے اُس کو بتایا کہ عظمت نام کا ایک لڑکا لاپتہ ہو گیا ہے۔ اور میں اُس کے دوستوں اور ہم جماعتوں کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ ہیڈ ماسٹر نے مجھ کو کہا کہ عظمت بڑا ذہین اور شریف لڑکا ہے۔

"ہیڈ ماسٹر صاحب!" ـــــ میں نے کہا ـــــ "آپ کو معلوم ہے کہ یہ لڑکا خوبصورت ہے، اُس کے چال چلن کے متعلق آپ کو کبھی کوئی رپورٹ ملی ہے؟"

"سکول کے اندر تو ہم لڑکوں کا بہت خیال رکھتے ہیں" ـــــ ہیڈ ماسٹر

نے جواب دیا ـــــ "سکول کے باہر کی ہم کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سنا دیتا ہوں۔ پندرہ بیس روز گزرے شہر کے دو آدمی میرے پاس یہ شکایت لے کر آئے کہ ان میں سے ایک کو میرے سکول کے سات آٹھ لڑکوں نے مارا پیٹا ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ دو یا تین لڑکوں کو پہچانتے ہیں۔ میں نے اُن سے نام اور کلاس پوچھ کر اُن لڑکوں کو اپنے دفتر میں بلایا۔ ان دونوں آدمیوں کو میں نے عزّت سے بٹھایا۔ دونوں معزّز افراد لگتے تھے اور مجھ کو بہت غصّہ تھا کہ میرے لڑکوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے....

"وہ لڑکے آئے تو میں نے اُن سے پوچھا۔ اُنہوں نے بڑی دلیری سے کہا کہ ہاں، ہم نے اِس آدمی کو مارا پیٹا ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ اُن کے ساتھ جو لڑکے تھے، اُن کو بھی بلا لائیں۔ وہ دوڑتے ہوئے گئے اور پانچ چھ لڑکوں کو بلا کر میرے دفتر میں لے آئے۔ میرے پوچھنے پر سب نے کہا کہ اُنہوں نے مِل کر اس آدمی کو مارا پیٹا ہے۔ میں نے وجہ پوچھی تو اُنہوں نے بتایا کہ یہ آدمی چھٹی کے وقت ہمارے راستے میں کھڑا ہوتا تھا اور عظمت کو روک کر اس کو پیسے دکھاتا تھا اور عظمت بہت بُرا مناتا تھا۔ کل اس نے عظمت کو بالوں سے پکڑ لیا اور اُس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ ہم کو معلوم تھا کہ اس کی نیّت کیا ہے۔ ہم سب اس پر ٹوٹ پڑے اور خوب پھینٹی لگائی.....

"انسپکٹر صاحب! میں ساری بات سمجھ گیا اور آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے۔ میں یہ بھی سمجھ گیا کہ لڑکوں نے جس دلیری سے بات کی ہے اتنی دلیری جھوٹا آدمی نہیں دکھا سکتا۔ اُس آدمی نے لڑکوں کو جھوٹا ثابت کرنے کے واسطے کوئی بات شروع کی تو تمام لڑکے اکٹھے ہی بولنے لگے۔ اس لیئے یہ شخص بولنے کے قابل نہ رہا۔ میں نے لڑکوں کے سامنے اس شخص کو کہا کہ وہ فوراً میرے دفتر سے نکل جائے ورنہ میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا۔ وہ دونوں خاموشی سے اُٹھے اور چلے گئے....

"میں نے لڑکوں کو شاباش دی اور ان کو کہا کہ جو کوئی بدمعاشی کرے اس کو پھینٹی لگا دو اور اس کی اطلاع مجھ کو دو۔ لڑکوں کو کلاس میں بھیج کر میں نے چپراسی کو اندر بلایا اور اُس سے پوچھا کہ وہ ان آدمیوں کو جانتا ہے یا نہیں۔ اُس نے بتایا کہ یہ دونوں شہر میں اچھی پوزیشن کے آدمی ہیں لیکن بدمعاش بھی ہیں۔ ان کے پاس روپیہ پیسہ ہے اور یہ اسی طرح لڑکوں اور لڑکیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں... اس واقعہ کے بعد مجھ کوئی اور رپورٹ نہ ملی"

"بچہ ملے گا.... ضرور ملے گا"

ہیڈ ماسٹر نے مجھ کو یہ واقعہ سنایا تو میرے دماغ میں ایک اور شک پیدا ہو گیا۔ اگر یہ شخص روپے پیسے والا تھا اور بدمعاش بھی تھا اور لڑکوں نے اس کی مار پٹائی بھی کی تھی تو یہ ہو سکتا تھا کہ عظمت کو اُس نے یا ان دونوں نے غائب کرا دیا ہو۔ میں نے سکول کے چپراسی کو بلا کر اُس سے اُن دونوں آدمیوں کے نام اور پتے معلوم کر لیے۔ اس سے پہلے مجھ کو عظمت کے چچا سے پتہ چلا تھا کہ دو بدمعاش قسم کے آدمی عظمت کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ مجھ کو خیال آیا کہ وہ یہی آدمی ہوں گے۔ ہیڈ ماسٹر کی اجازت سے میں عظمت کے کلاس روم میں چلا گیا۔

میں نے تمام کلاس کو بتایا کہ ان کا کلاس فیلو عظمت لاپتہ ہو گیا ہے۔ مجھ کو یہ بتائیں کہ کل چھٹی کے وقت کون کون لڑکا اُس کے ساتھ تھا اور وہ گھر تک گیا تھا یا نہیں۔ میری یہ بات سُن کر تمام لڑکے ایک دوسرے کے ساتھ کھُسر پھُسر کرنے لگے۔ آخر ایک لڑکے نے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ کل وہ بڑے گیٹ کی طرف سے نکلنے کی بجائے سکول کے پیچھے والے گیٹ کی طرف جا رہا تھا اور وہ اکیلا تھا۔ اس کے بعد اُنہوں نے عظمت کو نہیں دیکھا۔

مجھ کو احساس تھا کہ لڑکے مجھ سے ڈرتے ہوں گے۔ میں نے اُن کو
سمجھایا کہ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور میں نے ان کو یہ بھی کہا مجھ کو اُن
کی مدد کی ضرورت ہے تاکہ میں ان کے دوست کو تلاش کر سکوں۔ اگر اُنہوں
نے مجھ سے ڈر کر کوئی بات چھپائی تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اُن میں سے کوئی
لڑکا اسی طرح اغواء ہو جائے۔

میں نے جب دیکھا کہ لڑکے خاموش ہیں اور اُن کو کچھ اور پتہ نہیں تو
میں نے اُن سے پوچھا کہ عظمت کے گہرے دوست کون ہیں۔ دو لڑکے کھڑے
ہو گئے میں نے ان کو شاباش دی اور ان کو ساتھ لے کر سکول کے سٹاف روم
میں جا کر بیٹھ گیا۔ ان سے پوچھا کہ عظمت نے کبھی اپنی سوتیلی ماں کے متعلق
کوئی بات کی تھی؟ میں نے اُن سے عظمت کے چال چلن اور عادتوں کے
متعلق بھی دریافت کیا۔

اُنہوں نے بتایا کہ وہ آپس میں اتنے گہرے دوست ہیں کہ ایک دوسرے
کے ساتھ دل کی ہر ایک بات کرتے ہیں جو وہ اور کسی کے ساتھ نہیں کر
سکتے۔ اُنہوں نے عظمت کا چال چلن بہت صاف اور پاک بتایا۔ میرے
پوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ وہ خوبصورت لڑکا تھا اِس واسطے باہر کے کچھ
آدمی اس کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ دو لڑکے ان لڑکوں میں شامل تھے
جنہوں نے اس شخص کو مارا پیٹا تھا۔ یہ پندرہ بیس دن پہلے کا واقعہ
تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس شخص نے یا کسی اور نے ان کو یا عظمت
کو انتقام کی دھمکی دی تھی۔ اُنہوں نے بتایا کہ دو مرتبہ ایسے ہُوا کہ عظمت
اُن کے ساتھ گھر کو جا رہا تھا تو اس شخص نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا تھا
کہ میں تمہیں مزا چکھاؤں گا۔ اس کے علاوہ ایسے بھی ہُوا کہ یہ لڑکے عظمت
کے ساتھ کہیں سے گزرے تو اس آدمی نے بڑے غصے سے گھور گھور کر ان
کو دیکھا تھا۔

میں ان لڑکوں سے یہی بات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اُنہوں نے میرا
شک پکا کر دیا۔ ان لڑکوں کے ساتھ باتیں کرتے اور ان کی باتیں سُنتے ہوئے

کچھ اور انکشافات بھی ہوئے۔ ایک یہ کہ عظمت ہیر رانجھے کا ایک ڈرامہ کھیل رہا
تھا۔ ان لڑکوں نے بتایا کہ ایک پردہ دار اور شریف گھرانے کی ایک لڑکی کے
ساتھ عظمت کی اتنی زیادہ محبت ہے کہ ہر روز وہ اس کی بات ضرور سناتا تھا اور
کہتا تھا کہ وہ شادی کرے گا تو اسی لڑکی کے ساتھ کرے گا، ورنہ
ساری عمر شادی نہیں کرے گا۔ لڑکی کی بابت اُنہوں نے بتایا کہ اُس کے
دل میں بھی عظمت جیسی محبت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک لڑکی عظمت
کو دیکھ نہ لے، وہ بے چین رہتی ہے۔ مختصر یہ کہ ان لڑکوں نے مجھ کو عظمت
اور اس لڑکی کی محبت کی جو کہانی سنائی وہ ہیر رانجھے کی کہانی سے ملتی
جلتی تھی۔

"کیا اُن کی کہیں ملاقات ہوتی تھی؟" ——— میں نے پوچھا۔

"لڑکی کا گھر عظمت کے گھر سے اتنا ہی دور ہے کہ درمیان میں ایک
مکان پڑتا ہے" ——— لڑکوں نے بتایا ——— "ان سب مکانوں کی چھتیں
آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ درمیان میں پردے کے لئے فصیلیں ہیں۔ یہ دونوں
اتنی دلیری کرتے ہیں کہ رات کو درمیان والے مکان کی فصیلیں پھلانگ کر
ملتے ہیں۔"

یہ بات سُن کر میرے دماغ میں ایک شک اور آ گیا۔ وہ یہ تھا کہ
لڑکی والوں نے دیکھ لیا ہو گا اور انہوں نے لڑکے کو غائب کر دیا، اور
ہو سکتا تھا کہ قتل کر دیا ہو۔ قتل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ایسا ہو سکتا تھا کہ
اُنہوں نے لڑکے کو کہیں باہر لے جا کر ویسے ہی مارا پیٹا ہو کہ لڑکا ڈر جائے
مگر لڑکا مر گیا ہو۔ ہو سکتا ہے اُن کا ارادہ قتل کا نہ ہو۔ لڑکے کہتے تھے کہ وہ بڑا
شریف اور عزت دار گھرانہ ہے۔ بہر حال میں نے اس گھر کے آدمیوں کو
بھی اپنے دماغ میں محفوظ کر لیا کہ اُن کو بھی شاملِ تفتیش کرنا ہے۔

باتوں باتوں میں ایک انکشاف یہ بھی ہُوا کہ عظمت پر اس لڑکی کی محبت
کا اِتنا زیادہ اثر تھا کہ وہ لوٹنے اور وظیفے بھی کرتا رہتا تھا۔ وہ نماز پڑھتا تھا لیکن
کہتا تھا کہ میں نماز صرف اس لیے پڑھتا ہوں کہ خدا میری دعا سُن لے اور یہ

لڑکی مجھ کو مل جائے۔ لڑکوں نے مجھے بتایا کہ عرصہ چھ سات ماہ سے یہاں ایک پگلا سا سائیں بازار میں اور گلیوں میں گھوما پھرا کرتا تھا۔ وہ دراصل کوئی پاگل تھا۔ لڑکوں نے مجھ کو بتایا کہ عظمت محبت کے معاملے میں ایسا دیوانہ ہو گیا تھا کہ اُس نے اس پگلے سائیں کی بھی مریدی کر لی تھی اور ہم کو کہا کرتا تھا کہ اس سائیں کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے۔ جو میری مراد پوری کر دے گی۔

"ہم نے عظمت کو کئی بار اس سائیں کے ساتھ قبرستان میں بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھا ہے" ــــ ایک لڑکے نے کہا ــــ "ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ سائیں عظمت کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ اس کے بعد عظمت نے لوٹنے اور وظیفے شروع کیئے تھے۔ ہم اُس کو منع کرتے تھے کہ یہ کوئی پاگل ہے اور یہ بھنگ اور چرس بھی شاید پیتا ہو۔ تم اس کے پاس نہ بیٹھا کر لیکن عظمت کہتا تھا کہ یہ پہنچ والا آدمی ہے اور اس نے مجھ کو بتایا ہے کہ لڑکی کی شادی میرے ساتھ ہو گی۔"

میں نے ایسے ہی اس سائیں کا حلیہ پوچھا تو مجھ کو خیال آیا کہ اس پگلے سائیں کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ تھانے کے سامنے سے کئی بار گزرا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک جاتا اور آسمان کی طرف منہ کر کے اور ایک ہاتھ اوپر کر کے نعرہ لگاتا تھا ــــ "ملے گا.... بچہ ملے گا.... ضرور ملے گا" ــــ مجھ کو کسی نے بتایا تھا کہ گلیوں میں جب یہ سائیں یہ نعرہ لگاتا ہے تو عورتیں باہر نکل آتی ہیں اور یہ بھی کہ بے اولاد عورتیں اس کی بہت خدمت کرتی ہیں۔ وہ شاید یہ سمجھتی تھیں کہ سائیں کا یہ نعرہ کہ 'بچہ ملے گا' اس خوشخبری کا اعلان ہے کہ جو بے اولاد عورت اس سائیں کی خدمت کرے گی اُس کو خدا بچہ دے گا۔

شادی سے پہلے بدچلن نہیں تھی

ان لڑکوں سے مجھ کو کوئی ایسی بات معلوم نہ ہوئی جو لاپتہ لڑکے کا کھرا کھوج ڈھونڈنے میں مدد دیتی۔ میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ لڑکا اپنے

گھر سے کسی وجہ سے تنگ تو نہیں تھا۔ لڑکوں نے کہا کہ گھر کے معاملے میں وہ بہت خوش تھا۔ لڑکوں نے بتایا کہ اپنی سوتیلی ماں کی وہ تعریفیں کیا کرتا تھا۔ اس کے باوجود سوتیلی ماں کی بابت میرا شک ابھی تک قائم تھا لیکن میں اس کو ابھی تھانے نہیں بلا رہا تھا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ سوتیلی ماں میرے پاس آ کر یہ کہہ دیتی کہ لڑکے کو اُس نے لاپتہ کرایا ہے۔ میں اس عورت کو اس وہم میں رکھنا چاہتا تھا کہ مجھ کو اس پر کوئی شک نہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ ادھر ادھر سے شہادت اکٹھی کر لوں پھر اس عورت کو پکڑوں گا۔

میں سکول سے اُٹھ کر تھانے میں آ گیا۔ دو مخبر میرے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کوئی بات نہ بتائی۔ اُن کی رپورٹ یہ تھی جو میں پہلے بھی سن چکا تھا کہ عظمت کی سوتیلی ماں بڑی چالاک ماں کی بیٹی ہے اور یہ بیٹی بھی چالاک ہے۔ میں نے اُن سے سوتیلی ماں کے بھائیوں کی بابت پوچھا۔ مجھ کو بتایا گیا کہ وہ ہر طرح کی بدمعاشی کر سکتے ہیں۔ میں نے مخبروں کو کچھ اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا اور اُس آدمی کو بلا لانے کے لیے کانسٹیبل کو بھیجا جسے لڑکوں نے مارا پیٹا تھا۔

آدھے گھنٹے کے اندر وہ آدمی آ گیا۔

"دیکھ بھائی میاں!" ــــ میں نے اُس کو کہا ــــ "تم نے اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے واسطے جو کارروائی کی ہے، وہ تم کو پھانسی کے تختے پر پہنچائے گی اور اگر لڑکا زندہ مل گیا تو تم چھ سات سال کے لیئے اندر ہو جاؤ گے۔ اگر لڑکا آج رات تک میرے حوالے کر دو تو میں تم کو صاف نکال دوں گا۔ اگر میں نے لڑکا برآمد کیا تو پھر تم سوچ لو کہ تم کتنے عرصے کے لیے جیل جاؤ گے۔"

اُس نے قسمیں کھانی شروع کر دیں۔ میں نے اُس کو شرافت سے کہا کہ وہ بتا دے لیکن وہ نہیں مان رہا تھا۔ مجھ کو پتہ چل چکا تھا کہ یہ شخص بدمعاشی میں مُنہ مارتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں مانتا تھا کہ وہ بُری نیت سے گمشدہ لڑکے کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ میں نے اُس کو اپنے اے۔ایس آئی

کے حوالے کر دیا۔ اے۔ ایس۔ آئی نے ایک خاص کانسٹیبل کو ساتھ لیا اور اس آدمی کو اُس کمرے میں لے گیا جہاں پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔

آدھی رات تک اُس کی حالت اتنی بُری ہو گئی کہ اُس پر غشی کے دَورے پڑنے لگے۔ اُس وقت اُس نے صرف یہ تسلیم کیا کہ لڑکے پر اُس کی نیّت ٹھیک نہیں تھی لیکن اُس نے لڑکے کو اغواء نہیں کیا بلکہ اُس واقعہ کے بعد یعنی جب لڑکوں نے اس شخص کی پٹائی کی تھی، اُس نے اس لڑکے کے ساتھ بات چیت بند کر دی تھی۔ اب یہ شخص روتا تھا اور بار بار میرے پاؤں پکڑتا تھا۔ میں نے اُس کو کہا کہ میں ابھی چھوڑوں گا نہیں، اُس کو تھانے میں ہی رکھوں گا۔ جب اُس نے میرا یہ ارادہ دیکھا تو اُس نے ایک نئی بات بتائی کہ اُس کی ناجائز دوستی عظمت کی سوتیلی ماں کے ساتھ ہے اور یہ دوستی سوتیلی ماں کی شادی کے بعد شروع ہوئی تھی۔

"پھر تم مجھ کو کام کی باتیں بتا سکتے ہو" ــــ میں نے کہا ــــ "عظمت کے ساتھ اس عورت کا برتاؤ اور اس کی نیّت کیا تھی؟ تم کو ضرور پتہ ہو گا۔"

"اِس لڑکے کو وہ اپنا سگا بیٹا سمجھتی ہے" ــــ اُس نے کہا۔

"نہیں" ــــ میں نے کہا ــــ "مجھ کو شک ہے کہ اس لڑکے کے ساتھ سوتیلی ماں کا پیار ماں والا نہیں۔"

"اِس عورت کو جتنا میں جانتا ہوں اتنا اور کوئی نہیں جان سکتا" ــــ اُس نے کہا ــــ "میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس لڑکے کو وہ سچے دل سے چاہتی تھی۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ایک بار میں نے خود اُس کو مشورہ دیا تھا کہ تمہارے خاوند کی اتنی زیادہ جائیداد ہے، تمہاری اولاد زیادہ ہونی چاہیئے تاکہ جائیداد میں سے تمہارا حصہ زیادہ بنے . . . خدا کی قسم، اُس نے کہا تھا کہ اس کو جائیداد کا کوئی لالچ نہیں۔"

"میں تمہاری یہ بات سچ نہیں مان سکتا" ــــ میں نے کہا ــــ "ایک بوڑھے آدمی کی جوان بیوی جس نے تم جیسے بدمعاش کے ساتھ ناجائز دوستی بھی لگا رکھی ہے، وہ دیانتدار نہیں ہو سکتی۔ اُس کے ماں باپ نے جائیداد

کے لالچ میں اپنی جوان بیٹی اس بوڑھے کو دی ہے۔"

"جی ہاں" ــــ اُس نے کہا ــــ "یہ میں بھی کہوں گا کہ یہ عورت دیانتدار نہیں بلکہ عقلمند ہے۔ جائیداد کا حصّہ تو اس کی اولاد کو مل جائے گا۔ وہ اپنے خاوند کی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے ماں باپ کو پہنچاتی رہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے ماں باپ کو خاصا مالی فائدہ پہنچا رہی ہے۔"

"کیا اس عورت کا کوئی اور دوست بھی ہے؟" ــــ میں نے پُوچھا۔

"نہیں" ــــ اس نے جواب دیا ــــ "یہ عورت شادی سے پہلے بدچلن نہیں تھی۔ یہ اُس کی مجبوری تھی کہ اس کو ایک بوڑھے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔"

"میرے ابّو کو تو نہیں بتائیں گے؟"

میں نے اس آدمی کو چھوڑا نہیں۔ اُس کو مشتبہ بٹھائے رکھا۔ اُس کی مار پٹائی بند کر دی اور اُس کو کہا کہ وہ صحیح بات بتا دے۔ میرے دماغ میں اور زیادہ شک پیدا ہو رہے تھے۔ ایک شک یہ پیدا ہُوا کہ سوتیلی ماں نے لڑکے کو اس شخص کے ہاتھوں غائب کروا دیا ہے۔ دوسرا شک یہ بھی تھا کہ سوتیلی ماں اس لڑکے کی طرف راغب ہو گی جو اس شخص کو اچھا نہیں لگتا ہو گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حیوانی تعلّقات میں جب رقابت پیدا ہوتی ہے تو انسان مکمل طور پر حیوان بن جاتا ہے۔ میں نے ایسے ہی شکوک کی بناء پر اس شخص کو تھانے میں ہی رکھا۔

سوچ سوچ کر میری نظر اس لڑکی پر گئی جس کے ساتھ عظمت کو محبت تھی۔ میں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس لڑکی کے خاندان کے مرد شریف اور سیدھے سادے لوگ ہیں۔ مجھ کو خیال آیا کہ اس لڑکی کے ساتھ عظمت اپنے دل کی باتیں کرتا ہو گا۔ شاید اُس سے کوئی نئی بات معلوم ہو جائے۔ مجھ کو یہ بُرا لگتا تھا کہ ایک شریف اور پردہ دار گھرانے کی لڑکی کو شامل تفتیش کروں۔ پاک محبت کوئی جرم نہیں لیکن جب معاملہ تھانے میں چلا جاتا ہے تو اسی کو بہت بڑی بے عزّتی سمجھا جاتا ہے کہ فلاں کی بیٹی کو تھانے بلایا گیا ہے۔

مگر میری مجبوری ایسی تھی کہ اس لڑکی سے پوچھ گچھ بہت ضروری تھی۔ میں نے لڑکی کے باپ کو بلایا۔

باپ سخت گھبراہٹ کی حالت میں تھانے میں آیا۔ میں نے بہت ہی بچ بچ کر اور بڑی احتیاط سے اچھے اچھے الفاظ ڈھونڈ کر بولے اور اُس کو یہ بات کہی کہ وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے آئے۔ مجھ کو آج تک یاد ہے کہ اس بھلے آدمی کا چہرہ لاش کی طرح سفید ہوگیا اور مجھ کو ڈر لگا کہ یہ بے ہوش ہو جائے گا۔ میں نے اس کو بڑی مشکل سے قائل کیا کہ اُس کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کی بیٹی کا کوئی جرم اور قصور نہیں۔ میں نے اس کو یہ بھی کہا کہ اپنی بیٹی کے دل سے خوف نکال دینا۔ میں اُس کو اُس کے ساتھ ہی واپس گھر بھیج دوں گا۔ میں نے اُس شخص کو یہ رعایت دی کہ تھانے آنے کی بجائے اُس کو کہا کہ وہ رات کو میرے گھر آجائے جو تھانے سے تھوڑی ہی دور تھا۔

شام کے بعد یہ شخص اپنی بیٹی کو میرے گھر لے آیا۔ میں نے جس طرح اس نوعمر اور شرمیلی سی لڑکی کے دل سے ڈر اور خوف نکالا، وہ بتانے یا لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ ایسا سمجھ لیں کہ آدھ گھنٹہ لگا کہ میں نے لڑکی کو بات کرنے کے قابل بنایا۔ اُس کے باپ کو میں نے دوسرے کمرے میں بٹھا دیا۔ مجھ کو پہلے پتہ چل چکا تھا کہ یہ لڑکی عظمت کی محبت میں اتنی دیوانی ہے کہ جب تک اُسے دیکھ نہیں لیتی تھی، اس کو چین نہیں آتا تھا۔ میں نے اُس کی اس کمزوری کو اپنے سامنے رکھا۔

"تم کو معلوم ہے کہ عظمت لاپتہ ہوگیا ہے" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور مجھ کو معلوم ہے کہ تمہارے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا یہ راز اپنے دل میں رکھوں گا"۔

"میرے ابو کو تو نہیں بتائیں گے؟" ۔۔۔ اُس نے التجا کی اور اس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں نے تمہیں کہا ہے کہ یہ راز میرے سینے میں رہے گا" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اور میں تمہیں ایک بار پھر بتاتا ہوں کہ تم نے کوئی جرم نہیں

کیا۔ مجھ کو معلوم ہے کہ تمہاری محبت پاک ہے"۔

اس لڑکی نے جس کا نام عطیہ تھا، سر جھکا لیا۔ مجھ کو اس پر بہت ترس آیا۔ اُس کی عمر سولہ سال کے اِدھر اُدھر ہوگی اور وہ بڑی بھولی بھالی اور خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس کے چہرے پر جیسے لکھا ہوا تھا کہ یہ پاک لڑکی ہے۔ تھوڑی دیر اُس کے آنسو بہتے رہے اور وہ دوپٹے سے آنسو پونچھتی رہی۔

"آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟" ۔۔۔ اُس نے بچوں کی سی معصومیت سے پوچھا۔

"مجھ کو اور بھی بہت کچھ معلوم ہے" ۔۔۔ میں نے مسکرا کر کہا ۔۔۔ "اس واسطے میں تم کو کہتا ہوں کہ مجھ کو ہر بات بالکل ٹھیک بتانا۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم اور عظمت کہاں، کس طرح اور کس وقت ملتے تھے لیکن اس کی بابت میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ مجھ کو صرف یہ بتادو کہ عظمت نے تمہارے ساتھ کبھی کوئی ایسی بات کی تھی جس سے تم کو یہ شک ہوا ہو کہ وہ گھر سے تنگ ہے اور وہ بھاگ جائے گا"۔

"نہیں" ۔۔۔ اُس نے خود اعتمادی سے کہا ۔۔۔ "وہ گھر سے بالکل تنگ نہیں تھا بلکہ خوش تھا۔ سوتیلی ماں کے خلاف اُس نے کبھی شکایت نہیں کی تھی بلکہ کہتا تھا کہ سوتیلی ماں اُس کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتی ہے" ۔۔۔ اس لڑکی نے چپ ہو کر میرے منہ کی طرف دیکھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ کوئی بات کہنا چاہتی ہے لیکن نہیں کہہ رہی۔

"ہاں ہاں" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "کہو عطیہ! کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں پوچھنا چاہتی ہوں" ۔۔۔ اُس نے کہا اور وہ جذبات کی شدت کو برداشت نہ کر سکی۔ یک لخت اُس نے بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔ ذرا دیر بعد سنبھلی اور میری حوصلہ افزائی اور ہمدردی سے اُس نے بات یہ پوچھی ۔۔۔ "آپ عظمت کو واپس لے آئیں گے؟" ۔۔۔ اُس نے چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا اور وہ پھر رونے لگی۔

میں نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے تسلی دلاسے دیئے اور کہا ۔۔۔

"میں نے تم کو اسی واسطے اپنے گھر بلایا ہے کہ تم مجھ کو کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے میں عظمت کا سراغ لگا سکوں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ رات کا وقت ہے پھر بھی میں عظمت کی تلاش کے واسطے کام کر رہا ہوں۔"

عطیہ گہری سوچ میں چلی گئی۔ میں نے اُس کی سوچ میں دخل نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے میری طرف دیکھا۔

"ہم دونوں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ شادی کریں گے"۔۔۔ عطیہ نے کہا۔۔۔ "اگر شادی نہ ہو سکی تو دونوں خودکشی کرلیں گے۔"

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ دونوں گھر سے بھاگ جائیں گے؟"

"نہیں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "ہم نے ایسی بڑی بات کبھی نہیں سوچی تھی۔۔۔ عظمت کہتا تھا کہ ہماری شادی ہو جائے گی۔"

"اُس کو اُن ٹونوں اور وظیفوں پر پورا اعتقاد تھا جو وہ کرتا رہتا تھا"۔۔۔ میں نے کہا۔

اُس نے مجھ کو حیران ہو کر دیکھا کہ مجھ کو اس بات کا بھی پتہ ہے۔

"وہ تم کو بھی وظیفے اور ٹونے بتاتا ہوگا"۔۔۔ میں نے کہا۔

اُس نے زبان سے کچھ کہے بغیر سر ہلایا کہ وہ وردِ وظیفے کرتی ہے۔

مجھ کو ان دونوں کے وظیفوں اور ٹونوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ اور زیادہ بے تکلف کرنے کے لیے یہ بات شروع کر دی تھی لیکن جس بات میں مجھ کو دلچسپی نہیں تھی اُسی بات میں مجھ کو ایک راستہ نظر آگیا۔

"عظمت مجھ کو کہتا تھا کہ نماز پڑھا کرو، خدا ضرور مدد کرے گا"۔۔۔ عطیہ نے معصومیت سے کہا۔۔۔ "ایک مہینے سے کچھ زیادہ دن گزرے، اُس نے مجھ کو بتایا تھا کہ شہر میں ایک سائیں آیا ہے جس کو لوگ پاگل سمجھتے ہیں لیکن وہ پاگل نہیں۔ عظمت نے مجھ کو بتایا کہ ایک روز اس سائیں نے اُس کو روک لیا اور اس سے نام پوچھا۔ عظمت نے اپنا بتایا تو سائیں نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تمہارا نام عظمت نہیں ارشاد ہے۔ تمہارا نام

کس نے بدل ڈالا ہے؟۔۔۔ عظمت نے مجھ کو بتایا کہ وہ سائیں کی اس بات پر ہنس پڑا اور اُس کو پاگل سمجھا۔ اس پاگل سائیں نے عظمت کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اُس کو کہیں نہ کہیں مل جاتا اور اس کے ساتھ پیار کی باتیں کرتا تھا اور اس کو ارشاد کہتا تھا۔۔۔

"عظمت کو یقین ہونے لگا کہ اس سائیں کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے۔ دراصل عظمت میرے واسطے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا تھا اور اُس کو جہاں کہیں کوئی وظیفہ یا ٹونا پتہ لگتا، وہ وہی کرنا شروع کر دیتا تھا۔ اُس نے اس سائیں کو کہا کہ میری ایک مراد ہے وہ پوری کر دو۔ اُس نے سائیں کو مراد بتائی۔ سائیں نے اُس کو کہا کہ اس مراد کے واسطے چالیس دن کا چلّہ کرنا ہوگا۔ اُس نے عظمت کو کہا کہ تم یہ چلّہ صحیح طریقے سے اور صحیح جگہ بیٹھ کر کرو تو تم کو صرف اپنی پسند کی لڑکی ہی نہیں بلکہ خزانہ ملے گا۔۔۔ چار پانچ دن گزرے عظمت نے مجھ کو کہا تھا کہ میں اگر کہیں غائب ہو جاؤں تو فکر نہ کرنا، میں واپس آجاؤں گا۔"

عطیہ کی یہ بات سن کر میں تو اچھل پڑا۔ میں نے اُس کو کہا کہ وہ مجھ کو یہ بات پوری سنائے۔ اُس نے کہا کہ اُس کو عظمت نے بات سنائی تھی، وہ اُس نے مجھ کو سنا دی ہے۔ اس کے بعد عظمت لاپتہ ہو گیا۔

اس لڑکی کی مجھ کو مزید ضرورت نہیں تھی اس واسطے اُس کو بھیج دیا اور میرا دماغ اس سائیں پر اٹک گیا۔ میرا دل کہتا تھا کہ یہ سائیں دراصل بردہ فروش تھا اور وہ پاگل آدمی کے بہروپ میں تھا، وہ ایک خوبصورت لڑکے کو ورغلا کر لے گیا ہے، لیکن ابھی یہ دیکھنا تھا کہ یہ سائیں قصبے میں موجود ہے یا غائب ہو گیا ہے۔

دماغ پر الٹا اثر ہو گیا تھا

میں تھانے میں چلا گیا۔ اپنے اے۔ایس۔آئی، ہیڈ کانسٹیبلوں اور کانسٹیبلوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ یہاں جو پاگل سائیں پھرتا اور صدا لگاتا رہتا تھا ——"ملے گا . . . بچہ ملے گا" —— اُس کو دیکھو کہ یہیں ہے یا کہیں چلا گیا ہے۔ میں نے اے۔ایس۔آئی کو کہا کہ مخبروں کو بھی استعمال کرے۔

اگر عظمت اس سائیں کے پھندے میں پھنس گیا تھا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ نوجوانی میں جب انسان کے جذبات جوش میں آتے ہیں تو عقل ماری جاتی ہے۔ میں نے ایک نوجوان دیکھا تھا جس نے چاقو کی نوک سے اپنے سینے پر ایک لڑکی کا نام کھودا ہُوا تھا۔ ایسا سمجھ لیں کہ اُس نے اپنی کھال میں چاقو اتار کر نام کھودا تھا۔ عظمت کے دماغ پر لڑکی اتنی سوار تھی کہ اُس کا دماغ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے طریقوں اور ترکیبوں کے سوا اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ عطیہ کی بھی یہی رگ کمزور تھی۔ میں نے اس رگ کو پکڑ کر اُس کے سینے سے باتیں نکال لی تھیں۔ عظمت نے سائیں کو اپنی مراد بتائی تو سائیں نے اُس کو پھانس لیا۔

دوسرے دن سائیں کو ڈھونڈا گیا لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ پتہ چلا کہ کبھی وہ رات قبرستان کے تکیے میں گذارتا تھا، کبھی مسجد میں بیٹھ جاتا اور کبھی کسی درخت کے نیچے سو جاتا تھا۔

رات کو ایک اطلاع ملی۔ جس سکول میں عظمت پڑھتا تھا اُس کے قریب سے ریلوے لائن گذرتی تھی۔ سکول سے تقریباً دو فرلانگ آگے ریلوے لائن کا پھاٹک تھا۔ وہاں ریلوے کا جو آدمی تھا، اُس سے ہمارے ایک آدمی نے سائیں کی بابت پوچھا۔

"میں اُس کو جانتا ہوں" —— پھاٹک والے نے بتایا —— "دو تین بار وہ میرے پاس آکر بیٹھا رہا ہے۔ میں نے اس کو پرسوں دیکھا تھا۔ وہ جا رہا تھا اور سات آٹھ قدم پیچھے پیچھے ایک بڑا خوبصورت لڑکا جا رہا تھا۔ اُس

نے کتابیں اٹھا رکھی تھیں۔"

اُس نے لڑکے کا حُلیہ وہی بتایا جو عظمت کا تھا اور وقت وہ بتایا جو سکول سے چُھٹی کا وقت تھا۔ عظمت سکول کے احاطے سے پچھلے دروازے سے نکلا تھا اور ریلوے پھاٹک اُسی طرف تھا۔ پھاٹک کے ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔

اب یہ میرا کام تھا کہ سائیں کا تعاقب کیا جاتا لیکن یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ آگے جا کر کس طرف چلا گیا ہے۔ میں نے تھانے میں واپس آکر اپنے علاقے کے نمبرداروں کو اطلاع بھجوانے کا انتظام کیا کہ اس حُلیے کا ایک سائیں پولیس کو مطلوب ہے اور اُس کو پکڑنا ہے۔

تیسرے دن دوپہر کے وقت مجھ کو ایک رپورٹ ملی جس سے پتہ چلا کہ یہ سائیں کون سے گاؤں کا رہنے والا ہے۔ سائیں کا کچھ پتہ نہ چلا۔ رپورٹ یہ ملی کہ وہ ڈیڑھ سال پہلے تک اچھا بھلا آدمی تھا۔ کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اُس کا قریبی رشتہ دار کوئی نہیں تھا۔ اس کا ایک بچہ بیمار ہو کر مر گیا تھا۔ اس کے تین چار مہینے بعد اُس نے اوٹ پٹانگ سی باتیں شروع کر دیں۔ ایسے پتہ چلتا تھا جیسے اس کے دماغ پر کوئی الٹا اثر ہو گیا ہو۔ دو تین مہینے اور گزرے تو یہ غائب ہو گیا۔ اس کو تلاش کرنے والا اس کا اپنا رشتہ دار کوئی نہیں تھا۔ پیچھے اکیلی بیوی رہ گئی جو رونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ شخص جس کا نام ظہور تھا بالکل ہی غائب ہو گیا۔ کبھی کبھی اطلاع ملتی تھی کہ وہ کسی گاؤں میں دیکھا گیا ہے۔ بہت دلوں بعد پتہ چلا کہ وہ شہر میں گھومتا پھرتا رہتا ہے۔

مجھ کو یہ بھی بتایا گیا کہ اُس کے گاؤں کے دو تین آدمی اس کو دیکھنے کے لیے میرے تھانے والے قصبے میں آئے تھے اور اس کو کہا تھا کہ وہ گاؤں واپس چلے لیکن اُس نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اب یہ اطلاع ملی کہ وہ اپنے گاؤں میں نہیں گیا۔ ویسے یہ وہی آدمی تھا۔

میں نے اُسی وقت اس کے گاؤں پر چھاپہ کا انتظام کیا۔ وہ گاؤں دوسرے

تھانے کے علاقے میں تھا۔ قاعدے قانون کے مطابق دوسرے تھانے
میں جا کر چھاپہ مارنے یا تفتیش کرنے کے لیے کچھ کاغذی کارروائی کرنی پڑتی
ہے لیکن تھانے دار پہلے اپنا کام کرتے تھے، اِس کے بعد کاغذی کارروائی
کر لیتے تھے۔ وہ ایسا اس واسطے کرتے تھے کہ کاغذی کارروائی میں وقت
ضائع ہو جاتا تھا اور ملزم کے نکل جانے کا خطرہ ہوتا تھا۔

وہ گاؤں بارہ تیرہ میل دُور تھا۔ میں نے گھوڑے اور ٹٹوؤں کا انتظام
کیا اور تین چار سائیکلیں بھی منگوالیں اور میں اپنے عملے کے ساتھ سورج غروب
ہونے تک اس علاقے کے تھانے میں پہنچ گیا۔ وہاں کا انچارج سب
انسپکٹر گورچرن سنگھ تھا۔ بڑا زندہ دل اور جرأت والا سکھ تھا۔ میں نے اُس
کو واردات کی تفصیل بتائی اور کہا کہ میں وہاں چھاپہ مارنے کے لیے آیا ہوں۔
اُس نے اُسی وقت ایک کانسٹیبل کو بھیج کر اس گاؤں کے نمبردار کو بلالیا۔
اُس کے آنے تک گورچرن سنگھ کے ساتھ گپ شپ ہوتی رہی۔

حکم کرو، زہر کھالوں گی

نمبردار آیا تو میں نے اُس سے پگلے سائیں کے متعلق دریافت کیا۔
"جناب!" — اُس نے کہا — "اُس بے چارے نے تو پاگل ہونا
ہی تھا۔ اُس کی بیوی بدچلن ہے۔ خاوند اُسے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن
بیوی بے لگام ہو گئی اور اُس کے ساتھ ہی اُس کا ایک بچہ مر گیا ہے۔ اس کو اصل
صدمہ بیوی کا تھا جس نے اُس کو پاگل کر دیا۔"

یہ بات سُن کر مجھ کو شک پیدا ہُوا کہ ظہورا اپنے گھر نہیں آیا ہو گا لیکن میں
کوئی بات فرض نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں جس کام کے لیے آیا ہوں وہ
پورا کرلوں۔ میں نے نمبردار کو ساتھ لیا اور اُس کے گاؤں چلا گیا۔ نمبردار نے
مجھے وہ گھر دکھایا اور دروازے پر نمبردار نے ہی دستک دی۔ دروازہ کھلا تو
میں نے دروازہ کھ[illegible]ے پر ٹارچ کی روشنی ماری۔ وہ ایک جوان عورت

تھی۔ میں اندر چلا گیا۔ اُس عورت سے پوچھا کہ تمہارا خاوند کہاں ہے۔ اُس
نے ڈرے اور سہمے ہوئے لہجے میں کہا کہ وہ ایک عرصے سے پاگل ہو کر نجانے
کہاں چلا گیا ہے۔ میں نے گھر کی تلاشی لی لیکن وہ شخص وہاں نہیں تھا۔

میں جب تلاشی لے چکا تو دیکھا کہ وہ عورت دروازے میں بیٹھی دوپٹہ
منہ پر ڈالے ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ میں نے اُس کو اٹھایا اور چارپائی
پر بیٹھنے کو کہا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی لیکن چارپائی پر نہ بیٹھی۔ میں نے اُس سے
اُس کے خاوند کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کچھ کہنے کی بجائے نمبردار
کی طرف دیکھا۔ میں نے اُس کو کہا کہ وہ میری بات کا جواب دے۔

اُس نے نمبردار کی طرف اشارہ کر کے کہا — "جب تک یہ شخص
میرے سامنے موجود ہے، میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"کیوں؟"

"اس واسطے کہ غریب اور اکیلی عورت کے لیے کوئی انصاف نہیں
ہے" — اُس نے جواب دیا — "تم اِس واسطے آئے ہو کہ
میں نے اپنے خاوند کو یہاں چھپا کر رکھا ہُوا ہے" — اُس نے ایک
بار پھر ہاتھ لمبا کر کے نمبردار کی طرف اشارہ کیا اور بولی — "یہ شخص مجھ کو
پریشان کرنے کے واسطے پولیس کو لے آیا ہے۔"

"مجھ سے تم کو انصاف ملے گا" — میں نے اس کو تسلّی دیتے ہوئے
کہا — "مجھ کو معلوم ہے کہ تمہارا خاوند پاگل ہے۔"

"میں اُس کو اب بھی پاگل نہیں کہتی" — اِس عورت نے بڑی
دلیری سے کہا — "اگر وہ پاگل ہے تو اِس کو پاگل کرنے والا یہ شخص ہے۔"

نمبردار نے ایک ہی سانس میں اس عورت کو تین چار گالیاں دے
ڈالیں۔ ان نمبرداروں کو صرف پولیس ہی سمجھتی تھی۔ میں نے کوئی ایسا ارادہ نہیں
کیا تھا لیکن میرا دایاں ہاتھ اٹھا اور میں نے اتنی زور سے اس نمبردار کے منہ
پر تھپڑ مارا کہ وہ گھوم کر تین چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ
جو عورت اتنی دلیری سے بات کر رہی ہے، وہ جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ میں نے

نمبردار کو باہر نکال دیا۔ اپنے آدمیوں کو بھی کہا کہ وہ باہر چلے جائیں۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور اس عورت سے کہا کہ وہ سامنے والی چارپائی پر بیٹھ جائے لیکن وہ یہ کہہ کر فرش پر بیٹھی کہ میں تھانیدار کی برابری نہیں کر سکتی۔

میں نے اس کو کہا کہ اُس نے یہ بات کیوں کہی ہے کہ اُس کے خاوند کو نمبردار نے پاگل کیا ہے۔ اس نے میرے سوال کے جواب میں جو واردات سنائی، اس کا میرے کیس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا لیکن مجھے اس کی بات سننی پڑی اور میں نے اس واسطے بھی اس کی پوری بات سنی کہ میں بھی آخر انسان تھا۔ مجھ کو اس تنہا عورت پر بہت رحم آیا۔

اُس نے کہا کہ عرصہ تین ساڑھے تین سال پہلے اِن کا ایک بچہ عمر سات آٹھ سال مر گیا تھا۔ اس لیے کچھ مہینے بعد اُس کا خاوند پاگل ہو گیا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ اپنے اکلوتے لڑکے کی موت کی وجہ سے پاگل ہُوا ہے۔

"میرا خاوند کسی اور وجہ سے پاگل ہُوا ہے"— ظہور کی بیوی نے کہا —"ہم اتنے غریب آدمی تو نہیں، نہ ہی ہم کسی کے محتاج ہیں لیکن ہم نمبرداروں اور بڑے چودھریوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں اور ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہم دونوں کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں جو ہماری مدد کو پہنچ سکے۔ بچے کے مرنے سے پہلے اس نمبردار نے مجھ پر بُری نیت کا اظہار کیا تھا لیکن میں اس سے اپنا آپ بچاتی رہی۔ ایک دن اِس نے کھیتوں میں جب اِدھر اُدھر کوئی بھی نہیں تھا مجھ پر دست درازی کی۔ میں نے اس کی بہت بے عزتی کی۔ اس شخص نے دو بدمعاش میرے پیچھے ڈال دیئے۔ وہ مجھ کو آتے جاتے پریشان کرتے رہتے تھے۔ میں نے اپنے خاوند کو بتایا۔ خاوند نے نمبردار کے ساتھ غصّے میں بات کی۔ نمبردار نے میرے خاوند کی ٹھکائی کرادی۔ اس کے بعد ایک بار پھر ان لوگوں نے میرے خاوند کو مارا پیٹا اور یہ مشہور کر دیا کہ اس شخص کی بیوی یعنی میں بدچلن ہوں....

"میرا خاوند اپنا خون پیتا رہتا تھا۔ اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کہتا تھا کہ وہ ان لوگوں کو یا صرف نمبردار کو قتل کر دے گا۔ میں اُس کے پاؤں میں سر رگڑتی تھی کہ وہ ایسی حرکت نہ کرے۔ وہ پکڑا جائے گا اور میں بالکل بے آسرا رہ جاؤں گی۔ وہ کہتا تھا کہ وہ پکڑا جائے تو میں زہر کھا کر مر جاؤں۔ میں نے اُس کو کہا تھا کہ وہ مجھ کو حکم کرے تو میں زہر کھا لوں گی....

"خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہمارا ایک ہی بچہ تھا۔ وہ بیمار ہو گیا۔ اس کے بعد میرے خاوند کا دماغ بالکل ہی پھر گیا۔ وہ دراصل پہلے ہی پاگل ہو چکا تھا۔ جو تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی وہ بچے کی موت نے پوری کر دی۔ پھر میرا خاوند کہیں چلا گیا۔ میں اکیلی دکیلی عورت کیا کر سکتی تھی۔ یہاں سکھوں کے دو گھر ہیں۔ اگر اس گھر کے آدمی میری عزت کی حفاظت نہ کرتے تو میں بتا نہیں سکتی کہ یہ نمبردار اور اس کے بدمعاش میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے۔ آپ اُن سکھ گھروں کے آدمیوں کو بلا کر پوچھ لیں۔ ان کی عورتیں بھی میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہیں۔ میں ہر وقت اس انتظار میں رہتی ہوں کہ میرا خاوند واپس آجائے گا۔"

اس عورت کی رام کہانی نے میرے دل پر بہت اثر کیا لیکن میں اس علاقے کا تھانیدار نہیں تھا اور اس کا میرے کیس کے ساتھ کوئی تعلق بھی نہیں تھا، اس واسطے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے کچھ نہ کچھ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اس کو تسلی دلاسہ دے کر میں تھانے میں چلا گیا۔ سب انسپکٹر گورچرن سنگھ میرے انتظار میں تھانے میں موجود تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ ہم کو مطلوب فرد نہیں ملا۔ پھر میں نے اُس کو اس عورت کی بپتا سنائی اور اس کو کہا کہ وہ اس کی کچھ مدد کرے۔ سکھ بڑی عجیب قوم ہے۔ وہ میری بات کو پوری توجہ سے نہیں سُن رہا تھا۔ میں نے جب اُس کو بتایا کہ گاؤں کے سکھ اس عورت کی عزت کے محافظ بنے ہوئے ہیں اور ان سکھوں کی وجہ سے اس کی عزت بھی محفوظ ہے تو گورچرن سنگھ بھڑک اٹھا۔ وہ بھی سکھ تھا۔

"اچھا!"— گورچرن سنگھ نے جوشیلے لہجے میں کہا —"دیکھا تم نے! بابا نانک کے چیلے غیرت والے ہوتے ہیں۔ میں بھی سکھ ہوں۔ تم جلدی مان لوگے کہ

میں نے اس نمبردار اور اس کے بدمعاشوں کا کیا حال کر دیا ہے۔ وہ اِس عورت کی جوتیاں چاٹیں گے۔"

اِس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ آپ نہیں جانتے کہ بھڑکا ہُوا سکھ ہاتھیوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ وہ اپنا انجام نہیں سوچا کرتا۔ میں چاہتا تھا کہ اس غریب اور بے آسرا عورت کی عزت کی حفاظت کا کچھ بندوبست ہو جائے۔

میں رات کو ہی واپس چل پڑا۔

لڑکا سائیں کے ساتھ تھا

تین دن گذر گئے۔ تھانے میں اور بھی کام تھے۔ یہ ایک ہی واردات نہیں تھی کہ میں اسی کے پیچھے پڑا رہتا۔ میں نے عظمت کی سوتیلی ماں کو ذہن میں رکھا ہُوا تھا لیکن اُس کو ابھی شاملِ تفتیش نہیں کیا تھا۔ مجھ کو اب یہی خیال آتا تھا کہ لڑکے کو سائیں ظہور لے گیا ہے مگر اُس کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔

چوتھے دن گورچرن سنگھ کے تھانے سے اطلاع آئی کہ اس کے تھانے سے تقریباً چار میل دُور ایک سائیں یا سنیاسی کو دیکھا گیا ہے جو ایک گُف میں رہتا ہے۔ حلیہ ویسا ہی بتایا گیا جیسا سائیں کا تھا۔ وہ ویران علاقہ تھا جہاں اُسے دیکھا گیا تھا۔ وہاں مٹی کے ٹیلے تھے۔ میں نے اطلاع لانے والے سے پوری رپورٹ سنی۔ مجھ کو یہ بھی بتایا گیا کہ وہ سائیں گُف کے اندر اور باہر آتا جاتا رہتا ہے۔

میں ایک بار پھر گورچرن سنگھ کے تھانے میں جا پہنچا۔ اُس نے پہلی خبر یہ سنائی کہ اُس نے نمبردار اور اُس کے دو بدمعاش رشتہ داروں کو تھانے بلا کر بہت مارا پیٹا ہے، پھر سائیں ظہور کی بیوی کو بلا کر اُس کو کہا ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے ذرا سی بھی الٹی سیدھی حرکت ہو تو وہ تھانے آکر اطلاع دے۔

گورچرن سنگھ نے جس آدمی کو سائیں کی اطلاع دینے کے لیے میرے پاس بھیجا تھا، میں اُسی کے ساتھ آگیا۔ میرے ساتھ ایک ہیڈ کانسٹیبل اور تین کانسٹیبل تھے۔ میں اطلاع دینے والے کی راہنمائی میں اُس جگہ چلا گیا جہاں اس نے سائیں کو دیکھا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور تینوں کانسٹیبل سائیں کو پہچانتے تھے۔ دیکھنا یہ تھا کہ یہ شخص وہی پگلا سائیں ہے جو قصبے میں گھومتا پھرتا اور صدائیں لگاتا رہتا تھا۔ گواہوں کے طور پر میں نے گاؤں کے نمبردار کے علاوہ دو اور آدمیوں کو اور سائیں کی بیوی کو بھی بلا کر ساتھ لے لیا تھا۔

میں جب اس ویران علاقے میں پہنچا تو تقریباً دو سو گز دُور ایک سائیں جس نے ٹخنوں تک لمبا اور کالا کرتا پہن رکھا تھا زمین پر کچھ چُنتا ہُوا نظر آیا۔ ہم تھوڑا اور آگے گئے تو اُس نے ہماری طرف دیکھا۔ ہم آگے بڑھتے گئے اور وہ وہیں کھڑا رہا۔ ہم قریب گئے تو وہ دوڑ کر ایک گُف میں داخل ہو گیا۔ میرے عملے کے چاروں آدمیوں نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے۔ میں دوڑ کر گُف کے منہ پر جا کھڑا ہُوا۔ یہ گُف لمبی نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ چھ گز لمبی ہو گی اور تین چار گز کشادہ تھی۔

میں نے دیکھا کہ ایک آدمی گُف کے منہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھا تھا اور سائیں اس کے پاس بیٹھا گُف کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سائیں سے کہا کہ باہر آؤ۔ اُس وقت جس آدمی کی میری طرف پیٹھ تھی، اُس نے پیچھے دیکھا، میں نے اُس کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس کو دیکھتے ہی میں نے یقین کر لیا کہ گمشدہ لڑکا ہے۔ وہ پندرہ سولہ سال کی عمر کا بہت خوبصورت لڑکا تھا۔

سائیں جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ اس کی داڑھی لمبی تھی۔ سر کے بال بھی لمبے تھے اور ان پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں بڑے بڑے منکوں والا ہار تھا جو عام طور پر بھینسوں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ میں نے گُف کے منہ پر کھڑے کھڑے لڑکے سے کہا کہ باہر آجاؤ۔ وہ ڈرتے ڈرتے اٹھا اور گُف کے منہ پر آگیا۔ میں نے اُس کو بازو سے پکڑا اور باہر لے آیا۔

اُس سے اس کا نام اور اُس کے باپ کا نام پوچھا۔ اس نے اپنا اور اپنے باپ کا نام بتایا۔ یہ وہی لڑکا تھا۔

"کیا یہ تم کو اغواء کر کے لایا ہے؟" ــــ میں نے لڑکے سے پوچھا۔

"نہیں" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "میں خود اس کے ساتھ آیا ہوں"

مجھ کو خیال آیا کہ اس سائیں نے لڑکے کو کوئی نشے والی چیز کھلائی ہوئی ہے۔ میں نے ابھی اور کچھ نہیں سوچا تھا کہ میں سائیں کو پکڑوں یا کیا کروں کہ اچانک گف میں سے سائیں اٹھا اور جس طرح کوئی درندہ اپنے شکار پر جھپٹتا ہے، سائیں لڑکے پر جھپٹا اور اُسے دونوں بازوؤں میں دبوچ کر اُسے مجھ سے دُور لے گیا۔ وہ اتنی تیزی سے آیا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کو روک نہ سکا۔ اُس نے لڑکے کو بازوؤں میں دبوچا اور اس طرح گرا کہ لڑکا نیچے تھا اور وہ اوپر۔ کانسٹیبلوں نے دوڑ کر اُسے گھیرے میں لے لیا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے اُسے بالوں سے پکڑا اور اوپر کو کھینچا۔

سائیں ظہور نے اٹھ کر ہیڈ کانسٹیبل کے پہلو میں زور سے گھونسا ملا اور اس سے اپنے بال چھڑا کر پھر لڑکے کو بازوؤں میں لے لیا جو اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

سائیں نے کرخت چیخ جیسی آواز میں پورے زور سے کہا ــــ "یہ میرا بیٹا ہے۔ لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ میرا بیٹا مر گیا ہے"

وہ پاگل تھا یا جیسا کیسا بھی تھا، میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ گمشدہ لڑکا اس کے قبضے سے برآمد ہوا ہے۔ میں حیران ضرور ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن میں نے اپنے کانسٹیبلوں سے کہا کہ اسے تھانے لے چلو۔ کانسٹیبلوں نے اُسے پکڑ لیا لیکن وہ اُن سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور یہی کہتا جا رہا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ لڑکا چُپ چاپ تھا۔

کانسٹیبل سائیں کو گھسیٹ کر آگے آگے لے جا رہے تھے۔ میں نے راستے میں لڑکے سے بیان لینا شروع کر دیا۔ اُس نے بڑی مختصر بات

بھی کہ وہ خود اس کے ساتھ آیا ہے۔ میں نے اُس کا منہ کھول کر ناک اُس کے منہ کے قریب کی اور سونگھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اُسے کوئی نشہ نہ دیا گیا ہو لیکن مجھ کو کوئی ایسی ویسی بُو محسوس نہ ہوئی۔

لڑکے کے بیان کو میں پورا نہیں سناؤں گا۔ مختصر بات یہ ہے کہ اُس نے اِس سائیں کو برگزیدہ فقیر سمجھ لیا تھا۔ یہ میں آپ کو عطیہ کی زبانی سنا چکا ہوں کہ سائیں عظمت کے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ لڑکے نے مجھ کو جو بیان دیا اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ سائیں اُس کو پیسے بھی دیا کرتا تھا جو اُسے لوگ بھیک کے طور پر دیتے تھے لیکن لڑکا یہ پیسے نہیں لیتا تھا۔ سائیں ظہور نے لڑکے کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کی تھیں جو میرا خیال ہے کہ پاگل پن کی کیفیت میں کی ہوں گی مگر لڑکے نے ان باتوں کو معرفت کی باتیں سمجھ لیا۔

لڑکے نے آخر اُس کو بتایا کہ وہ ایک لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے لیکن شادی نہیں ہو سکے گی۔ سائیں نے اس کو کہا کہ تم مجھ کو روزانہ ملا کرو۔ میں تم کو کوئی درود وظیفہ بتاؤں گا۔

سائیں نے اُس کو کوئی وظیفہ بتایا جو وہ ہر نماز کے بعد پڑھتا رہا۔ لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کو کہا کہ وہ عطیہ کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ کرا دے لیکن سوتیلی ماں نے اُس کو بڑے پیار سے کہا کہ وہ اس کی شادی اپنی بھتیجی سے کرائے گی جو عطیہ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ لڑکے نے سوتیلی ماں کو منانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ پیار پیار میں اس کو ٹالتی رہی۔ یہ لڑکی جو سوتیلی ماں کی بھتیجی تھی لڑکے سے چار سال بڑی تھی۔ لڑکے نے جب دیکھا کہ اس کا کام نہیں بن رہا تو اس نے سائیں کو بتایا کہ اس کا بتایا ہوا وظیفہ ناکام ہو رہا ہے۔ سائیں نے اس کو کہا کہ وہ چالیس دنوں کا چلہ کاٹے پھر اس کا یہ کام بھی ہو جائے گا اور اس کو کہیں سے چُھپا ہوا خزانہ بھی ملے گا۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ لڑکے کا ذہن کیسا تھا اور محبت کے جذبات کتنے شدید تھے۔ وہ جذبات کے سیلاب میں بہہ گیا اور اپنے انجام کو سوچے بغیر اس پاگل سائیں کے ساتھ چل پڑا۔ سائیں اُس کو اِس گف

میں لے آیا اور اندر بٹھا کر کہا کہ اب تم صرف رات کو تھوڑی سی دیر کے لیے باہر نکلا کرو گے۔ لڑکے نے بڑے تپاک اور دھیان سے یہ وظیفہ شروع کر دیا۔

"دیکھ لڑکے!" ــــ میں نے اس کو کہا ــــ "مجھے سچی بات بتاؤ۔ کیا تم اتنے دن یہاں بھوکے پیاسے رہے ہو؟"

"نہیں!" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "سائیں دن کے وقت چلا جاتا تھا اور بہت دیر بعد واپس آتا تھا۔ یہ روٹیاں، دال اور دانے بھون کر لے آتا تھا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ کہاں سے لاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ بھیک مانگتا تھا۔"

مجھ کو لڑکے کی اس بات سے خیال آیا کہ میں نے گُف کی تلاشی ہی نہیں لی تھی۔ میں وہیں سے واپس گیا اور گُف میں جا کر اچھی طرح دیکھا۔ وہاں مٹی کا پیالہ، مٹی کی ایک رکابی اور میلا سا ایک کپڑا پڑا تھا۔ روٹیوں کے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں اور کچھ بھی نہیں تھا۔

میں ساری بات سمجھ گیا۔ گورچرن سنگھ مجھ کو ایسی ہی ایک ماں کا واقعہ سُنا چکا تھا۔ میرے واسطے یہ کیس بڑا ہی عجیب و غریب تھا۔ میں سائیں ظہور کو دیکھ چکا تھا۔ اُس کا چہرہ گندہ ہونے کے باوجود چہرے کے نقش اچھے لگ رہے تھے لیکن اُس کی بیوی صحیح معنوں میں خوبصورت عورت تھی۔ اُس کا رنگ بھی گورا تھا۔ یہی چہرہ اُس کے لیے مصیبت بنا ہُوا تھا۔

گورچرن سنگھ نے ہمارے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ کھانا آتے اور کھاتے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ عظمت سائیں ظہور کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سائیں ظہور اچھی بھلی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اُس کے ساتھ دو باتیں کیں تو میں محسوس کیا کہ وہ صرف باتیں صحیح کر رہا ہے لیکن اس کا دماغ صحیح نہیں۔ یہ میں اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ جب عظمت کا ذکر آتا تھا تو اُس کو وہ اپنا بیٹا کہتا تھا، یعنی وہ بیٹا جو سات آٹھ سال پہلے مر چکا تھا۔

میں سائیں ظہور احمد اور عظمت کو اپنے ساتھ اپنے تھانے لے آیا۔

سائیں ظہور پھر بگڑ بیٹھا تھا کہ یہ دیکھو میری بیوی مجھ کو گھر لے جانے کے واسطے آئی ہے۔

میں حیران ہو رہا تھا کہ پاگل اپنی بیوی کو پہچانتا تھا لیکن نمبردار کو اُس نے نہیں پہچانا۔ وہ میرے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اُس کو یہ کہا کہ پولیس اِس کو پکڑ لے گی، لہٰذا وہ میرے ساتھ شہر چلے۔ وہاں میں عدالت سے اُس کو سند لے دوں گا کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور اس سے یہ بیٹا واپس نہ لیا جائے۔ وہ پگلا خوشی خوشی میرے ساتھ چل پڑا۔

سائیں اپنی منزل کو پہنچا

میں گورچرن سنگھ کے تھانے میں پہنچا تو سائیں ظہور کی چیخ و پکار بلند ہو رہی تھی۔ وہ ایک ہی صدا لگائے جا رہا تھا ــــ "یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ مجھے دے دو۔ جو میرے بیٹے کو ہاتھ لگائے گا میں اُس کو قتل کر دوں گا" ــــ اس کی بیوی الگ بیٹھی رو رہی تھی۔ میں ڈاکٹر یا سائیکالوجسٹ نہیں تھا کہ میں ایک پاگل کی باتوں کو سمجھتا۔ میں نے سوچا کہ اسے بھنیٹی لگا کر اس کا دماغ صحیح کیا جائے لیکن گورچرن سنگھ مجھ سے زیادہ عقلمند نکلا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ جب اے ایس آئی ہُوا کرتا تھا تو اُس نے ایسا ہی ایک کیس دیکھا تھا جس میں ایک پاگل سی عورت نے گلی میں کھیلتا کسی کا بچہ اٹھا لیا تھا اور وہ بچہ واپس نہیں کرتی تھی۔ یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ آخر اُسے جا لے دیا گیا اور لوگ اُس کے تعاقب میں گئے۔ وہ جھونپڑی کی طرح کے ایک مکان میں داخل ہوئی۔ اُس کے گھر کے آدمی باہر نکل آئے۔ انہوں نے بتایا کہ کوئی ڈیڑھ دو سال ہوئے اِس کا ایک بچہ مر گیا تھا۔ پھر یہ پاگل ہو گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس سے بچہ لیا گیا۔ کچھ لوگوں نے تھانے میں اطلاع دی۔ وہاں گورچرن سنگھ ہی اے۔ ایس۔ آئی ہُوا کرتا تھا۔ تھانے والوں نے اس عورت کو پاگل خانے بھجوا دیا تھا۔

"ٹھہر جا محبوب!" ــــ گورچرن سنگھ نے مجھ کو یہ بات سنا کر کہا

——"میں ایک طریقہ آزماتا ہوں۔"

اُس نے بناوٹی غصّے سے کہا——"اِس کا بیٹا اس کو واپس کر دو۔"

——گورچرن سنگھ نے عظمت کو بازو سے پکڑا اور سائیں کے پاس کھڑا کر دیا۔ سائیں نے لڑکے کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ گورچرن سنگھ نے سائیں کو کہا——"اِدھر آؤ بیٹھ جاؤ، تم ہمارے بھائی ہو۔ معلوم نہیں یہ لوگ کہاں سے آگئے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھو اور اپنے بچّے کو ساتھ لے جانا۔"

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سائیں ظہور کے چہرے پر جو کھچاؤ تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ برآمدے میں رکھے ہوئے بنچ پر بیٹھ گیا۔ اُس نے عظمت کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

"مجھ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے"——میں نے اُس کو کہا۔

"سب جھوٹ بولتے ہیں کہ میرا بچّہ مر گیا تھا۔"

میں اُس کی بیوی کو اور اُس کے گاؤں کے نمبردار کو پرے لے گیا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ اس کا جو بچّہ مر گیا تھا وہ کیسا تھا۔ بچّے کی ماں میری بات سمجھ گئی۔

"وہ آٹھ دس سال کی عمر میں مرا تھا"——سائیں ظہور کی بیوی نے کہا——"وہ بڑا خوبصورت بچّہ تھا۔ میں بات کچھ کچھ سمجھ گئی ہوں۔ میں نے اس لڑکے کو دیکھا ہے جو میرے خاوند کے پاس بیٹھا ہے۔ اگر میرا بچّہ اس عمر تک پہنچتا تو وہ اسی طرح کا ہوتا۔ اس کا رنگ اسی طرح تھا اور اُس کے نقش بھی ایسے ہی تھے۔"

اپنے تھانے میں لا کر جب لڑکے کو اُس سے الگ کیا گیا اور اُس کو حوالات میں بند کیا تو اُس نے طوفان کھڑا کر دیا۔ وہ دروازے کی سلاخوں کو پکڑ کر زور زور سے جھنجھوڑتا تھا۔ پھر اُس نے سلاخوں سے اپنا سر مارنا شروع کر دیا۔ آخر اس کو رسیّوں سے باندھ کر رکھا گیا اور اُس کے منہ میں ہم زبردستی پانی اور دودھ ڈالتے رہے۔

دوسرے دن اُس کا ریمانڈ لینے کے لیے کورٹ میں لے گئے

لیکن مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالتیں اور سیشن کورٹ پچیس میل دُور شہر میں تھیں۔ وہاں تک اُس کو لانا اور لے جانا بہت مشکل تھا۔ ایک بار تو ہم اس کا ریمانڈ لے آئے۔ پھر میں نے علاقہ کے ڈی ایس پی کو تحریری رپورٹ دی کہ ملزم کا دماغ خراب ہے لہٰذا اس کو پاگل خانے میں داخل کرانا چاہیئے۔

کسی کو ایک تھانیدار کے کہنے پر پاگل خانے نہیں بھیجا جاتا۔ اس کا قاعدہ قانون الگ ہے اور کچھ دفتری کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ میں بات مختصر کرنے کے واسطے قانون کے یہ طریقے نہیں بتا رہا۔ کارروائی یہ ہوئی کہ اگلی پیشی پر ایک لڑکے کے اغواء کے جرم میں سائیں کا چالان عدالت میں پیش کیا گیا اور یہ درخواست کہ اس کا اور لڑکے کا ڈاکٹری معائنہ کرایا جائے۔ ایک شک کی بنا پر لڑکے کا ڈاکٹری معائنہ ضروری تھا جو اُس دن کرا لیا گیا اور رپورٹ بالکل صحیح نکلی۔ لڑکے نے بیان دیا کہ وہ اس سائیں کو برگزیدہ پیر سمجھ کر اپنی مرضی سے اُس کے ساتھ گیا تھا۔

مجسٹریٹ نے یہ کیس سیشن کورٹ کے حوالے کر دیا جو ہم نے بھاگ دوڑ کر دوسرے دن سماعت کے لیے لگوا لیا۔ سیشن جج نے حکم نامہ لکھا کہ ملزم کو میڈیکل بورڈ کے سامنے پیش کیا جائے جو کورٹ کو رپورٹ کرے کہ ملزم صحیح الدماغ ہے یا نہیں۔

میڈیکل بورڈ نے پانچ چھ دن سائیں کو اپنے پاس رکھا۔ پھر رپورٹ دی کہ یہ بالکل پاگل ہے اور اس کو پاگل خانے میں ہونا چاہیئے۔ پھر ایسے ہُوا کہ قانون کا پیٹ بھر کر سائیں کو پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا اور میرا کیس ختم ہو گیا۔

پیار کا پاپی

نوسربازی کا یہ واقعہ عجیب وغریب تو نہیں تھا لیکن یہ جب واردات کی صورت میں تھانے آیا تو دلچسپ اور عجیب ڈرامہ سامنے آگیا۔ میں اس کو اس واسطے عجیب و غریب نہیں سمجھتا تھا کہ یہ ایک جعلی پیر کی واردات تھی۔ ہمارے ملک کی آبادی پر جتنا گہرا اثر پیروں، شاہ صاحبوں اور عاملوں کا ہے اتنا اپنے مذہب کا بھی نہیں۔ لوگوں کی اس کمزوری سے نوسربازی اور دھوکہ دہی کے ماہر مجرم اکثر فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ میں تو اُن پیروں کو بھی جعلی کہا کرتا ہوں جو باپ دادا کی گدّیوں پر بیٹھے لوگوں کے دیوتا بنے ہوئے ہیں۔

یہ واردات اس طرح ہوئی تھی۔ جنگِ عظیم دوم کا زمانہ تھا۔ فوجیوں کی بہت قدر تھی۔ زیادہ فوج پنجاب اور صوبہ سرحد کی تھی، اس واسطے ان دونوں صوبوں کو انگریز بادشاہ بہت پسند کرتا تھا اور پیر مُرشد بھی انہی دو صوبوں کو پسند کرتے تھے۔ واردات کا علاقہ پنجاب کا تھا۔ میں گاؤں قصبے کے ہی نام اور لوگوں کے نام صحیح نہیں لکھوں گا۔ صحیح نام لکھنے سے ان کے خاندانوں کی بدنامی ہوگی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس قسم کی وارداتوں کے شکار صرف یہی خاندان نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اکثر لوگ جاہلیت کی وجہ سے قسمت اور تقدیر پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مجرموں کے ہاتھوں خراب ہوتے ہیں۔

میں دیہاتی علاقے کے ایک تھانے کا انچارج تھا۔ اس کو فوجی علاقہ کہتے تھے۔ اب بھی فوج میں اسی علاقے کی نفری زیادہ ہے۔ ایک روز پانچ آدمی جو دیہاتی تھے، تھانے میں آئے۔ ان میں ایک آدمی بڑا معزز لگتا تھا۔ اُس کی عمر پنتالیس سال یا

اس سے سال دو سال اُوپر نیچے ہوگی۔ اُس نے بتایا کہ وہ کیپٹن ہے اور پندرہ دنوں کی چھٹی پر آیا ہُوا ہے۔ اُس نے اپنا تعارف اس طرح رُعب سے کرایا جس طرح فوجی افسر اپنے ماتحتوں کو کوئی حکم سنایا کرتے ہیں۔

فوج کے عہدوں وغیرہ سے واقفیت رکھنے والے حضرات شاید اس بات کو عجیب سمجھتے ہوں گے کہ یہ شخص پنتالیس سال کی عمر میں کیپٹن ہی تھا۔ کیپٹن تو بالکل جوان ہُوا کرتے ہیں۔ جنگِ عظیم میں ایسا ہُوا تھا کہ افسروں کی کمی تھی۔ اس کمی کو اس طرح پورا کیا گیا تھا کہ بعض پڑھے لکھے صُوبیداروں کو کپتانی کا عہدہ دے دیا گیا تھا۔ اِس طرح وہ وائسرائے کمشنڈ آفیسرز سے کنگ کمشنڈ آفیسرز بن گئے تھے۔ یہ کیپٹن صوبیداری سے کیپٹن بنا تھا۔

اُس نے مجھ کو بتایا کہ وہ پندرہ دنوں کی چھٹی آیا تو اُس کو بتایا گیا کہ اُس کے چھوٹے بھائی کے گھر ایک نوسرباز پیروں کے بھیس میں آیا اور اُس کے بھائی نے اُس کو اپنے گھر ٹھہرایا۔ اس جعلی پیر نے کیپٹن کے بھائی کو کہا کہ اُس کے گھر میں قدیم زمانے کا خزانہ دفن ہے۔ اس کو نکالنے کے واسطے پیر کو تین راتیں چلّہ کرنا پڑے گا۔ گھر والے بہت خوش ہوئے۔ پیر نے چند راتیں چلّہ کیا اور ایک رات ایک کوٹھڑی کے فرش میں گڑھا کھودنے لگا۔ ایک بار کدال دھات کی کسی چیز پر لگی۔ یہ چمکتی ہوئی کوئی چیز تھی۔ پیر نے گھر والوں کو کہا کہ ابھی اس سے آگے کھدائی نہیں ہوگی۔ دو دنوں بعد ہوگی۔

گھر والے اتنے زیادہ خوش کبھی نہیں ہُوئے تھے۔ پیر نے پہلے کی طرح سب کو باہر نکال دیا اور کہا کہ دو راتیں اور چلّہ ہوگا۔ اگلی صبح گھر والوں نے دیکھا کہ پیر غائب ہے۔ کیپٹن کے بھائی نے کہا کہ پیر صاحب خزانے کی نشاندہی کر گئے ہیں۔ دو دنوں بعد خزانہ خود ہی نکال لیں گے۔ دو دن گزر گئے تو کیپٹن کے بھائی نے پیر کے کھودے ہُوئے گڑھے کو کدال سے ذرا کھُلا کیا۔ اس میں سے ایک تھال نکلا۔ اس کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ کیپٹن کے بھائی نے گڑھا اور زیادہ گہرا اور کھُلا کر دیا مگر مٹی کے سوا کچھ بھی نہ نکلا۔

کیپٹن کی بھابی نے تھال کو اچھی طرح دیکھا تو کہنے لگی کہ یہ تھال تو اُن کا اپنا ہے۔

کیپٹن نے مجھ کو بتایا کہ اس نوسرباز نے اُس کے بھائی سے پانچ سو روپیہ نقد لیا تھا۔ وہ جتنے دن اس گھر میں ٹھہرا، کسی نہ کسی بہانے گھر والوں سے پیسے وصول کرتا رہا۔ اُس نے گاؤں کے دو اور گھروں سے بھی پیسے بٹورے اور غائب ہوگیا۔

"میں اُسی دن گاؤں میں پہنچا" ــــ کیپٹن نے کہا ــــ "میرے بھائی نے مجھ کو شرمساری سے بتایا کہ اُس کے ساتھ یہ دھوکہ ہُوا ہے۔ دوسرے ہی دن ایک آدمی جو کسی دوسرے گاؤں کا تھا، ہمارے گاؤں میں سے گزرتے ہُوئے پانی اور حُقّہ پینے کے واسطے ذرا دیر رک گیا۔ اُس نے بتایا کہ کہیں سے ایک پیر اُن کے گاؤں میں آیا تھا۔ وہ کرامات والا کوئی وَلی ہے۔ غیب کی خبریں دیتا ہے ..... اس آدمی نے اس پیر کی کچھ کرامات بیان کیں ....

"میں نے اس شخص سے پیر کا حُلیہ پوچھا۔ میرے گاؤں والوں نے کہا کہ یہ حُلیہ اُسی کا ہے۔ وہ اب اس شخص کے گاؤں سے آگے چلا گیا تھا۔ میں گھوڑی پر سوار ہُوا اور اس شخص کے گاؤں چلا گیا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ پیر اگلے گاؤں چلا گیا ہے۔ میں نے بڑا لمبا سفر طے کیا۔ میرا بھائی اور گاؤں کے تین آدمی میرے ساتھ تھے۔ اگلے روز ہم ایک گاؤں میں گئے تو معلوم ہُوا کہ پیر صاحب اسی گاؤں میں ہیں اور اس وقت گاؤں سے تین چار کھیت پرے ایک کنوئیں پر ہیں جو نیا نیا کھودا گیا ہے لیکن پانی نہیں نکلتا....

"میں کنوئیں پر چلا گیا۔ وہاں گاؤں کے لوگ جمع تھے۔ اُن سے پوچھا کہ پیر صاحب کہاں ہیں۔ دو تین آدمیوں نے مجھ کو جھوم جھوم کر سنایا کہ یہ پیر تو خُدا نے آسمان سے اُتارا ہے۔ کنوئیں کی کھدائی سولہ گز سے زیادہ ہوگئی ہے لیکن پانی کی ایک بوند نہیں نکلی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے علاقے میں دس گیارہ گز تک کھُدائی کرو تو پانی نکل آتا ہے لیکن زمین کا وہ ٹکڑا ایسا ہوگا کہ سولہ گز تک پانی نہ نکلا ....

"یہ پیر پہنچ گیا۔ گاؤں والوں نے اُس کو بتایا اور عرض کی کہ یا سرکار کنواں پانی نہیں دیتا۔ پیر کنوئیں پر گیا۔ نیچے دیکھا پھر آسمان کی طرف دیکھا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ اُس کو کنوئیں میں اُتارا جائے۔ اُس کو کنوئیں میں اُتارا گیا۔ نیچے جا کر اُس نے منہ اُوپر کر کے کہا کہ سب آدمی کنوئیں سے سات قدم گن کر ہٹ جائیں۔ لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ دس پندرہ منٹوں بعد کنوئیں میں سے پیر کی آواز آئی کہ آگے آؤ اور دیکھو۔ لوگوں نے آگے جا کر کنوئیں میں دیکھا"

اس کیپٹن کے بیان کو روک کر میں آپ کو ایک دو باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تو آپ کو پتہ چل گیا ہے کہ اُس علاقے میں کنواں کھودو تو دس گیارہ گز پر پانی نکل آتا تھا لیکن

سولہ گز تک پانی نہ نکلا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کنوئیں کی کھدائی جب اُس حد تک پہنچتی ہے جہاں پانی نکلنا شروع ہوتا ہے تو پانی یکلخت نہیں نکل آتا۔ کسی ایک جگہ سے جو زیادہ سے زیادہ ایک فٹ اور اس سے بھی کم جگہ سے ذرا سا پانی ظاہر ہوتا ہے۔ کھدائی کرنے والے دو تین آدمی جو نیچے ہوتے ہیں کھدائی روک لیتے ہیں اور مبارک مبارک کے نعرے لگاتے ہیں۔ اُوپر سے دیکھو تو یہ ذرا سا پانی اوپر کی روشنی سے چمکتا نظر آتا ہے۔ کنواں کھدوانے والے مزدوروں کو انعام کے طور پر کنوئیں میں پیسے پھینکتے ہیں۔ اس کے بعد مزید کھدائی کی جاتی ہے اور پانی کھُل کر نکلتا ہے۔

اُس کی صرف ایک آنکھ تھی

یہ کیپٹن عین اُس وقت وہاں پہنچا جب پیر نے نیچے سے آواز دی تھی کہ پانی نکل آیا ہے۔ لوگوں نے اُوپر سے دیکھا۔ وہ خوشی اور حیرت کے نعرے لگانے لگے۔ کیپٹن نے کنوئیں میں جھک کر دیکھا۔ ذرا سی جگہ میں پانی کی چمک بڑی صاف تھی۔ کنوئیں والے اور دوسرے آدمی اُوپر سے پیسے پھینک رہے تھے۔ یہاں میں کیپٹن کی عقل کی تعریف کروں گا۔ اُس نے لوگوں سے کنوئیں کی بابت کچھ باتوں کا پتہ لگا لیا تھا۔ اُس نے کنوئیں کے مالکوں کو کہا کہ پیر کو باہر نکالو۔

"پیر کو اُوپر کھینچا" —— کیپٹن نے اپنا باقی بیان اس طرح دیا —— "میرے بھائی نے اور میرے ساتھ آئے ہوئے دوسرے آدمیوں نے اُس کو پہچان لیا۔ میں نے لوگوں کو کہا کہ اس شخص کو اِدھر اُدھر نہ ہونے دینا۔ میرے آدمیوں نے اُس کو گھیر لیا۔ میں نے کہا کہ مجھ کو کنوئیں میں اُتارو۔ بیوقوف لوگ پیروں کو پیغمبروں کی طرح مانتے ہیں۔ وہ میرے خلاف بولنے لگے۔ میں نے اُن کے ساتھ کوئی لمبی چوڑی بات چیت نہ کی۔ اُن کو کہا کہ میرے اوپر مہربانی کرو اور مجھ کو کنوئیں میں اُتارو۔ وہ مان گئے....

"جناب عالی! میں رسّے کے ساتھ بندھے ہوئے ڈنڈے پر بیٹھا۔ لوگوں نے رسّہ بڑے آرام آرام سے ڈھیلا کر کے مجھ کو نیچے اتار دیا۔ کنواں سولہ گز سے کچھ زیادہ ہی گہرا تھا۔ میں تہہ تک گیا تو پیشاب کی ... بدبُو آئی۔ میں نے وہ جگہ دیکھی جہاں سے پیر نے پانی

نکالا تھا۔ وہاں سے پانی کو اُمڈنا چاہیئے تھا لیکن میں نے سونگھ کر دیکھا۔ بدبُو نے میرا دماغ خراب کر دیا۔ وہ پانی نہیں پیشاب تھا جس کو زمین جلدی نہیں چُوس سکتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ مٹی گیلی تھی....

"میں نے اوپر آواز دی کہ کنوئیں کا مالک نیچے آئے۔ اُس کو لوگوں نے رسّے سے نیچے اُتارا۔ اُس نے آتے ہی کہا، اِدھر بدبُو کس کی ہے؟ میں نے اُس کو کہا کہ اس پانی کو سُونگھو جو پیر نے نکالا ہے۔ اُس نے گھٹنے ٹیک کر سونگھا تو بڑی زور سے پیچھے جا پڑا۔ میں نے اُس کو کہا کہ یہاں کدال مارو۔ اُس نے کُدال ماری۔ نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ پیر صاحب نے لوگوں کو اپنے پیشاب کی چمک دکھا کر بہت سارے پیسے بنا لیے تھے....

"ہم دونوں اُوپر آئے۔ پیر سب کو ڈرا رہا تھا کہ گاؤں پر قہر نازل ہوگا اور اس کنوئیں سے اب پانی نہیں نکلے گا۔ میری بے ادبی کر دی گئی ہے۔ میں نے اپنے بھائی کی اور ایک اور آدمی کی مدد سے کنوئیں والے رسّے کا سِرا پیر کے ٹخنوں کے ساتھ باندھ کر اس کو کنوئیں میں اُلٹا لٹکا دیا۔ وہ بددعائیں دیتا رہا۔ لوگوں کو جب اس کی نوسربازی کا پتہ لگا تو انہوں نے اُس کو مٹی کے ڈھیلے مارنے شروع کر دیئے، جس طرح کسی کو سنگسار کیا جاتا ہے....

"پیر صاحب نے چیخنا چلاّنا شروع کر دیا۔ میں نے لوگوں کو ڈھیلے مارنے سے روک دیا اور پیر کو کھول کر اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس سے پوچھا وہ کون ہے؟ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مجھ سے سارے پیسے لے لو اور چھوڑ دو۔ میرا بھائی اُس کو قتل کرنے لگا تھا۔ میں نے کہا کہ اس کو پولیس کے حوالے کریں گے۔ اُس وقت مجھ کو لوگوں نے بتایا کہ اس کے ساتھ دو اور آدمی ہیں۔ سب نے ان دو آدمیوں کو اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ وہاں سے کھسک گئے تھے....

"ہم اس جعلی پیر کو اپنے گاؤں میں لے آئے۔ رات ہو گئی تھی۔ میں نے کہا کہ اس کو صبح تھانے لے جائیں گے۔ تھانہ چار میل دُور ہے۔ میں نے اُس کو بھائی کے گھر اُسی کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں اُس نے کہا تھا کہ خزانہ ہے۔ صبح اُٹھے تو وہ غائب تھا۔ اس کوٹھڑی کا ایک اور دروازہ ہے۔ اُس کو بند کرنے کا خیال نہیں رہا تھا۔ وہ دروازہ اندر کی طرف ہے۔ اس میں سے دوسرے کمرے میں جا سکتے ہیں۔ اُس کمرے کا ایک

دریچہ ہے جو کھلا ہُوا تھا۔ نوسرباز پیر اُدھر سے نکلا ہوگا۔"

میرے پوچھنے پر اس پیر کا حُلیہ یہ بتایا گیا۔ قد چھ فٹ سے ایک دو انچ اوپر ہوگا کم نہیں تھا۔ عمر تیس بتیس سال۔ رنگ گندمی اور ذرا گورا۔ کیپٹن کہتا تھا —— "بہت اچھی صحت والا بہت اچھا رنگ" —— چہرہ گول نقش دل کو اچھے لگنے والے۔ آنکھیں مستانی جن میں کوئی خاص اثر تھا۔ گھنی سیاہ داڑھی جو لمبی نہیں تھی، اچھی طرح تراشی ہوئی تھی۔ سر کے بال سیاہ اور اتنے لمبے کہ کندھوں پر پڑتے تھے۔ اس طرح کے لمبے بالوں کو زُلفیں کہا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں لال ٹوپی پھُندنے والی شہروں میں پہنی جاتی تھی جسے ترکی ٹوپی یا رُومی ٹوپی کہا جاتا تھا۔ اس شخص کے سر پر یہ ٹوپی تھی جس پر اُس نے ململ کی پگڑی باندھی ہُوئی تھی جس طرح کُلّے پر باندھی جاتی ہے۔ اُس کے کپڑے لٹھے کے تھے۔ شلوار اور قمیض۔ زری دیسی جوتی اور گہرے سبز رنگ کا چُغہ۔

نوسرباز پیر کی جس کو اب میں ملزم کہوں گا، ایک بڑی صاف نشانی یہ بتائی گئی کہ اُس کی صرف ایک آنکھ تھی، یعنی دوسری آنکھ خراب تھی یا اس کا ڈھیلا نہیں تھا۔ یہ بائیں آنکھ تھی۔ اس پر اُس نے بیضوی شکل کا کپڑا ڈالا ہُوا تھا۔ کپڑا اتنا ہی لمبا چوڑا تھا جس سے صرف آنکھ ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ڈوری سلی ہوئی تھی جو ملزم کے ماتھے سے ہو کر سر کے پیچھے چلی جاتی تھی۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ اس چیز کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اگر نہیں سمجھے تو آپ کو بتاتا ہوں۔ اسرائیل کا مشہور جرنیل جو بعد میں اسرائیل کا وزیرِ دفاع بنا تھا، اب مر گیا ہے، موشے دایان۔ اُس کی ایک آنکھ نہیں تھی اور وہ اس خراب آنکھ پر اس طرح کا کپڑا باندھ کر رکھتا تھا۔

میں خوش ہُوا کہ ملزم کی یہ نشانی ایسی ہے جس کو وہ چھپا نہیں سکتا تھا۔ وہ اگر کپڑا اتار دیتا تو اپنی خراب آنکھ کو کس طرح چھپاتا۔ اُس کے ساتھ جو آدمی تھے، اُن کی داڑھیاں لمبی تھیں۔ ایک ادھیڑ عمر اور دوسرا جوان بتایا گیا۔

بڑی خوفناک جنگ تھی

اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو میں شاید یہ کیس نہ لیتا۔ ان لوگوں کو صاف ٹرخا دیتا۔ اُن کو

میں کہتا کہ تم لوگ جان بوجھ کر بیوقوف بنتے ہو اور بہروپیوں کی میٹھی میٹھی باتوں میں آکر اپنے پیسے بھی اور اپنی عزت بھی گنواتے ہو۔ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک آنکھ والا یہ ملزم ان لوگوں کی عزت کے ساتھ بھی کھیل گیا ہوگا۔ میں ان لوگوں کو شرمندہ کر کے چلتا کر دیتا لیکن رپورٹ دینے والا فوجی تھا۔ اگر وہ کیپٹن نہ ہوتا، کوئی ادنیٰ درجے کا فوجی ہوتا تو بھی میں اُس کو نہ ٹرخاتا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ اُس وقت مارشل لاء لگا ہُوا تھا اور ہم لوگ فوجیوں سے ڈرتے تھے۔ ایسی بات نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ جنگِ عظیم لگی ہُوئی تھی اس واسطے انگریز بادشاہ فوجیوں کی بہت قدر کرتا تھا، ہم کو فوجیوں کی بابت حکم تحریری آیا تھا کہ تمہارے پاس کوئی فوجی کسی بھی قسم کی شکایت لے کر آئے تو اس کی شکایت فوراً رفع کرو۔ تمام ضلعوں کے ڈپٹی کمشنروں کو یہ حکم ملا تھا جس کو انہوں نے تمام تھانوں اور تحصیلوں میں بھیجا تھا۔

ایک تو یہ وجہ تھی کہ میں ایک فوجی کو کورا جواب نہیں دے سکتا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ نوسربازی کی واردات بہرحال ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے علاقے کے جرائم پیشہ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ میں ان کی رسّی ڈھیلی کر دیتا تو وہ میرے واسطے کوئی بڑی مصیبت کھڑی کر سکتے تھے۔ یہ ملزم میرے اپنے علاقے کے ہو سکتے تھے اور کسی دوسرے علاقے کے بھی۔ مجھ کو یہ تو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ان ملزموں کو میں نہیں پکڑ سکوں گا۔ وہ بھاگ گئے تھے۔ اگر وہ دوسرے علاقے سے آئے تھے تو اُن کو پکڑنا ناممکن تھا۔ یہ میں اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ وہ بیوقوف نہیں تھے کہ اُسی بھیس میں پھرتے رہتے جس بھیس میں اُنہوں نے نوسربازی کی وارداتیں کی تھیں۔ ان کا سراغ لگانا بہت ہی مشکل کام تھا۔

یہ میں نے آپ کو اپنی مُشکلیں بتائی ہیں۔ میں نے تفتیش پوری کرنی تھی۔ مجھ کو ایک روشنی نظر آتی تھی —— وہ یہ تھی کہ ملزم اگر کسی دوسرے علاقے کے تھے تو اُن کو میرے علاقے کے پیشہ ور مجرموں کا تعاون ضرور حاصل تھا۔ جرائم پیشہ لوگ اپنے اوپر یہ اخلاقی پابندی لگا کر رکھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے علاقے میں جا کر واردات نہیں کرتے۔

میں نے کیپٹن کی رپورٹ پر ایف۔ آئی۔ آر تحریر کی اور اُس کے ساتھ اُس کے گاؤں چلا گیا جو تھانے والے گاؤں سے چار میل سے ایک دو فرلانگ زیادہ تھا۔ میرے ساتھ ضرورت کے مطابق اپنا سٹاف تھا۔

میں آپ کو دلچسپی والی بات سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے پہلے بتایا ہے کہ یہ علاقہ فوجی تھا۔ جنگِ عظیم کے عرصے میں ایسے ہُوا کہ جو لوگ فوج کو پسند نہیں کرتے تھے، اُن کے بیٹے وغیرہ بھی بھرتی ہو گئے تھے۔ دیہات میں شائد ہی کوئی ایسا گھر ہو گا جس کے ایک دو جوان فوج میں نہیں ہوں گے۔ وہ بڑی خوفناک جنگ تھی۔ ساری دنیا اس کی لپیٹ میں آئی ہوئی تھی۔ زیادہ تر فوجی سمندر پار کے محاذوں پر لڑ رہے تھے بلکہ زخمی ہو رہے تھے یا مر رہے تھے۔ ادھر برما فرنٹ پر بڑی تباہ کن لڑائی ہو رہی تھی دیہاتی علاقے کے ہر اُس گھر پر جس کے جوان کسی نہ کسی فرنٹ پر لڑ رہے تھے، خوف اور اُداسی چھائی رہتی تھی۔ کسی نہ کسی گھر میں سرکاری چٹھی آتی تھی کہ تمہارا بیٹا جنگی قیدی ہو گیا ہے یا مارا گیا ہے یا لاپتہ ہے۔

ایسے حالات میں پیروں اور شاہوں کی منڈی خوب چمک اٹھی۔ فوجیوں کی مائیں، بہنیں اور باپ، بیویاں، ساسیں اور سُسر پیروں کے آگے سجدے کرتے رہتے تھے۔ ہر ایک کی مراد یہی ایک تھی ——— "ہمارا بیٹا زندہ اور سلامت رہے" ——— پیر اور شاہ اُن کو تعویذ لکھ دیتے تھے۔ اُن کے تعویذ سمندر پار بھی جاتے تھے۔ کوئی چھٹی آتا تھا تو اُس کو ماں باپ سب سے پہلے پیر صاحب کے دربار میں سلام کے واسطے لے جاتے تھے۔ پیروں کے گھروں پر یہ لوگ چڑھاوے چڑھاتے اور نقد نذرانے پیش کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان پیروں اور شاہوں کو جو عورت پسند آتی تھی، اُس سے وہ ہر طرح کا نذرانہ وصول کر لیتے تھے۔

یہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ جرمنوں اور جاپانیوں کی گولیوں اور گولوں میں تعویذوں کے مقابلے میں زیادہ اثر ہے اور ہر روز کسی نہ کسی گھر میں سرکاری چٹھی آتی ہے کہ تمہارا بیٹا مارا گیا ہے، پھر بھی پیروں کے قدموں میں ماتھے رگڑنے والوں میں کمی نہیں آتی تھی۔

لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر ایک نیا جرم شروع ہو گیا۔ یہ مجرم جعلی پیر یا پہنچ والی سرکار بن کر دیہاتی علاقے میں جاتے تھے۔ ان کا جاسوسی اور مُخبری کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ان مجرموں کے آدمی کسی گاؤں میں جا کر گپ شپ لگاتے تین چار گھرانوں کی بابت معلوم کر لیتے تھے کہ فلاں گھر کے اتنے جوان فلاں فلاں فرنٹ پر ہیں۔ جعلی پیر

آتا اور ان میں سے کسی گھر میں ڈیرہ ڈال دیتا۔ ان میں سے کسی کی ماں یا باپ سلام کے لئے آتا تو پیر اُس کے بتانے سے پہلے ہی کہہ دیتا ——— "تیرا بیٹا برما فرنٹ پر بڑے خطرے میں ہے" ——— پھر وہ ماں باپ کو بتاتا کہ انہیں کیا کرنا چاہئیے۔ اس طرح وہ بہت سے پیسے بٹور لیتا تھا۔ لوگ جو انہیں مرغن کھانے کھلاتے تھے وہ الگ تھے۔

اگر میں آپ کو اِن نوسربازوں کی وارداتیں سنانی شروع کر دوں تو اصل کہانی رہ جائے گی۔ ان مجرموں کے واردات کے طریقے بہت دلچسپ ہوتے تھے لیکن کبھی کوئی رپورٹ تھانے میں نہیں آئی تھی۔ یہ ایک رپورٹ آئی جس کی مجھ کو تفتیش کرنی پڑی۔ اس کو آپ پڑھیں گے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نوسربازی کی وارداتیں کس طرح ہوتی تھیں۔

دریچہ چھوٹا ملزم بڑا

میں کیپٹن کے گاؤں گیا اور اُس کو کہا کہ مجھ کو اپنے بھائی کے گھر لے چلے۔ وہ مجھ کو وہاں لے گیا۔ یہ اونچی ذات کے لوگ تھے۔ زمین جائیداد والے تھے۔ یہ باپ دادا کے وقتوں کا فوجی تھا۔ اس کو انگریز سرکار نے نہری علاقے میں بھی بہت زمین دی ہُوئی تھی جس کو مربعے کہتے ہیں۔ کیپٹن کے بھائی کا گھر پکّا تھا۔ یہ امیری یا خوشحالی کی نشانی تھی۔ مجھ کو اُس کوٹھڑی میں لے گئے جہاں ملزم نے کہا تھا کہ اس کے فرش میں خزانہ دفن ہے۔

میں نے وہ جگہ دیکھی۔ دو فٹ سے زیادہ چوڑی اور اتنی ہی گہری جگہ کھُدی ہُوئی تھی۔ پاس دو چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک کدال اور ایک تھال جو ڈیڑھ فٹ قطر کا تھا اس پر کدال کی ضرب لگی ہُوئی تھی۔ اس کوٹھڑی میں فالتو چارپائیاں، پرانے ٹرنک اور سامان دیواروں کے ساتھ رکھا ہُوا تھا۔

کوٹھڑی کا ایک دروازہ اور بھی تھا جو دوسرے کمرے میں کھُلتا تھا۔ میں اس دروازے سے کمرے میں گیا۔ اس میں پلنگ اور اچھی قسم کی چارپائیاں بچھی

ہوئی تھیں۔ مجھے وہ دریچہ دکھایا گیا جس میں سے ملزم نکل کر غائب ہو گیا تھا۔
یہ دریچہ ایک کواڑ کی کھڑکی جیسا تھا لیکن یہ عام کھڑکیوں سے بہت چھوٹا تھا۔
اس کی چوڑائی دو فٹ تھی اور لمبائی اڑھائی فٹ۔ اس کے کواڑ کے درمیان ایک چٹخنی تھی جو
دائیں طرف دیوار میں بنائے ہوئے سوراخ میں بند ہوتی تھی۔ دریچے کی چوکھٹ لکڑی
کی تھی۔ اس کی چوڑائی تین انچ سے ذرا کم تھی۔ دیوار کی چوڑائی تیرہ انچ تھی۔

میں نے چوکھٹ اور دیوار کو اچھی طرح دیکھا۔ وہاں گرد کی تہہ لگی ہوئی تھی۔
دریچہ فرش سے پانچ فٹ اونچا تھا۔ اگر اس دریچے میں سے کوئی گزر کر گیا تھا تو دیوار
کے ساتھ اگر رگڑ کا نشان نہیں لگا تھا تو دریچے میں جو گرد تھی اُس پر تو نشان ہونا
چاہئیے تھا ـــــ غور کریں دریچہ صرف دو فٹ چوڑا تھا۔ مجھ کو ملزم کا جو جسم
بتایا گیا تھا وہ جسم دو فٹ چوڑائی سے نہیں گزر سکتا تھا۔ ایسا ہو سکتا تھا کہ وہ ٹیڑھا یعنی
پہلو کے بل ہو کر گزرا ہو۔ دریچے کی لمبائی اڑھائی فٹ تھی۔ اگر وہ ایسے ہی گزرا تھا تو
تیرہ انچ چوڑی دیوار اور دریچے سے گرد بالکل صاف ہو جانی چاہئیے تھی لیکن گرد موجود
تھی۔ صاف پتہ لگ رہا تھا کہ اس میں سے کوئی نہیں گزرا۔

میں نے گھر والوں کو نہ بتایا کہ اس دریچے سے ملزم نہیں نکلا۔ دریچے کے
اُس طرف ایک اور صحن تھا۔ وہاں مویشیوں کا کمرہ تھا۔ ایک کنواں تھا اور صحن میں مویشیوں
کی کھرلیاں تھیں۔ تین چار درخت بھی تھے۔ میں نے اُس طرف جا کر دیکھا۔ دریچے کے
نیچے زمین کچی تھی۔ وہاں دھول بھی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ دھول پر مجھ کو ایسا
کوئی نشان نظر نہ آیا جس سے پتہ چلتا کہ دریچے میں سے کوئی ادھر اُترا ہے۔

"کپتان صاحب!" ـــــ میں نے پوچھا ـــــ "کیا آپ کو یقین ہے کہ ملزم
اس دریچے سے نکلا ہے؟"

"پورا یقین ہے جی!" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "کوٹھڑی اور کمرے
کے درمیان والا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ ملزم اُس میں سے اس کمرے میں آیا۔
اُسے یہ دریچہ نظر آ گیا۔ اس میں سے وہ مویشیوں والے صحن میں آیا اور بڑے
دروازے سے نکل گیا۔ اور تو کوئی راستہ ہی نہیں۔"

میں مکان کے اُس طرف چلا گیا جدھر اصل اور صاف ستھرا صحن تھا۔ میں

نے کمرے بھی دیکھے اور یہ بھی معلوم کیا کہ گھر والے رات کو کہاں سوتے ہیں۔ وہ
برآمدے میں سوتے تھے۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ ملزم کدھر سے نکلا ہو گا۔ آپ سوچتے
ہوں گے کہ میں ملزم کے فرار کا راستہ کیوں دیکھ رہا تھا۔ وہ جدھر سے بھی نکلا نکل گیا
تھا۔ بات یہ تھی کہ مجھ کو پکا شک ہو گیا تھا کہ ملزم خود نہیں نکلا بلکہ اُس کو نکالا گیا
ہے۔ وہ دریچے کے راستے نہیں گیا تھا۔ اگر میرا شک ٹھیک تھا تو اُس کو نکالنے والا
کوئی نوکر ہو سکتا تھا یا گھر کا کوئی فرد۔

میں نے گھر کی عورتوں کو دیکھا۔ ایک کیپٹن کی ماں تھی جو بہت بوڑھی تھی۔ وہ
اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس یعنی اسی گھر میں رہتی تھی۔ دوسری عورت کیپٹن کی بہن
تھی۔ عمر تیس سال سے اوپر تھی۔ اُس کا ایک بچہ تھا جس کی عمر دو اڑھائی سال تھی۔ اپنے
خاوند کے ساتھ اُس کا جھگڑا تھا اور وہ عرصہ ایک سال سے گھر بیٹھی تھی۔ اچھی شکل
اور لمبوترے قد کی کشش والی عورت تھی۔ تیسری عورت کیپٹن کے بھائی کی بیوی
تھی۔ عمر ستائیس اٹھائیس سال ہو گی۔ یہ اپنے خاوند کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی۔

میں نے تفتیش کیپٹن کے بھائی کے بیان سے شروع کی۔ تھانے
میں یہ لوگ مجھ کو واردات کی تفصیل سنا چکے تھے۔ میں نے اس میں
سے ایف۔ آئی۔ آر کے مطلب کی باتیں نوٹ کر لی تھیں۔ اب پورا بیان
لینا تھا۔

شاہ سلیمان کا خزانہ

"بہت دنوں سے گاؤں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ اللہ کا ایک بڑا پیارا بندہ
اِدھر سے گزر رہا ہے" ـــــ کیپٹن کے بھائی نے کہا ـــــ "کوئی کہتا تھا کہ
وہ پیدل حج کو جا رہا ہے اور راستے میں جو کوئی آگے اپنے دل کی مراد رکھتا ہے، اُس
مراد کو وہ پورا کر دیتا ہے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اُس کو اللہ کے دربار سے حکم ملا ہے
کہ نگر نگر اور بستی بستی پھرو اور لوگوں کے من کی مرادیں پوری کرو۔ یہ بھی سنا کہ اس کو
کچھ بھی نہ بتاؤ تو بھی وہ دل کا بھید پا لیتا ہے۔ لوگ اُس کی کرامات سناتے تھے تو
رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔"

میں اپنی تھوڑی سی رائے دوں گا۔ میں بہت پرانی بات سنا رہا ہوں لیکن لوگوں میں یہ عادت آج ترقی یافتہ دَور میں بھی پہلے کی طرح موجود ہے کہ کسی ڈاکٹر یا حکیم سے یا کسی پیر فقیر سے متاثر ہو جائیں تو اُس کی کرامات میں جھوٹ شامل کرکے اُس کو پیغمبروں سے بھی اونچا لے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ اس طرح معجزے سناتے ہیں ـــــ "میرے سامنے ایک آدمی کو چارپائی پر ڈال کر لائے۔ لوگ کہتے تھے یہ تو مر چکا ہے۔ اُس کی سانس ختم ہو چکی تھی۔ شاہ جی نے اُس کے سر سے پیر تک پھونک ماری اور وہ آدمی اُٹھ کھڑا ہُوا اور چھلانگیں لگاتا اپنے گھر چلا گیا" ـــــ یہ بات لوگوں میں پھیلتے پھیلتے اس طرح بن جاتی ہے ـــــ "اُس کا جنازہ اٹھانے لگے تھے کہ شاہ صاحب اِدھر آنکلے۔ اُنہوں نے میّت کا منہ دیکھ کر کہا کہ اسے کہاں لے چلے ہو۔ اس کی تو ابھی بڑی لمبی عمر لکھی ہے۔ شاہ صاحب نے میّت کی آنکھوں میں پھونک ماری اور میّت نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے خود اُس آدمی کو دیکھا ہے۔"

لوگ مبالغہ آرائی کرکے دراصل اپنے آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ انہوں نے جس آدمی کو پیر مان لیا ہے وہ واقعی پہنچ والا ہے۔ وہ اپنی تائید خود کیا کرتے ہیں۔

یہی حال کیپٹن کے بھائی کا تھا۔ اُس نے اپنے طویل بیان میں جو کچھ کہا وہ مختصراً یہ تھا کہ ایک تو اُس کی بہن گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ خاوند اُسے بساتا نہیں تھا۔ کیپٹن کے بھائی کی دوسری مراد یہ تھی کہ اُس کی شادی ہُوئے سات آٹھ سال گزر گئے تھے اور ایک بھی بچہ پیدا نہیں ہُوا تھا۔ اُس کے دل میں پہلے ہی یہ ارادہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اِس پیر کے پاس جائے گا اور اسے کہے گا کہ اُس کی بہن کو اُس کا خاوند لے جائے اور دوسری مراد ایک بچّے کی تھی۔

اتنے میں پیر اُس کے گاؤں میں آگیا۔ وہ ایک اور گھر میں ٹھہرا۔ وہاں مُرغ حلوے اور دودھ سے اُس کی خاطر تواضع کی گئی۔ ایک عورت اُس کے سلام کے لیے گئی۔ اُس عورت کے دو بیٹے جنگ میں گئے ہوئے تھے۔ ملزم نے اُسے دیکھتے ہی کہا ـــــ "تیرے دونوں بیٹے بالکل ٹھیک ہیں۔ غم نہ کر مائی۔ اُن کا صدقہ دے دے۔ وہ جو بڑا فرنٹ پر ہے وہ ذرا خطرے میں آگیا تھا۔ اب خطرہ ٹل گیا ہے۔ میں تمہیں تعویذ دُوں گا۔ اپنے باہر والے دروازے کے

ساتھ باندھ دینا۔"

لوگ جو وہاں موجود تھے، حیران ہوئے کہ پیر صاحب نے خود ہی دل کی مراد سمجھ لی ہے۔ اُس کے پاس تین اور فوجیوں کی مائیں گئیں۔ پیر نے ہر ایک کو بالکل ٹھیک بتایا کہ اُس کا بیٹا یا بیٹے کون کون سے فرنٹ پر ہیں۔ ہر ماں نے اُسے نقد نذرانہ دیا۔ اس ملزم کے ساتھ دو اور آدمی تھے۔ ملزم جس گھر میں ٹھہرتا تھا، وہاں وہ ایک کمرے میں اکیلا مراقبے کی حالت میں بیٹھ جاتا تھا۔ اُس کے یہ دونوں آدمی ساتھ والے کمرے میں بیٹھتے تھے۔ ملزم کے سلام کو جو آتا، اس سے وہ پوچھتے تھے کہ صرف سلام کرنا ہے یا کوئی مراد ہے۔ اگر کوئی مراد ہوتی تو وہ اُس سے مراد پوچھتے تھے، پھر اُس کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ انہوں نے کوئی اشارے مقرر کئے ہوئے تھے۔ ملزم کو پہلے ہی اِن اشاروں سے پتہ لگ جاتا تھا کہ اب جو سائل آ رہا ہے اُس کی مراد کیا ہے۔ سائل کو دیکھتے ہی ملزم اُس کے دل کی مراد بتا دیتا تھا۔

کیپٹن کے بھائی نے ملزم کی یہ کرامات دیکھی تو اُس کو اپنے گھر لے آیا۔ ملزم وہاں بڑے کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ اس گھرانے کی بابت اُس کو شاید قبل از وقت کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ کیپٹن کے بھائی نے اپنی دونوں مرادیں ملزم کو بتائیں۔ کیپٹن کے بھائی کا نام جو کچھ بھی تھا، اُس کو میں عدالت کہوں گا۔ ایک مراد یہ تھی کہ اُس کی شادی شدہ بہن آباد ہو جائے اور دوسری مراد اپنی اولاد کی تھی جو اُس کو خدا نے نہیں دی تھی۔

ملزم نے شاید یہ دیکھ کر کہ اس گھر میں پیسہ ہے، لمبا ہاتھ مارنے کی ترکیب سوچ لی۔

"تم نے بہت تھوڑا مانگا ہے" ـــــ ملزم نے مخمور سے لہجے میں کہا ـــــ "یہاں تو شاہ سلیمان کا خزانہ دفن ہے اور تم اُس کے اوپر چل پھر رہے ہو.... اولاد کیوں نہیں ہو گی؟ ضرور ہو گی.... اور تم اپنی بہن کا روگ دل سے اُتار دو۔ اِس چاند کی سولہویں کے ساتھ اس کا خاوند آئے گا اور اِس کو ساتھ لے جائے گا۔ اُس نے گردن اکڑائی ہوئی ہے لیکن اندر سے وہ پشیمان ہے۔ آج رات اپنی بہن

اور بیوی کو میرے پاس بٹھا دینا لیکن اُن کے جسم پاک ہوں اور دونوں باوضو ہوں۔ کپڑے بھی پاک ہوں۔"

"آپ نے شاہ سلیمان کے خزانے کی کیا بات کی ہے سرکار؟"۔۔۔ عدالت نے پوچھا۔

"بہت پرانا خزانہ ہے"۔۔۔ ملزم نے جواب دیا۔۔۔"صدیاں گذر گئی ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ خزانہ ہے کہاں۔ پرانے دفن کئے ہوئے خزانے زمین کے اندر چلتے رہتے ہیں۔ ان پر جنات کا یا کالے ناگ کا پہرہ ضرور ہوتا ہے۔ اگر اس خزانے پر جو اِس حویلی میں کہیں دفن ہے۔ یہ پہرہ ہُوا تو ہم اسے ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ہمیں اِس گھر کی مٹی نے بتایا ہے کہ اس کے پیٹ میں سونے کی ڈلیاں ہیں۔"

ازار بند سُرخ، دوپٹہ سُرخ، پاؤں سے ننگی

ملزم کوئی نئی بات نہیں کر رہا تھا۔ مدفون خزانہ بڑی پرانی روایت ہے اور اس کی بابت لوگوں نے یہ حکائتیں گھڑی ہوئی ہیں کہ قدیم زمانے کا دفن کیا ہُوا خزانہ زمین کے اندر چلتا رہتا یعنی جگہ بدلتا رہتا ہے اور اِس کا سراغ کوئی پیر یا عامل لگا سکتا ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے خزانے پر ایک سانپ بیٹھا ہُوا ہوتا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ مدفون خزانہ نحس ہوتا ہے یعنی یہ جہاں دفن ہو وہاں نحوست برستی ہے۔

"تم کو خزانے نے خوش کر دیا ہے"۔۔۔ ملزم نے عدالت کو کہا۔۔۔"لیکن تم نہیں جانتے کہ جب تک خزانہ تمہارے گھر کی زمین میں دفن رہے گا، تمہارے گھر سے نحوست نہیں نکلے گی۔ تمہاری بہن اُجڑ کر گھر بیٹھی ہے اور تمہاری بیوی کی گود خالی ہے۔"

"اگر یہ خزانہ نکل آیا تو اسے کہیں اور لے جا کر دفن کر دیں گے؟"۔۔۔ عدالت نے پوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ ملزم نے جواب دیا۔۔۔"باہر آ گیا تو خزانے کی نحوست ختم ہو جائے گی اور یہ تمہارا ہو گا۔"

عدالت تو پرانے زمانے کا اَن پڑھ دیہاتی تھا، آج کے دورِ جدید میں کسی تعلیم یافتہ اور عقل مند شہری کو کوئی بتا دے کہ اُس کے گھر میں کہیں خزانہ دفن ہے تو وہ کدال لے کر اپنے گھر کے سارے فرش کھود ڈالے گا اور پاگلوں جیسی حرکتیں کریگا اور ملزم جیسے کسی نوسر باز کے قدموں میں ماتھا رگڑے گا کہ خزانے کا سراغ لگا دو۔

عدالت، اُس کی بیوی اور اُس کی بہن پہلے ہی ملزم کی کرامات کے رُعب میں آئی ہوئی تھیں۔ ان عورتوں کے کانوں میں خزانے کی آواز پڑی تو وہ ملزم کے "حضور" بیٹھ گئیں۔ ملزم نے کہا کہ اُسے اِس گھر میں چھ سات راتیں چلّہ کرنا پڑے گا۔ اُس نے شرط یہ بتائی کہ رات کو اُس کو کسی نہ کسی چیز کی ضرورت پڑے گی اور وہ منہ سے آواز نہیں نکالے گا۔ وہ تالی بجائے گا۔ اور اندر صرف عورت ذات آئے گی جو باوضو ہو گی اور اُس کے کپڑے پاک ہوں گے۔ اُس نے اپنا کوئی حساب کتاب نکالا اور کہنے لگا کہ اِس گھر میں ت سے جس کا نام شروع ہوتا ہے، وہ چلّہ کشی کے دوران اندر آ سکتی ہے۔

عدالت کی بیوی کا نام تاج بیگم تھا۔ تاج بہت خوش ہوئی کہ اتنے برگزیدہ پیر نے اُس کو اپنی خدمت کے لیے چُنا ہے۔ اُسی رات چلّہ شروع ہو گیا۔ تاج کی چارپائی کمرے کے دروازے کے ساتھ برآمدے میں بچھا دی گئی۔

عدالت سے میں نے پوچھا کہ ملزم تاج کو کتنی بار اندر بلاتا تھا۔ عدالت نے بتایا کہ وہ سو جاتا تھا۔ صبح اُس کو تاج بتاتی تھی کہ رات کو ملزم نے اُس کو دو بار یا تین بار اندر بلایا تھا۔

ملزم نے اعلان کر دیا تھا کہ جب تک چلّہ ختم نہیں ہو جاتا، باہر کا کوئی آدمی نہ کوئی عورت اُس کے پاس سلام کے واسطے یا کسی مراد کے واسطے آئے۔ دن کے وقت اُس کے دونوں آدمی اندر جاتے تھے۔ رات کو ان کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ رات کو صرف

تاج ملزم کے بلاوے پر اندر جاتی تھی۔

یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ملزم اور اُس کے دونوں ساتھیوں کو پُرتکلّف کھانے کھلائے جاتے تھے۔ ملزم تین سیر دودھ روزانہ، گھی میں تلے ہوئے چار پراٹھے اور ایک پوری مرغی بھُنی ہوئی کھایا کرتا تھا۔ اس گھر کے سامنے لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ وہ عدالت کی اور ملزم کے ساتھیوں کی منّتیں کرتے تھے کہ انہیں پیر صاحب کے صرف سلام کے لئے اندر جانے دیا جائے۔ بعض عورتیں اپنے بیمار بچّوں کو اُٹھائے سارا سارا دن وہاں باہر بیٹھی رہتی تھیں۔ تفتیش کے دوران مجھ کو پتہ لگا تھا کہ یہ جو لوگ باہر اکٹھے ہُوئے رہتے تھے، ان میں سب سے زیادہ تعداد ان فوجیوں کی ماؤں بہنوں وغیرہ کی ہوتی تھی جو جنگ میں گئے ہوئے تھے۔

"اُس نے پوری آٹھ راتیں چلّہ کیا" —— عدالت نے اپنے بیان میں کہا —— "سچی بات ہے جی، میں بہت خوش تھا کہ گھر سے خزانہ نکلے گا۔ اُس نے کہا تھا کہ سونے کی ڈلیاں ہیں۔ چلّہ ختم کرکے اُس نے مجھ کو اندر بلایا اور کہنے لگا کہ وہ اس خزانے کو ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ وجہ یہ بتائی کہ شاہ سلیمان کا ایک جن خزانے کے پہرے پر موجود رہتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ چلّے سے اُس کو یہ پتہ لگ گیا ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ خزانہ ساتھ والی کوٹھڑی میں ہے اور اس پر کالا ناگ نہیں ہے۔"

عدالت نے ملزم کی اتنی منت سماجت کی کہ اُس کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ وہ منہ مانگا نذرانہ پیش کرے گا، کسی طرح اِس جن کو یہاں سے ہٹا دیں۔

"جن ہم کو خبردار کرچکا ہے کہ خزانے کے قریب نہ آنا" —— ملزم نے عدالت کو بتایا —— "ہم نے اُس کو راضی کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن وہ سیدھے ہاتھوں راضی نہیں ہوگا۔ ہم اُس کو اندھا کر سکتے ہیں لیکن اس کارروائی میں ہماری اپنی جان کو خطرہ ہے" —— اُس نے دو مرتبہ کہا —— "ہم کر سکتے ہیں۔ ہم کر سکتے ہیں۔"

قصّہ مختصر یہ کہ عدالت اور اُس کی بیوی نے مل کر ملزم کی منّت سماجت کی تو ملزم پانچ سو روپے پر راضی ہوگیا۔ آج آپ کو پانچ سو روپیہ بہت معمولی رقم لگتی ہوگی۔ اُس وقت کے پانچ سو کو آپ آج کا دس ہزار روپیہ سمجھیں۔ عدالت نے پانچ سو روپیہ ملزم کے آگے رکھ دیا۔ ساتھ دو گھوڑا بوسکی کی قمیض اور شلوار کا کپڑا اور ایک زرّی جوتی سُچّے تلّے والی دینے کا وعدہ کیا۔

ملزم نے کہا کہ تین راتوں کی مزید چلّہ کشی ہوگی۔ اس کے لیے اُس نے عدالت سے اسّی روپے لے کر اپنے ایک ساتھی کو دیئے اور کہا کہ اُس کو گھوڑی دو جس پر یہ شہر جائے گا اور کچھ چیزیں لائے گا۔ اُس کا ساتھی اُسی وقت روانہ ہوگیا اور دن کے پچھلے پہر واپس آیا۔ عدالت کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا سامان لایا تھا۔

ملزم نے عدالت کو کہا کہ اُس کی بیوی شام کو غسل کرے اور وہ سُرخ کپڑے پہن کر ملزم کے ساتھ کمرے میں رہے گی۔ لباس بالکل سُرخ ہونا چاہیئے۔ ازاربند بھی سُرخ ہو۔ دوپٹہ بھی سُرخ اور پاؤں سے ننگی ہو۔ اُس کا باوضو ہونا ضروری ہے۔

"یہ پاک عورت مجھ سے پورے سات قدم دُور بیٹھے گی" —— ملزم نے کہا —— "اور اس کے دل میں صرف اللّٰہ کا نام ہوگا۔"

شاہ سلیمان کے دربار میں حاضری

عدالت بیان دے رہا تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ ملزم نے کس طرح ایکٹنگ کی ہوگی۔ نوسربازی اور دھوکہ دہی کے استادوں میں ایکٹنگ اور زبان کا جادو ہی تو ہوتا ہے۔ انسان کو دراصل اپنے لالچ کا جادو مرواتا ہے۔ عدالت نے بڑی خوشی سے اپنی بیوی کو ملزم کے ساتھ بیٹھنے کے لیے کمرے میں داخل کر دیا۔ پھر یوں ہُوا کہ ملزم نے تین راتیں تاج کو اپنے ساتھ رکھ کر چلّہ کیا۔ تاج صبح سورج نکلنے سے پہلے کمرے سے نکلتی تھی۔

چوتھے روز اُس نے کدال مانگی اور سب کو باہر نکال دیا۔ عدالت نے

اپنے بیان میں کہا کہ اندر سے کدال چلنے کی آوازیں آتی رہیں پھر یہ آوازیں بند ہوگئیں تقریباً ایک گھنٹے بعد ملزم نے دروازہ کھولا اور گھر کے سارے افراد کو اندر بلایا۔ ان کو وہ کوٹھڑی میں لے گیا۔ ایک جگہ سے فرش کھودا ہُوا تھا۔ ملزم نے عدالت کو کہا کہ کدال لو اور اس گڑھے کی کھدائی کرو۔

عدالت نے تین بار کدال ماری چوتھی بار کدال ماری تو ایسی آواز آئی جیسے لوہے، ٹین یا تانبے وغیرہ پر ضرب لگی ہو۔

"ٹھہر جا" ـــــ ملزم نے کہا ـــــ "اب ہاتھوں سے گڑھے سے مٹی ہٹا۔"

عدالت نے ہاتھوں سے مٹی ہٹائی تو اُس کو لوہے کی چمکتی ہوئی چادر سی نظر آئی۔ اُس نے خوشی سے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا ـــــ "یا سرکار! یہ کوئی برتن یا بکس لگتا ہے۔"

"اچھی طرح دیکھ" ـــــ ملزم نے کہا۔

عدالت نے اور زیادہ مٹی ہٹائی۔

"یہ ڈھکنا ہے" ـــــ ملزم نے کہا ـــــ "یہ ایک دیگ پر رکھا ہے... سب دیکھو۔"

عدالت کی بیوی، بہن اور ماں نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ دیگ کا ڈھکنا زمین میں پھنسا ہُوا تھا اور اِس کا صرف درمیان کا حصہ نظر آ رہا تھا۔ ملزم نے اس پر کدال کا دستہ آہستہ آہستہ مارا۔ آواز بتاتی تھی کہ اس کے نیچے کچھ اور ہے۔

"اس سے آگے ابھی تم لوگ نہیں کھود سکتے" ـــــ ملزم نے کہا ـــــ "کل رات جب گاؤں والے سو جائیں گے تو تم کھدائی شروع کرو گے۔ آج رات اس کوٹھڑی میں دیا جلا دینا جو ساری رات جلتا رہے۔ ہم آج رات یہاں نہیں ہوں گے۔ ہمیں شاہ سلیمان کے دربار میں حاضری دینی ہے۔ تم لوگوں نے ہم سے ایک گناہ کرایا ہے۔ ہم نے اس خزانے کے پہرہ دار جن کو دھوکے سے یہاں سے بھگایا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ شاہ سلیمان کے دربار میں جا کر معافی مانگیں۔ اگر ہم وہاں نہ گئے تو ہماری جان خطرے

میں پڑی رہے گی۔"

"شاہ سلیمان کا دربار کتنی دُور ہے سرکار؟" ـــــ عدالت نے پوچھا۔

"اِس بھید کو تم نہیں پا سکتے" ـــــ ملزم نے کہا ـــــ "جو ہم کو نظر آتا ہے وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔ ہم سے کچھ نہ پوچھو۔ کل شام کو ہم پھر تمہارے پاس ہوں گے" ـــــ وہ ایسی آواز میں بول رہا تھا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔ کہنے لگا ـــــ "ہم کو اِس خزانے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ اللہ نے جو خزانہ ہمیں دیا ہے وہ تم لوگ خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ یہ خزانہ تمہارا ہے۔ ہمارے من کی موج تھی کہ تم کو خزانہ دکھا دیا.... نکال لو اور عیش کرو۔"

ملزم اگلی شام واپس آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ عدالت نے اُسی وقت کوٹھڑی میں مٹی کا دیا جلا دیا۔ وہ دن گزرا اور رات بھی گذر گئی۔ اگلا دن گذرا مگر ملزم واپس نہ آیا۔ اُس کے دونوں ساتھی اُس کے ساتھ چلے گئے تھے۔

شام کو عدالت کا بھائی جو کیپٹن تھا، چھٹی آ گیا۔ اُس کے آنے کا پہلے کسی کو معلوم نہ تھا۔ عدالت کو پتہ لگا کہ بڑا بھائی چھٹی آیا ہے تو وہ اُس کو ملنے کے لیے چلا گیا۔ بڑے بھائی کو اُس کی بیوی بتا چکی تھی کہ عدالت کے گھر ایک پہنچ والا پیر بہت دن ٹھہرا رہا ہے۔ عدالت ملنے کے لیے گیا تو بڑے بھائی نے اُس سے پیر کی بابت پوچھا۔ عدالت نے اُس کو پیر کی کرامات سنا کر بتایا کہ پیر خزانے کا منہ کھول گیا ہے اور آج رات خزانہ نکالنا ہے۔

رات کو کیپٹن عدالت کے گھر گیا۔ عدالت اُس کو کوٹھڑی میں لے گیا۔ خزانے کی کُھدائی کا وقت ہوگیا تھا۔ کیپٹن نے عدالت کو کہا کہ وہ کُھدائی کرے۔

عدالت نے ڈھکنے سے مٹی ہٹائی اور ڈھکنا اٹھا لیا۔ اُس کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ عدالت پاگلوں کی طرح کدال چلانے لگا لیکن سوائے مٹی کے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیپٹن سمجھ گیا کہ اُس کا چھوٹا بھائی نوسربازی کا شکار ہوگیا ہے۔ اُس نے ڈھکنے کو اچھی طرح دیکھا اور اپنی ماں، بہن اور عدالت کی بیوی کو کہا کہ یہ آج کل کی بناوٹ کا تھال ہے۔ اپنے برتن دیکھو۔

ماں کو کچھ یاد آ گیا۔ اُس نے کوٹھڑی میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک

جگہ بہت بڑا دیگچہ رکھا تھا۔ ماں نے کہا کہ اُس کا ڈھکنا جو ڈیڑھ فٹ قطر کا تھا، دیگچے پر نہیں تھا۔ یہ ڈھکنا بڑے سائز کا تھال تھا۔ ماں نے وہ تھال جو گڑھے سے نکلا تھا، دیگچے پر رکھا۔

"یہ تو اُس دیگچے کا ڈھکنا ہے"۔۔۔ ماں نے کہا۔

عدالت کی بیوی نے بھی اِس تھال کو پہچان لیا اور عدالت کی بہن نے بھی پہچان لیا۔ سب ایک دوسرے کے منہ دیکھنے لگے۔

میں سمجھ گیا کہ ملزم نے یہ واردات کس طرح کی ہوگی۔ اُس نے کدال مانگی تھی اور اندر اکیلا جاتا تھا۔ اُس نے فرش کھودا اور وہیں سے دیگچے کے اوپر سے تھال اٹھا کر گڑھے میں رکھ دیا اور اس پر مٹی ڈال کر مٹی کو کُوٹ دیا، پھر عدالت کو بلا کر کہا کہ گڑھے کو اور کھودو۔ اُس نے کھودا تو تھال نظر آتے ہی ملزم نے اُس کو روک دیا اور خود شاہ سلیمان کے دربار میں حاضری دینے کے بہانے وہاں سے کھسک گیا۔

زنجیر خود کھولی تھی

ملزم کو وہاں سے گئے ایک رات اور دو دن گذر گئے تھے۔ ایک اور رات گذر گئی۔ علی الصبح کیپٹن اپنے بھائی عدالت اور تین اور آدمیوں کو ساتھ لے کر ملزم کے تعاقب میں چلا گیا۔ یہ تو سارے گاؤں نے دیکھا تھا کہ وہ کس طرف گیا ہے۔ ملزم کا حُلیہ اور لباس ایسا تھا کہ ہر کوئی اُس کو دیکھتا تھا۔ یہ میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ ان لوگوں نے اُس کو کہاں جا کر پکڑا۔ عدالت کے گاؤں سے وہ گاؤں بہت دُور تھا اور دوسرے تھانے کے علاقے میں تھا۔ اُس گاؤں میں ملزم نے ایسے کنوئیں میں سے پانی نکالا تھا جس میں سے پانی نکلنے کی توقع ختم ہوگئی تھی۔

میں نے کنوئیں والوں سے بھی تفتیش کرنی تھی۔ میں نے ان کی لِسٹ بنائی اور عدالت کے گاؤں کے نمـ [illegible] ـدار کو کہا کہ وہ ابھی اُس گاؤں کو کسی کو روانہ کرے

اور ان تمام آدمیوں کو ساتھ لے آئے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ کوئی اس معاملے میں گواہی یا کوئی خبر دینا چاہے وہ بھی آجائے۔

میرا دماغ کسی اور خیال میں پھنسا ہُوا تھا۔ دماغ کہتا تھا کہ ملزم کا کوئی خفیہ ساتھی عدالت کے گاؤں میں موجود ہے۔ خیال تو یہ بھی آتا تھا کہ ملزم کا کوئی درد مند اس گھر میں موجود ہے لیکن اِس خیال کو میرا دماغ اچھی طرح قبول نہیں کرتا تھا۔ اُس گھر کے ساتھ تو دھوکہ ہُوا تھا۔ کوئی نوکر ہو سکتا تھا۔ ملزم دریچے کے راستے فرار نہیں ہُوا تھا۔ اُس کو فرار کرایا گیا تھا۔

"کپتان صاحب!"۔۔۔ میں نے عدالت کے بڑے بھائی کو کہا۔۔۔ "یہ کوئی خطرناک مجرم ہے۔ اگر اس کو جلدی نہ پکڑا گیا تو میں بتا نہیں سکتا کہ اس علاقے میں نوسر بازی اور دھوکہ دہی کے علاوہ کتنی خطرناک وارداتیں شروع ہو جائیں گی۔ مجھ کو صرف آپ کے بھائی کے ساتھ نہیں، سارے علاقے کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اپنا فرض پورا کرنے کے واسطے مجھ کو ضرورت ہوگی کہ میں آپ کے خاندان کی عورتوں سے بھی تفتیش کروں۔ آپ کو اِس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ سب میری مائیں بہنیں ہیں۔ میں نے اپنا کام کرنا ہے۔ یہ میری نوکری اور میری عزت کا سوال ہے۔ آپ ملٹری آفیسر ہیں۔ آپ کو سروس کے معاملوں کا علم ہے۔"

"جناب! آپ کو کھُلی اجازت ہے"۔۔۔ کیپٹن نے کہا۔۔۔ "صرف یہ عرض کروں گا کہ تفتیش میری بیٹھک میں یا میرے بھائی کی بیٹھک میں بیٹھ کر کریں۔ دوسری عرض یہ ہے کہ آپ کھانا ہمارے گھر سے کھائیں گے۔"

"گھر میں اگر نوکر چاکر کام کرتے ہیں تو اُن کو میرے سپرد کر دیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "رات کو کوئی نوکر اس حویلی کے اندر یا باہر سوتا ہے تو مجھ کو بتاؤ۔"

دو نوکر میرے سپرد کیئے گئے۔ ان سے پوچھا کہ رات کو وہ کہاں سوتے ہیں۔ ایک نے بتایا کہ وہ اپنے گھر سوتا ہے۔ دوسرے نے بتایا کہ وہ دریچے کے دوسری طرف والے صحن میں سوتا ہے اور جس رات ملزم نکل کر گیا اُس رات بھی وہ وہیں سویا تھا۔ میں نے اُس نوکر کو اپنے ساتھ لیا اور اُس طرف

والے صحن میں چلا گیا۔ وہ مویشیوں کا صحن تھا۔ میں نے نوکر سے پوچھا کہ وہ کس جگہ سویا تھا۔ اُس نے ایک کھُرلی کے قریب جگہ بتائی۔ اوپر نیم کا گھنا درخت تھا۔ بڑا دروازہ اُس جگہ سے آٹھ قدم دُور تھا۔ میں نے قدم ناپے تھے۔ میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے اُس نے بتایا کہ وہ فجر کی اذان کے ساتھ یا اس سے ذرا پہلے جاگ اُٹھتا ہے اور بھینس کو چارہ ڈال کر بھینس دوہتا ہے۔ اُس نے میرے سوال پر یہ بھی بتایا کہ صحن کا بڑا دروازہ اندر سے بند ہوتا ہے اور وہ صبح خود دروازہ کھولتا ہے۔

یہ عام دروازوں سے زیادہ چوڑا اور اونچا دروازہ تھا۔ مویشیوں کے واسطے دروازے بڑے رکھے جاتے ہیں۔ اِس دروازے کی زنجیر تھی جو دائیں بائیں لگتی تھی۔ مجھ کو کیپٹن نے بتایا تھا کہ صبح دیکھا تو دریچہ بھی کھُلا تھا اور مویشیوں والے صحن کے دروازے کی زنجیر بھی کھُلی ہوئی تھی۔

"اچھی طرح یاد کرو" ـــــ میں نے نوکر کو کہا ـــــ "آج صبح دروازہ تم نے کھولا تھا یا تم جاگے تو دروازہ کھُلا ہوا تھا؟"

"مجھ کو اچھی طرح یاد ہے جی!" ـــــ نوکر نے جواب دیا ـــــ "میں نے زنجیر خود کھولی تھی۔"

"کیا تم کو معلوم ہے کہ یہاں ایک بیر آیا تھا؟"

"معلوم ہے جی!" ـــــ اُس لے جواب دیا ـــــ "وہ یہاں بہت دن رہا تھا پھر چلا گیا تھا۔ کل اُس کو پھر اِس گھر میں لے آئے تھے۔ گاؤں میں بہت شور شرابا ہُوا تھا۔ کپتان صاحب نے اور اُن کے بھائی صاحب اور دو تین اور آدمیوں نے اُس کو بہت مارا پیٹا تھا۔ آج صبح سویرے جب میں مویشیوں کو چارہ ڈال رہا تھا، چوہدری صاحب (عدالت) اِدھر آئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سوئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو یہی جگہ بتائی۔ انہوں نے مجھ سے اور کچھ نہیں پوچھا۔ چوہدری صاحب مجھ کو گالیاں دے کر چلے گئے تو کپتان صاحب آ گئے۔ میں نے اُن کو بتایا کہ وہ اِدھر سے کس طرح جا سکتا تھا۔ زنجیر تو اندر سے لگی ہوئی تھی ... ہم غریب لوگ ہیں سرکار! گالیاں کھانا

ہمارا کام ہے۔ میں نے اُن کو اور کچھ نہ کہا اور وہ چلے گئے۔"

بی بی دماغ اونچا رکھتی ہے

میں نے نوکر کو بیٹھک میں بٹھایا ہُوا تھا۔ اُس کو وہیں چھوڑ کر میں باہر آیا اور کیپٹن کو اور عدالت کو ایک طرف لے جا کر پوچھا کہ وہ صبح جب مویشیوں والے صحن میں گئے تو اُدھر کا بڑا دروازہ کھُلا تھا؟ کیا انہوں نے نوکر سے پوچھا تھا کہ وہ صبح اٹھا تو دروازے کی زنجیر کھلی تھی یا بند؟

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ حیران اور پریشان سے ہو گئے۔

"کیا نوکر نے آپ کو بتایا تھا کہ زنجیر بند تھی؟" ـــــ میں نے پوچھا۔

"ہاں جی!" ـــــ عدالت نے جواب دیا۔

"اب مجھ کو یہ بات بتائیں" ـــــ میں نے پوچھا ـــــ "کیا آپ کو اِس نوکر پر اعتبار ہے؟ یہ کیسا آدمی ہے؟"

"سولہ آنے اعتبار ہے جی!" ـــــ عدالت نے جواب دیا اور حیران ہو کر پوچھا ـــــ "اُس نے کوئی گڑبڑ کی ہے؟"

"یہ تو پتہ لگ جائے گا" ـــــ میں نے کہا ـــــ "ضروری نہیں کہ اِس نے کوئی گڑبڑ کی ہو۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ملزم دریچے سے نہیں نکلا اور وہ پچھلے صحن میں گیا ہی نہیں۔"

"جناب! صبح دیکھا تو دریچہ کھُلا ہُوا تھا" ـــــ عدالت نے کہا ـــــ "وہ تو ہمیشہ بند رہتا تھا۔"

"اور تو کوئی رستہ ہی نہیں تھا انسپکٹر صاحب!" ـــــ کیپٹن نے کہا۔ "بڑے کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ باہر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ گیا ہی دریچے سے ہے۔"

"ملزم کا جسم آپ دونوں میں سے کس کے ساتھ ملتا تھا؟"

"میرا جسم دیکھ لیں" ـــ عدالت نے جواب دیا ـــ "وہ مجھ سے تھوڑا موٹا ہوگا کام نہیں تھا۔"

میں دونوں کو اندر اُس کمرے میں لے گیا جس کی پچھلی دیوار میں دریچہ تھا۔ سب سے پہلے دونوں کو دیوار کا وہ حصہ دکھایا جس میں دریچہ فٹ کیا ہُوا تھا اور اُن کو کہا کہ وہاں گرد کی تہہ دیکھیں۔ پھر عدالت کو کہا کہ دریچے میں سے نکل کر اُس طرف جائے۔ وہ اوپر ہُوا اور سر اُس طرف کیا لیکن کندھے پھنس گئے۔ اُس نے کندھے اوپر نیچے کر کے گزرنے کی کوشش کی۔ کندھے باہر نکل گئے لیکن بڑی مشکل سے۔ میں نے اُس کو کہا کہ واپس آجائے۔ وہ ٹیڑھا میڑھا ہو کر واپس آیا۔

"اب یہاں دیکھو" ـــ میں نے دیوار کی دریچے والی جگہ دکھا کر کہا ـــ "گرد کہاں گئی؟..... اپنی قمیض دیکھیں...... اگر ملزم اِدھر سے گیا ہوتا تو یہاں گرد نہ ہوتی اور دوسری طرف دیوار کے ساتھ جو دھول ہے، اُس پر ملزم کے کھُرے ہوتے۔ کپتان صاحب! وہ اِدھر سے نہیں گیا۔ اس واسطے آپ کے نوکر پر شک نہیں ہوتا کہ اُس نے ملزم کو اُس طرف سے فرار کرایا ہوگا۔"

"ہمارا تو فوجی دماغ ہے جی!" ـــ کیپٹن نے کہا ـــ "اتنی باریکیاں ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں، لیکن عدالت کہتا ہے، گھر کی عورتیں کہتی ہیں کہ اِدھر کے دروازے پکّے بند تھے، پھر وہ گیا کدھر سے؟"

"انتظام اِتنا پکّا تھا کہ ہم نے اُس کے ہاتھ پاؤں رسّی سے نہ باندھے" ـــ عدالت نے کہا۔

"سیدھی بات ہے جی!" ـــ کیپٹن نے کہا ـــ "رسیوں سے ہاتھ پاؤں باندھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ غصّہ اِتنا زیادہ تھا کہ دماغ خراب ہو گیا تھا۔ یہ (عدالت) تو کہتا تھا کہ اِس کو قتل کر کے لاش کہیں دفن کر دیں گے۔ میں نے اُس کو کہا کہ نیک بخت! ایسا کام نہ کرنا۔ پکڑے گئے تو مارے جائیں گے۔"

"جناب!" ـــ عدالت نے کسی اور ہی لہجے میں کہا ـــ "اُس نے ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا ہے لیکن مجھ کو یہ شک ہو رہا ہے کہ اُس کے پاس کوئی

علم یا عمل ضرور ہوگا۔ اُسی کے زور پر وہ نکل گیا ہے۔ اگر ہم اُس کو باندھ کر رکھتے تو وہ رسّیاں کھول لیتا۔"

"اُس کے فرار کی اور تو کوئی صورت نہیں تھی" ـــ کیپٹن نے کہا۔

"یہ میں آپ کو تفتیش کے بعد بتاؤں گا کہ اُس کے پاس کوئی علم تھا یا نہیں" ـــ میں نے کہا اور بیٹھک میں چلا گیا۔

میں نے نوکر سے بہت ساری باتیں پوچھیں لیکن اُس کو اندر کی باتوں کا علم نہیں تھا۔ میں نے اُس سے یہ بھی پوچھا کہ عدالت کی بہن کا اپنے خاوند کے ساتھ کیا جھگڑا ہے۔ میں معلوم یہ کرنا چاہتا تھا کہ اس عورت کا چال چلن کیسا ہے۔

"ہم نوکر چاکر تو یہی سمجھتے ہیں جی، کہ بی بی اپنا دماغ اونچا رکھتی ہے اور اس کے سسرال والے کہتے ہیں کہ دماغ ہمارا اونچا ہے" ـــ نوکر نے کہا ـــ "کوئی بڑی وجہ نہیں۔"

"اس کے خاوند کو اس کے چال چلن پر شبہ ہو گا!"

"نہ جی!" ـــ نوکر نے کہا ـــ "ہمارے کانوں میں ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں پڑی۔ خاوند تو اس کو دل سے چاہتا ہے۔ مجھ کو میری ماں نے بتایا تھا۔ اس کی ساس ٹھیک عورت نہیں۔ وہ تو گاؤں کی چھوٹی ذاتوں کے لوگوں پر اس طرح حکم چلاتی ہے جیسے وہ اس گاؤں کی ملکہ ہو۔"

"تم کس طرح یقین سے کہہ سکتے ہو کہ بی بی کا چال چلن ٹھیک ہے؟"

"خراب ہو تو پتہ چل ہی جاتا ہے جی!" ـــ نوکر نے جواب دیا ـــ "بی بی باہر تو نکلتی ہی نہیں اور گھر میں کسی غیر مرد کا آنا جانا ہے ہی نہیں۔"

"اور عدالت کی بیوی کیسی عورت ہے؟"

"یہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے جی!" ـــ نوکر نے جواب دیا۔

اس سے میں نے ملزم کی بابت کچھ پوچھا لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔ کہتا تھا کہ نوکروں کو اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی جس میں ملزم کو ٹھہرایا گیا تھا۔

اس نوکر سے اور کچھ پوچھنا بیکار تھا۔ دوسرے نوکر سے بھی تفتیش کی لیکن وہ بھی مجھ کو صاف نظر آیا۔

دودھ الگ پانی الگ

رات ہو گئی تھی۔ میں گاؤں میں رُکا رہا۔ رات کو میں نے آرام کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا تھا۔ اس قسم کی تفتیشوں میں پولیس کچھ اور کارروائیاں بھی کرتی ہے۔ دوسرے تھانوں کو ملزم کا حُلیہ لکھ کر اطلاع دی جاتی ہے کہ یہ ملزم مفرور ہے، اسے کو پکڑا جائے۔ میں نے ایس۔ آئی کو تھانے میں اطلاع بھیج دی تھی کہ وہ یہ کارروائی پوری کرے۔ ایسی کارروائیاں آپ کے واسطے دلچسپ نہیں ہوں گی۔

رات کو میں نے عدالت کی بہن کو بیٹھک میں بلا کر بٹھا لیا اور اُس کو کہا کہ وہ مجھ کو تھانیدار نہ سمجھے۔ اُس کے دماغ سے گھبراہٹ اور بیگانگی اتارنے کے لیے میں نے ہمدردی کے لہجے میں اُس کے ساتھ اُس کی خاوند کے ساتھ ناچاقی کی باتیں شروع کر دیں۔ میں نے جان بوجھ کر اُس کے خاوند کے خلاف بات کی۔ اُس نے مجھ کو فوراً روک دیا اور اپنے خاوند کی تعریفیں شروع کر دیں۔ وہ اپنی ساس کو بُرا کہتی تھی۔ اُس کی ساس کی بابت اُن کا نوکر بھی مجھ کو بتا چکا تھا کہ شیطان عورت ہے۔ عدالت کی بہن نے بتایا کہ اس کی ساس فتنے اور فساد پیدا کر کے خوش رہنے والی عورت ہے۔

یہ چونکہ اُس کی زندگی کا اور اُس کے جذبات کا معاملہ تھا اور میں ہمدردی کے رنگ میں باتیں کر رہا تھا اس واسطے وہ دل میں روکی ہوئی ساری باتیں کرنے لگی۔ میں نے اپنا لہجہ اور رویہ اور زیادہ دوستوں جیسا کر لیا۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ انہی باتوں میں سے بات نکال کر ملزم کی بابت بات چھیڑوں گا اور میرے دماغ میں جو سوال اور وہم پیدا ہو گئے تھے وہ آہستہ آہستہ اس کے آگے رکھتا جاؤں گا۔

اپنے خاوند کی بابت وہ بہت جذباتی تھی۔ وہ بھی اُس کو اتنا ہی چاہتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ایک سال سے اپنے گھر بیٹھی ہوئی ہے اور چھ سات مرتبہ اپنے خاوند کو اس طرح مل چکی ہے جس طرح ایک دوسرے کو

چاہنے والے مرد عورت جو میاں بیوی نہ ہوں، لوگوں سے چوری ملا کرتے ہیں۔ میں نے اُس سے نہیں پوچھا کہ وہ ملاقات کا وقت اور دن یا رات کس کی معرفت طے کرتے ہیں۔ اُن کی ملاقات گاؤں سے باہر رات کو ہُوا کرتی تھی۔ اس سے مجھ کو اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی ساس کتنی زبردست فسادن تھی کہ اُس کا بیٹا اُس کے آگے اِتنی سی بات نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو چاہتا ہے۔

"یہ جو پیر تمہارے گھر آیا تھا" ——— میں نے کہا ——— "تم نے اُس کو کہا ہو گا کہ تمہاری ساس تم کو آباد نہیں ہونے دیتی۔"

"اس نے خود ہی یہ بات کہہ دی تھی" ——— اُس نے کہا ——— "اور میں حیران ہوئی تھی کہ اس نے میرے چہرے سے میرے دل کا حال معلوم کر لیا ہے۔ یہ تو غیب کا علم رکھتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ مجھ کو تعویذ دے گا۔"

"اُس نے تعویذ دیا تھا؟"

"نہیں" ——— اُس نے جواب دیا ——— "اب تو سب کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ دھوکہ باز تھا۔ مجھ کو پہلے ہی شک ہو گیا تھا" ——— وہ چُپ ہو گئی اور اُس کا سر جُھک گیا۔

میں بچہ تو نہ تھا۔ میں نے اُن علاقوں میں تھانیداری کی ہے جن علاقوں پر پیروں کی حکمرانی آج تک قائم ہے۔ میں نے کئی وارداتوں میں پیروں کو اور اُن کی بعض مریدنیوں کو شاملِ تفتیش کیا ہے۔ پوچھ گچھ کے دوران مریدنیوں کے سر اسی طرح جُھک جایا کرتے تھے۔ میں ہمدردی سے اُن کے سر اوپر کیا کرتا اور وہ بات اُن کی زبان سے کہلوا لیا کرتا تھا جو اُن کے سر جُھکا دیا کرتی تھی۔ عدالت کی بہن کا سر جُھک گیا تو یہ میرے واسطے بے معنی نہیں تھا۔

"مجھ سے نہ چھپاؤ بی بی!" ——— میں نے اُس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر سر اوپر اٹھایا اور کہا ——— "مجھ کو معلوم ہے تم کیا بات زبان پر لانے سے شرماتی ہو۔ مجھ کو اپنا بھائی سمجھو، دوست سمجھو، سہیلی سمجھو، تھانیدار نہ سمجھو۔ یہ بات میرے کاغذوں میں نہیں جائے گی، میرے دل میں رہے گی۔"

"میں نے وہ بات نہیں ہونے دی تھی" ــــ اُس نے کہا ــــ "اُس نے مجھ کو اکیلے اپنے پاس بٹھایا تھا اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر میرے سارے جسم پر ہاتھ پھیرا تھا۔"

اُس نے مجھ کو پوری طرح سنایا کہ اُس نے کیا کیا بات اور کیا حرکت کی تھی اور اُس کو اپنا خاوند یاد آ گیا تھا۔ دو دن پہلے اُس کی ملاقات اپنے خاوند کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ باقی رات روتی رہی تھی ــ اس کے دماغ میں یہ بات کیل کی طرح ٹھونکی ہوئی تھی کہ وہ اپنے خاوند کی اور اپنے معصوم بچے کی عزت ہے۔

"میں نے اُس کو کہا کہ تم غیب کی طاقت رکھتے ہو اور تم اللہ کے ولی ہو تو تم کو ایک عورت سے اتنا گندہ واسطہ نہیں ہونا چاہیے" ــــ اس عورت نے مجھ کو کہا ــــ "میں نے اُس کو یہ بھی کہا کہ تمہارے دل میں اگر دنیا کا لالچ ہے تو مجھ سے پیسے مانگو، مجھ کو کہو کہ اپنا زیور اتار دو۔ تم کہتے ہو کہ اپنی عزت اتار دو یہ تو نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میرے خاوند کی عزت ہے۔ جاؤ اُس سے مانگو۔"

"بی بی!" ــــ میں نے کہا ــــ "مجھ کو ایک بات بتاؤ۔ پیر دل مُرشد دل کو لوگ اس طرح مانتے ہیں کہ عورتیں اپنی عزت کا نذرانہ دے کر اس کو گناہ نہیں سمجھتیں۔ تمہارے دل میں یہ کیسے آ گئی تھی کہ پیر کی بجائے تمہارا خاوند اچھا ہے؟"

"آپ اچھے بُرے کی بات کرتے ہیں!" ــــ اُس نے کہا ــــ "میں تو اس پیر کو اُس وقت بھی بُرا سمجھتی تھی جب سب لوگ اُس کو ولی اور قطب کہتے تھے۔ مجھ کو ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ پیر کوئی بھی ہو اُس کا دل خدا سے لگا ہُوا ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیر خدا کے قریب ہوتے ہیں۔ مجھ کو بتاؤ کہ یہ بات درست ہے تو پیر کو دنیا کی عورتوں کے ساتھ کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟ کوئی دوسرا آدمی کسی عورت پر بُری نظر رکھتا ہے تو اس کو سب گناہ اور بدی کہتے ہیں۔ ایسے پیر کو لوگ گناہگار کیوں نہیں کہتے؟"

یہ عورت اَن پڑھ اور دیہاتن تھی۔ اُس کے پاس علم کے الفاظ نہیں تھے اس واسطے وہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی تھی کہ اُس نے اس پیر کو کیوں دُھتکار دیا تھا۔ اُس نے محسوس کیا تھا، یا اس طرح کہہ لیں کہ اُس کے دل سے آواز آئی تھی کہ یہ شخص اس وقت برگزیدہ پیر نہیں بلکہ ایک ہوس کار آدمی ہے۔ اُس نے پیر کو اور کچھ نہ کہا اور کمرے سے نکل آئی۔

"میں اپنے بھائی کو بتانا چاہتی تھی" ــــ اُس نے کہا ــــ "لیکن میرے بھائی، میری بھابی اور میری ماں پر اس شخص کا جادو ایسا سوار تھا کہ وہ تو خدا اور رسولؐ کو بھی بھول گئے تھے۔ اُس نے اِن کے دماغوں میں خزانہ ڈال کر ان کو پاگل کر دیا تھا۔ اگر میں کہتی کہ یہ پیر بدکار ہے تو بھائی مجھ کو مار مار کر بے ہوش کر دیتا اور سب مجھ کو بد دعائی ہوئی اور بے پیری کہتے۔ بس جی، میں دیکھتی رہی اور دودھ الگ اور پانی الگ ہو گیا۔"

میری جوانی کو میری کمزوری سمجھتی تھی

بی بی کی شکل و صورت بہت اچھی تھی۔ اُس کا جسم اور زیادہ اچھا تھا۔ اُس کے چہرے کی رنگت بھی اچھی تھی لیکن اب مجھ کو اس طرح لگا جیسے اس عورت کے وجود میں اللہ کا نُور ہے جس کی چمک اُس کی آنکھوں میں بھی ہے اور اُس کے چہرے پر بھی۔ اُس کی باتیں میرے دل پر اثر کر رہی تھیں۔

"تمہارے بھائی عدالت نے بتایا ہے کہ اُس کی بیوی پیر کی خدمت کے واسطے رات کو اُس کے ساتھ رہتی تھی" ــــ میں نے کہا ــــ "اس کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟ . . . . میں تم کو ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تم مجھ کو جو بھی بات بتاؤ گی، وہ میرے دل میں رہے گی۔ یہ بھی سوچ لو کہ تمہارے بھائی کے ساتھ دھوکہ ہُوا ہے۔ اس کا پانچ سو روپیہ ملزم کھا گیا ہے۔"

"ایک ہزار سے زیادہ جی!" ــــ اُس نے کہا ــــ "اُس مردود نے ہمارا پانچ سَو کے علاوہ بھی روپیہ کھایا ہے۔ میرے بھائی کے ساتھ بڑا دھوکہ تو یہ ہُوا ہے کہ آج راتوں کو پیر کے کمرے میں رہی ہے۔ میں اور آپ کو کیا بتاؤں۔

عورت عورت کا چہرہ دیکھ کر اُس کے دل کا بھید پالیتی ہے۔"

"تم نے اُس کو روکا نہیں؟"

"مجھ کو تو وہ ویسے ہی اچھا نہیں سمجھتی" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "اُس کو میں کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتی تو وہ مجھ کو گھر سے نکلوا دیتی۔"

"مجھ کو ایک بات ذرا سوچ کر بتاؤ" ـــــ میں نے کہا ـــــ "کیا تم کو یقین ہے کہ وہ دھوکہ باز اُس راستے سے بھاگا ہے جو راستہ تمہارے بھائی بتاتے ہیں؟"

"میں نے سوچا ہی نہیں" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "میں اس خوشی میں مست رہی کہ یہ کافر پکڑا گیا ہے اور اس کی پٹائی ہو رہی ہے۔"

"کیا تاج بھی خوش تھی؟" ـــــ میں نے یہ سوال ایسے خیال سے کیا جو اچانک میرے دماغ میں آ گیا تھا۔

"وہ تو ایسے لگتا تھا جیسے مر ہی گئی ہو" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "اُس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ میں نے اُس کی جو حالت دیکھی تھی، وہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ آپ سمجھ لیں کہ اُس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ اُس کافر کے ساتھ پکڑی گئی ہو۔ یہ عورت تو اُس کی پکّی مریدنی بن گئی تھی اور میرا بھائی خوش تھا۔"

اس عورت کے سینے سے میں نے اور بھی باتیں نکالنے کی کوشش کی لیکن اُس کے پاس اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے اُس سے نوکروں کی بابت پوچھا کہ وہ کیسے ہیں۔ اُس نے یقین کے لہجے میں کہا کہ دونوں بھلے مانس قسم کے آدمی ہیں۔

اُس کو میں نے جانے کو کہا اور نمبردار کو بلایا۔ وہ اسی خاندان کا آدمی تھا، اس واسطے مجھ کو یہ توقع نہیں تھی کہ یہ اپنے خاندان کے لوگوں کے خلاف کوئی بات کرے گا۔ میں نے اُس کو کہا کہ اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ یہ پیر کون تھا اور کہاں سے آیا تھا اور اُس کے ساتھ جو دو آدمی تھے، وہ کون تھے؟

نمبردار نے اپنے آپ کو بچانے کے واسطے بہت ساری باتیں

کیں۔ اِن باتوں میں جھوٹ بھی شامل تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ انہی لوگوں میں سے تھا جو ملزم کے جادو میں آ گئے تھے۔

"مجھ کو ایک بات آج بتاؤ یا کل بتاؤ" ـــــ میں نے اُس سے پوچھا ـــــ "ملزم جب اِس گاؤں میں پیر بن کر آیا تو دوسرے گاؤں کے لوگ بھی یہاں آتے رہے تھے۔ کیا تم نے ان میں اپنے گاؤں کا یا علاقے کا کوئی پیشہ ور مجرم یا کوئی بدمعاش دیکھا تھا جو ملزم کے ساتھ یا اُس کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا رہا ہو؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ میں نے اُس کو کہا کہ وہ اچھی طرح یاد کرے، گاؤں والوں سے پوچھے اور مجھ کو بتائے۔

آدھی رات ہونے کو آئی تھی۔ میں سو گیا۔

صبح سویرے عدالت کی بیوی تاج کو بلایا۔ وہ عدالت کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی۔ میں نے اُس کے دل سے گھبراہٹ اُتارنے کی کوشش نہ کی۔ مجھ کو یقین تھا کہ اُس نے پیر کے ساتھ راتیں گذاری ہیں اور یہ پاک صاف عورت نہیں۔ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ عورت ملزم کو سچا پیر سمجھتی رہی ہے اور یہ دھوکے کا شکار ہوئی ہے۔ میں اُس سے کوئی اور بھید لینا چاہتا تھا۔

"میں تم کو ایک بات بتا دوں تاج!" ـــــ میں نے اُس کو کہا ـــــ "تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکو گی۔ یہ پیر بہت بڑا مجرم تھا اور میں مجرموں کا پیر ہوں۔ سب سے زیادہ دھوکہ تمہارے ساتھ ہُوا ہے، لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔ تمہارا راز میرے دل میں رہے گا۔ تمہارا خاوند تم کو پاک عورت سمجھتا ہے۔ میں اُس کو یہی کہوں گا کہ تم پاک عورت ہو لیکن میرے آگے جھوٹ نہ بولنا۔ میں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ اگر مجھ کو ٹرخانے کی کوشش کرو گی تو میں تمہارا کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔"

اُس کے چہرے نے کئی رنگ بدلے، پھر اُس کا سر اُسی طرح جھک گیا جس طرح اس قسم کی عورتوں کا سر جھک جایا کرتا ہے۔ میں وہ ساری باتیں نہیں لکھ رہا جو میں نے اُس کو کہی تھیں۔ میں نے اُس کو طعنہ دینے کے انداز سے کوئی بات نہیں کہی تھی۔ اُس کو ڈرایا بھی نہیں تھا لیکن اُس پر جو گھبراہٹ

تھی وہ قائم رہنے دی تاکہ اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جائے۔ کچھ وقت گذرا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے اپنی باتوں میں آہستہ آہستہ ہمدردی کا رنگ بھرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک خاص طریقہ ہوتا ہے جو اس ذہنی حالت والے انسانوں پر بڑا اچھا اثر پیدا کرتا ہے۔

"میری صرف ایک بات مان لیں" ——— اُس نے روتے ہوئے منت کی۔

"صرف ایک نہیں، میں تمہاری ساری باتیں مانوں گا" ——— میں نے کہا ——— "تم مجرم تو نہیں ہو۔ اگر تم سے تھوڑی سی غلطی ہو گئی ہے تو میں اُس پر پردہ ڈال دوں گا۔"

"میں یہی کہنے لگی تھی کہ پردہ ڈال دیں" ——— اُس نے کہا ——— "میں دھوکے میں آ گئی تھی۔ ایک تو اولاد کی خواہش تھی اور دوسرے خزانہ۔ ان دونوں نے مجھ کو اندھا کر دیا تھا۔ اس نقلی پیر کو میں سچا پیر سمجھتی رہی اور اُس نے مجھ کو جو بھی خدمت بتائی وہ میں نے کر دی۔ اب سب کو پتہ لگ گیا ہے کہ یہ نقلی پیر تھا۔ اگر میرے خاوند کو پتہ لگ گیا کہ وہ مجھ کو چلے کے دوران اپنے ساتھ کیوں رکھتا تھا تو خاوند مجھ کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔ اگر اُس نے میرے اوپر رحم کیا تو مجھ کو طلاق دے دے گا۔"

"میں وعدہ کر چکا ہوں کہ یہ راز میرے دل میں رہے گا" ——— میں نے کہا ——— "بلکہ میرے دل میں دفن ہو گیا ہے۔ میں تم کو صاف بتا دیتا ہوں کہ اس نقلی پیر کو گھر کے کسی آدمی نے بھگایا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے وہ کون ہو سکتا ہے؟... تمہارے نوکر کیسے ہیں؟"

"نوکر اتنی جرأت نہیں کر سکتے" ——— تاج نے جواب دیا اور پوچھا ——— "آپ کو کیا شک ہے؟"

"شک نہیں" ——— میں نے کہا ——— "مجھ کو یقین ہے کہ ملزم کو فرار کرایا گیا ہے... عدالت کی بہن کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نقلی پیر کے ساتھ اُس کی دوستی تو نہیں ہو گئی تھی؟.... میرے سوالوں کے جواب دینے

سے پہلے ذہن میں یہ رکھ لو کہ میں تفتیش کر رہا ہوں۔ معلوم نہیں میں کتنے آدمیوں سے اور کتنی عورتوں سے نہ جانے کیا کیا پوچھوں گا مجھ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا پھر ملزم پکڑا جائے گا اور وہ سارا بھید میرے آگے رکھ دے گا۔ اس وقت تمہاری بتائی ہوئی کوئی بات جھوٹی نکلی تو تمہاری بہت بے عزتی ہو گی۔ اب وقت ہے۔ مجھ کو ہر بات بالکل صحیح صحیح بتا دو۔"

"مجھ کو ایک بات بتائیں" ——— اُس نے کہا ——— "آپ جو مانگیں گے میں دوں گی.... یہ بتائیں کہ یہ پتہ لگ جائے کہ نقلی پیر کو کس نے یہاں سے نکالا ہے تو کیا آپ اُس کو گرفتار کریں گے؟"

"نہیں" ——— میں نے کہا ——— "وہ اس گھر سے بھاگا ہے۔ یہ نہ بھاگنے والے کا جرم ہے نہ اُس کو بھگانے والے کا۔ یہ اس واسطے جرم نہیں کہ یہ گھر تھانے کی حوالات یا جیل خانہ نہیں۔ حوالات یا جیل خانے سے بھاگنا یا کسی کو بھاگنے میں مدد دینا جرم ہے۔ اگر بعد میں یعنی اس نقلی پیر کی گرفتاری کے بعد پتہ لگا کہ اس کو فلاں شخص نے یا عورت نے اپنے گھر سے بھگایا تھا تو میں اُس مرد یا عورت کو اس شک میں ضرور گرفتار کر دوں گا کہ ملزم کے دھوکہ دہی اور نوسر بازی کے جرم میں یہ بھی شریک ہے.... تمہاری بات سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ بتانا چاہتی ہو لیکن ڈرتی ہو۔ تمہارے دل میں جو بات اٹکی ہوئی ہے وہ مجھ کو اب بتا دو۔ میں تم سے کچھ نہیں لوں گا۔"

میں اُس وقت جوان تھا اور اللہ کا کرم تھا کہ رنگ روغن اور جسم جُثہ بھی اچھا تھا۔ تاج نے میری بات سُن کر مجھ کو جن نظروں سے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر جو ذرا سی مسکراہٹ آئی، اُس سے میں سمجھ گیا کہ اُس کا مطلب کیا ہے۔ میری جوانی کو وہ میری کمزوری سمجھتی تھی۔ اُس نے یہاں تک کیا کہ اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر پیار سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی مجبوری میں پھنسی ہوئی ہے۔ میں نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا نہیں بلکہ اُس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔

"تاج!" ——— میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ——— "میں نقلی

پیرا در دھوکہ باز نہیں ہوں۔ میں عزت دار آدمی ہوں اور عزت داروں کی قدر کرتا ہوں۔ میں نے جو وعدہ کر دیا ہے وہ پورا کروں گا۔ تمہارے دل میں جو بات ہے وہ مجھ کو سنا دو۔"

"اُس کو میں نے گھر سے نکالا تھا" ___ تاج بہت ہی دبی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں؟"

"اب آپ اپنے وعدہ پر قائم رہیں اور میری عزت رکھیں" ___ اُس نے کہا ___ "یہ تو آپ کو پتہ لگ گیا ہے کہ میں اِس مجرم کے ساتھ پوری پوری رات رہی ہوں۔ یہ بھی آپ کو پتہ ہے کہ کس لالچ اور خواہش نے میری عزت لے لی ... پھر یہ ہُوا کہ اُس کا پول کُھل گیا اور اُس کو ایک گاؤں سے پکڑ کر یہاں لے آئے۔ مجھ کو یہ فکر لگ گیا کہ اِس کی مار کٹائی ہو رہی ہے پھر اِس کو پولیس کے حوالے کریں گے تو یہ کہہ دے گا کہ تم کہاں کے غیرت مند ہو۔ تمہاری فلاں عورت رات کو میرے پاس آیا کرتی تھی۔ مجھ کو اپنے خاوند کا ڈر تھا۔"

"تمہارے خاوند کی غیرت اُس وقت کہاں چلی گئی تھی جب اُس نے تم کو اِس مجرم کے پاس بند کمرے میں جانے کی اجازت دی تھی؟" ___ میں نے کہا۔

"لیکن جرم تو عورت کے منہ پر مل دیا جاتا ہے" ___ اُس نے کہا ___ "اگر خاوند مجھ کو نہ کہتا تو میں شاید بچی رہتی۔"

"میں تمہارے خاوند جیسا مرد نہیں ہوں تاج!" ___ میں نے کہا ___ "میں تمہاری عزت پر حرف نہیں آنے دوں گا۔"

"میں ساری عمر آپ کا احسان نہیں چکا سکوں گی" ___ اُس نے کہا ___ "میں نے اپنی عزت کو بچانے کے واسطے یہ کام کیا کہ اُنہوں نے اُس کو کوٹھڑی میں بند کر دیا تو میں آدھی رات کے وقت اٹھی۔ مجھ کو اُس وقت تک نیند نہیں آئی تھی۔ میرا خاوند گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ میری ساس اور بی بی دوسرے برآمدے میں سوئی ہوئی تھیں۔ مجھ کو معلوم تھا کہ میں اپنے واسطے بہت بڑا خطرہ پیدا کر رہی ہوں۔ اگر میں پکڑی گئی تو خاوند مجھ کو قتل کر دے گا لیکن میرے اوپر ایسا اثر تھا کہ میں چوروں کی طرح ننگے پاؤں پہلے ڈیوڑھی میں گئی اور دروازے کی زنجیر کھول دی....

"پھر میں نے اُس کمرے کا دروازہ کھولا جس کے ساتھ کوٹھڑی تھی۔ کوٹھڑی کا باہر کوئی دروازہ نہیں۔ بڑے کمرے اور کوٹھڑی کے درمیان ایک دروازہ ہے اور ایک دوسرے کمرے کی طرف ہے۔ میں اندر گئی اور گُپ اندھیرے میں آہستہ آہستہ چلتی کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچی۔ اس کی بھی زنجیر لگی ہوئی تھی۔ میں نے زنجیر کھولی اور کوٹھڑی میں چلی گئی۔ وہ سویا نہیں تھا۔ میں نے اُس کو آواز دی تو وہ میرے پاس آ گیا۔ میں نے اُس کو کہا کہ وہ پاؤں کی آواز نہ نکالے اور نکل جائے۔ میں نے اُس کو بتایا کہ ڈیوڑھی کا دروازہ کھول آئی ہوں....

"اُس نے کہا کہ زندہ رہا تو تمہارے احسان کا بدلہ دوں گا۔ میں نے اُس کو کہا کہ تم صرف یہ بدلہ دے دینا کہ کبھی پکڑے گئے تو مجھ کو بدنام نہ کرنا۔ تمہاری زبان سے یہ آواز نہ نکلے کہ میرا تمہارا تعلق رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ تم کو ہمیشہ یاد رکھوں گا اور تم کو بدنام نہیں ہونے دوں گا....

"وہ نکل گیا۔ مجھ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے میرا دم گُھٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گی۔ خوف سے میرے قدم نہیں اُٹھتے تھے۔ میں نے کوٹھڑی کا دوسرا دروازہ کھول دیا اور اُس کمرے میں جا کر دریچے کا کواڑ بھی کھول دیا۔ میں کوٹھڑی میں آئی اور دوسرے کمرے میں جا کر کوٹھڑی کے دروازے کی زنجیر لگا دی پھر باہر آ کر بڑے دروازے کے کمرے کی زنجیر لگا دی پھر ڈیوڑھی کا دروازہ بند کیا اور جب میں اپنی چارپائی پر جا کر لیٹی تو مجھ کو سکون آیا لیکن میرے آنسو نکل آئے....

"صبح سب سے پہلے میرے خاوند نے کہا کہ وہ کافر نکل گیا ہے۔ میں

دوڑی گئی اور کہا کہ وہ کدھر سے نکل سکتا تھا۔ پلنگوں اور چارپائیوں کے نیچے دیکھو۔ کہیں چھُپ گیا ہُوگا۔ اُدھر سے کپتان صاحب آگئے۔ جب انہوں نے دریچے کا کواڑ کھُلا دیکھا تو انہوں نے کہا کہ وہ اِدھر سے گیا ہے۔ دریچے والے کمرے اور کوٹھڑی کے درمیان والا دروازہ دیکھا تو اس کی زنجیر اُتری ہوئی تھی۔ مجھ کو یہ فکر لگ گیا کہ پچھلے صحن میں جو نوکر رات کو سوتا تھا، وہ کہے گا کہ اس صحن کے دروازے کی زنجیر لگی ہوئی تھی اور صبح اُس نے خود کھولی تھی۔ دیوار اتنی اونچی ہے کہ اسے بغیر سیڑھی کے کوئی نہیں پھاند سکتا....

"خُدا نے میرے خاوند اور کپتان صاحب کی عقل پر ایسا پردہ ڈالا کہ اُن کو خیال ہی نہ آیا کہ اُدھر کا دروازہ صبح کھُلا ہُوا تھا یا بند تھا... میں خوش ہُوئی کہ میرا راز اس شخص کے ساتھ ہی چلا گیا ہے لیکن یہ لوگ اُس کے پیچھے چلے گئے اور اُس کو پکڑ کر لے آئے۔ اب میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"غم نہ کرتا جی!" ——— میں نے کہا۔

"کیا آپ ایک کام نہیں کرسکتے؟" ——— اُس نے پوچھا اور کام یہ بتایا ——— "آپ اُس کو گرفتار نہ کریں۔ اُس کو اللہ ضرور سزا دے گا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو مجھ کو بدنام کردے گا۔"

"وہ کس کس کو بدنام کرے گا تاجی!" ——— میں نے کہا ——— "اس طرح کے مجرم اپنا جادو اُسی گھر پر چلاتے ہیں جس گھر میں پیسہ ہو یا جس گھر میں خوبصورت لڑکی ہو۔ وہ معلوم نہیں کتنے گھروں کو ناپاک کرگیا ہے۔ تمہارے ساتھ اُس کی دشمنی تو نہیں تھی.... تم فکر نہ کرو۔ وہ پکڑا جائے یا نہ پکڑا جائے، میں تم کو بدنام نہیں ہونے دوں گا۔"

میری دلچسپی کم ہوگئی

میرا یہ شک بالکل ٹھیک نکلا کہ اُس کو بھگایا گیا ہے۔ میں نے تاجی سے اور بھی بہت سی باتیں پوچھیں۔ مجھ کو یہ شک ہو رہا تھا کہ تاجی کو

پہلے سے معلوم تھا کہ ملزم جعلی پیر ہے اور تاجی اُس کو جانتی تھی اور اُس کے ساتھ عیش و عشرت کرنے کے واسطے اس ڈرامے میں شامل ہوگئی تھی۔ میں نے اس شک کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ بہت غور کیا۔ مجھ کو یہ شک صحیح نظر نہ آیا اور میں نے اس کو دماغ سے نکال دیا۔

میں نے اُس گھر کے آدمیوں اور عورتوں کو بلایا جس گھر میں وہ اُس گاؤں میں آتے ہی ٹھہرا تھا۔ اِس گھر میں اُس نے جو فراڈ کھیلے وہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ میں اگر اُس کی نوسربازی کی کہانیاں سنانی شروع کردوں تو یہ بات کہیں ختم ہی نہیں ہوگی اور میں آپ کو جو ڈرامہ سنانا چاہتا ہوں وہ بہت دُور چلا جائے گا۔

میں نے وہ دن اُس گاؤں میں گذارا اور رات کو میں اپنے تھانے میں چلا گیا۔ دوسرے دن علاقے کے نمبرداروں اور چوکیداروں کو بلایا اور اُن سے پوچھ گچھ کی۔ مجھ کو پتہ چلا کہ وہ سات آٹھ گاؤں میں پھر گیا ہے۔ ہر گاؤں میں وہ دو دو اور بعض گاؤں میں تین تین گھروں میں ٹھہرا۔ یہ سب گھر اُن گھروں میں سے تھے جن کے بیٹے وغیرہ فوج میں بھرتی ہو کر کسی نہ کسی فرنٹ پر گئے ہُوئے تھے۔

میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس علاقے کے غنڈے بدمعاش اُس کے ساتھ ہیں لیکن مجھ کو کوئی اشارہ نہیں مل رہا تھا۔ یہ بہت ہی مشکل تفتیش تھی۔ میں نے علاقے کے رجسٹرڈ بدمعاشوں، جرائم پیشہ آدمیوں کو تھانے بلا کر ہر طرح سے پوچھ گچھ کی لیکن ذرا سا بھی سراغ نہ ملا۔ اس دوران کوئی نہ کوئی نمبردار ایک دو آدمیوں کو ساتھ لے آتا اور یہ آدمی ملزم کے فراڈ کی ایک اور کہانی سنا جاتا۔ نمبرداروں سے مجھ کو پتہ لگا کہ کئی آدمی ملزم کی نوسربازی کا شکار ہُوئے تھے لیکن وہ شرمساری کی وجہ سے تھانے نہیں آتے تھے۔

میں نے نمبرداروں کو تنگ آکر کہا کہ آئندہ وہ میرے پاس ایسے کسی شخص کو نہ لائیں جو صرف یہ بتانا چاہتا ہو کہ اُس کے ساتھ بھی ملزم نے دھوکہ

کیا ہے۔ میں نے کہا کہ کوئی سراغ ملے تو مجھ کو بتاؤ۔

پولیس کے ذرائع ایسے ہوتے ہیں جو زمین کے نیچے سے بھی بھید نکال لاتے ہیں۔ ایسے بھی مخبر ہوتے ہیں جو اپنے ماں باپ اور سگے بھائیوں کی بھی مخبری کرتے ہیں۔ میں جن دنوں کی وارداتیں سنا رہا ہوں، اُن دنوں وارداتیں اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھیں جتنی آج ہوتی ہیں۔ ایک مہینے میں اتنی وارداتیں نہیں ہوتی تھیں جتنی آج کل ایک دن میں ہو جاتی ہیں۔ اس وجہ سے مخبری اور سراغرسانی کا کام خوش اسلوبی سے ہو جاتا تھا۔ دوسری وجہ تھی کہ انگریزوں کی حکومت تھی اور انگریز جرم کو برداشت نہیں کرتے تھے اور وہ کوتاہی کرنے والے تھانیدار کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

اس کے باوجود اُس ملزم کا اور اُس کے ساتھیوں کا کُھرا کھوج نہیں مل رہا تھا۔ اس سے مجھ کو یقین ہونے لگا کہ ملزم کسی اور علاقے کا تھا اور یہ بہت دُور کا کوئی علاقہ ہوگا۔ میرے پاس ملزم کی صرف یہ نشانی تھی کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہے۔ مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ ملزم اپنا حُلیہ بدل لے گا لیکن وہ اپنی خراب آنکھ کو نہیں بدل سکتا تھا۔ میں نے سوچ لیا کہ اس کیس کو عدم پتہ قرار دے کر ختم کر دوں گا۔

کیپٹن کی چھٹی ختم ہو گئی۔ روانگی سے ایک روز پہلے وہ تھانے میں آیا۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ آیا تھا اور اُس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ملزم کا سراغ ملا ہے یا نہیں۔ اب آیا تو اس نے جواب طلبی کے لہجے میں مجھ سے پوچھا کہ ملزم کا سراغ ابھی تک کیوں نہیں ملا۔ میں نے شرافت سے اُس کو بتایا کہ ایسے ملزم کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔

"پھر تم تنخواہ کس چیز کی لے رہے ہو؟" ــــ اُس نے فوجی رعب سے کہا ــــ "سراغ لگانا کیوں آسان نہیں ہوتا؟"

"اس لیے آسان نہیں ہوتا کہ لوگ اِن مجرموں کو اپنے گھروں میں رکھتے ہیں اور خدا کو بھول کر اِن کی عبادت کرتے ہیں" ــــ میں نے کہا ــــ "اور ان کو خوش کرنے کے لیے اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو اُن کے پاس

بٹھا دیتے ہیں۔ پھر شرمساری سے پولیس سے اصل باتیں چھپاتے پھرتے ہیں۔ کیا آپ نے اپنے بھائی کے گھر میں تفتیش کی ہے کہ اس مجرم کو گھر سے کس نے بھگایا ہے؟"

اُس نے اپنا رعب قائم رکھنے کی کوشش کی جو میں نے ایک دو اور کھری کھری سنا کر ناکام بنا دی۔ میں نے اس کو یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ تم سب لوگ اس جرم میں شریک ہو۔ ہندوؤں کی طرح جس کو دیکھتے ہو کہ اس کے پاس شاید کوئی غیبی طاقت ہے تو اُس کو اپنا پیغمبر بنا لیتے ہیں۔

اُس کو تو میں نے ٹرخا دیا لیکن میرا مسئلہ ابھی وہیں کا وہیں تھا۔ کیس کو عدم پتہ قرار دینے کے لیے بھی مجھ کو بڑی مضبوط زمین اور قابلِ اعتبار وجہ کی ضرورت تھی۔ یہ ثابت کرنا تھا کہ کیس واقعی عدم پتہ ہے۔

بہو کو اولاد نہیں ہوتی

ایک مہینہ گزر گیا۔ تھانے میں صرف یہی ایک کیس نہیں تھا اور بھی کیس تھے۔ عدالتوں میں گواہیوں کے واسطے بھی جانا پڑتا تھا۔ ایک مہینہ گزرا تو اس کیس میں میری دلچسپی کم ہو گئی۔

میں آپ کو ایک بات اور بتاتا ہوں۔ جس طرح جرائم پیشہ لوگوں، خاص کر بڑے ڈاکوؤں اور رہزنوں نے علاقے بانٹے ہوئے ہوتے ہیں، اسی طرح دیہاتی علاقوں میں پیروں نے اپنے اپنے حلقے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنے علاقے کو ہر پیر ولائت کہتا ہے۔ کوئی پیر دوسرے پیر کی ولائت میں نہیں جاتا۔ میں حیران تھا کہ ایک جعلی پیر اس علاقے میں پھرتا رہا اور کسی پیر نے اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ مجھ کو بتایا گیا کہ ملزم جن گاؤں میں گیا تھا وہاں قریب کوئی بڑا پیر نہیں۔ کچھ دُور ایک پیر ہے جس کے یہ لوگ مرید ہیں۔ البتہ چھوٹے چھوٹے شاہ موجود ہیں۔

دس بارہ دن مزید گزر گئے تو میرے علاقے کے ایک گاؤں میں لڑائی

ہوگئی۔ دو آدمی ذرا زیادہ زخمی تھے اور تین چار آدمیوں کو معمولی زخم آئے تھے جن کو پولیس کی زبان میں خفیف زخم کہا جاتا ہے۔ دونوں پارٹیاں آپس میں قریبی رشتہ دار تھیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے دونوں پارٹیاں تھانے میں آگئیں۔ اکثر تھانیدار کوشش کرتے ہیں کہ ایسے فریقوں کا راضی نامہ کرا دیا جائے۔ میں نے بھی راضی نامے کی کوشش کی لیکن دونوں پارٹیاں غصے میں تھیں۔

میں نے ان کو سمجھایا کہ ایک دوسرے کے خلاف پرچہ کرانے کا نتیجہ کیا ہوگا مگر وہ سمجھ نہیں رہے تھے۔ میں نے نمبردار سے رپورٹ لی۔ اُس نے کہا کہ ان لوگوں کو ڈرانا ضروری ہے، پھر ان کا راضی نامہ کرا دیں۔ بات معمولی تھی۔ کوئی گھریلو جھگڑا تھا۔ میں نے زخمیوں کو ہسپتال مرہم پٹی اور زخموں کی بابت ڈاکٹری رپورٹ کے لیے بھیج دیا۔

وہ سب جب ہسپتال سے واپس آئے تو میں نے ان کو پھر سمجھایا اور ان سے پوچھا کہ جھگڑا کیا ہے۔ دونوں فریقوں نے بڑھ چڑھ کر جھگڑے کی وجہ بیان کی۔ میں نے اِن کو سبق سکھانے کے لیے کہا کہ اگر ایک دوسرے کے خلاف مقدمے کرنا ہی چاہتے ہیں تو اُن کی عورتوں کو برائے گواہی و تفتیش تھانے بلاؤں گا۔ ان کا جھگڑا گھریلو تھا۔ ایک جوان لڑکی کو سسرال والے اس واسطے تنگ کرتے تھے کہ اُس کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ لڑکی نے تنگ آکر اپنے بھائی کو بتایا۔ بھائی نے اپنی بہن کے خاوند کو للکارا اور دونوں پارٹیوں میں کلہاڑیاں ادر اور لاٹھیاں چل گئیں۔

مجھ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ راضی نامہ کر ہی لیں گے لیکن اپنی ناک کی خاطر نہیں مان رہے۔ میں نے اُن کو یہ بتانے کے واسطے کہ تھانے میں بے عزتی بھی ہوتی ہے، ان لوگوں سے کہا کہ متعلقہ لڑکی، اُس کی ماں اور اُس کی ساس کو تھانے لے آؤ۔ میں اُن کے بیان لے کر مقدمے درج کروں گا۔

یہ کیس میرے لیے کوئی کیس نہیں تھا۔ پنجاب کے اس علاقے میں ایسے کیس آتے ہی رہتے تھے۔ چائے پانی کے شوقین چھوٹے اور بڑے تھانیدار اس علاقے میں بہت خوش رہتے تھے۔ دونوں پارٹیاں بڑھ چڑھ کر بولی دیتی

تھیں۔ خدمت خاطر الگ ہوتی تھی۔ میں اس معاملے میں بڑا ہی بُزدل تھا۔ اس قسم کے بُزدل آدمی کو شریف آدمی کہا جاتا ہے۔ میں اس جھگڑے کو کیس کی شکل دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ عورتوں کو بلانا رسمی سی کارروائی تھی لیکن مجھ کو معلوم نہ تھا کہ یہ جھگڑا میرے واسطے باعثِ رحمت بن جائے گا اور جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو یہ کہانی آپ کو سناؤں گا۔

میں نے جن عورتوں کو طلب کیا تھا وہ شام کو آئیں اور میں نے انہیں دانستہ انتظار میں بٹھائے رکھا۔ میرے دماغ میں ایسا خیال بالکل نہیں تھا کہ میں ان عورتوں کی بے عزتی کروں گا۔ میرا ارادہ اور مقصد صرف یہ تھا کہ اِن لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔

رات کے شاید آٹھ بج رہے تھے۔ میں نے سب سے پہلے اُس لڑکی کو بُلا کر اپنے دفتر میں بٹھایا۔ وہ لڑکی نہیں جوان عورت تھی۔ یہ دونوں اونچی ذات کے خاندان تھے۔ اس عورت کا نام آپ پروین سمجھ لیں۔ اچھے قد کاٹھ کی عورت تھی۔ بہت خوبصورت تو نہیں تھی مگر اُس میں کشش تھی۔

"یہ کیا جھگڑا ہے پروین!" ــــ میں نے اُس سے پُوچھا ــــ "کیا تمہاری ساس تم کو اتنا زیادہ تنگ کرتی ہے کہ مردوں نے ایک دوسرے کا خون بہا دیا ہے؟"

"نہ جی!" ــــ پروین نے جواب دیا ــــ "ساس مجھ کو اس طرح تنگ نہیں کرتی جس طرح ساسیں اپنی بہوؤں کے ساتھ بلاوجہ بَیر رکھ لیتی ہیں۔ میرا معاملہ کچھ اور ہے۔ میں سترہ سال کی تھی تو میری شادی کر دی گئی۔ پانچ سال ہو گئے ہیں بچہ کوئی نہیں ہُوا۔"

"خاوند میں گڑبڑ ہے؟"

"نہ جی! ...." اُس نے کہا ــــ "یہ قسمت کی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ مجھ کو خاوند کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ میں اُس سے ہر لحاظ سے مطمئن ہوں۔ یہ تو قسمت کا ہیر پھیر ہے .... ایک سال سے میری ساس

اور میری ماں پیروں فقیروں اور خانقاہوں پر ماری ماری پھر رہی ہیں۔ مجھ کو مزاروں اور مقبروں کی مٹی کھلاتی رہتی ہیں۔ ہمارے گاؤں کے قریب ایک شاہ رہتا ہے۔ اُس کے مکان کے اِردگرد تین چار اور مکان ہیں جن میں اس شاہ کے رشتہ دار رہتے ہیں۔ پہلے ہم شاہ کو اس طرح جانتے تھے کہ دوا دارُو دیتا تھا۔ بچھّو یا سانپ ڈس لے تو اس کا علاج کرتا تھا۔ سَر درد کا دم کرتا تھا اور تعویذ بھی دیا کرتا تھا۔ چار پانچ مہینوں سے اُس کو شہرت مل گئی کہ اُس کے قبضے میں جن آ گئے ہیں جو اُس کا ہر کام کرتے ہیں۔ پھر یہ مشہور ہُوا کہ اُس کے تعویذوں اور دم دُرود سے دو ایسی عورتوں کو بچے پیدا ہُوئے ہیں جن کی عمریں تیس سال سے زیادہ ہو گئی تھیں....

"میں نے اِس شاہ کو دیکھا ہُوا تھا معلوم نہیں یہ شخص میرے دل کو کیوں بُرا لگتا تھا۔ اب کوئی تین مہینے ہُوئے میری ساس مجھ کو اُس کے پاس لے گئی اور اُس کو ایک روپیہ دے کر کہا کہ میری بہو کو اولاد نہیں ہوتی۔ شاہ نے دونوں ہاتھوں سے میرا چہرہ تھام لیا اور اپنے منہ کے قریب کر لیا۔ اُس کے مُنہ سے ایسی بدبو آئی کہ مجھ کو چکر آ گیا۔ اُس روز اُس نے اتنی سی حرکت کی اور ایک تعویذ دے کر کہا کہ پانی میں گھول کر اسے پلا دو۔ اُس نے تین روز بعد آنے کو کہا....

"میں نے گھر آکر تعویذ پی لیا۔ تین دنوں بعد میری ساس پھر مجھ کو اُس کے پاس لے گئی۔ یہ شاہ جو پہلے مجھ کو بُرا لگتا تھا، اب اچھا دکھائی دینے لگا۔ وجہ یہ تھی کہ اولاد کی سب سے زیادہ خواہش تو مجھ کو تھی۔ میرے دل میں امید پیدا ہو گئی کہ اس شاہ کے تعویذوں سے مجھ کو اللہ بچہ دے گا اب اُس کے پاس گئی تو اُس نے پھر میرا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور میری دونوں آنکھوں میں پھونکیں ماریں۔ اُس نے کہا کہ اِس لڑکی پر سایہ ہے۔ اُس نے دو تعویذ دیئے۔ ایک گلے میں باندھنے کے واسطے اور ایک پینے کے واسطے۔"

میں تم کو بچّہ دوں گا

اِس لڑکی کی باتیں پختہ تھیں اور اتنی کم عمر میں اُس کو اپنے اوپر پُورا اعتماد تھا۔ یہ تو میری زندگی کا تجربہ ہے اور نفسیات کے عالم بھی یہی کہتے ہیں کہ دل اور دماغ میں ناپاک خیال نہ ہوں، نیّت صاف ہو اور کردار پاک ہو تو خود اعتمادی اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے یہ وصف اس لڑکی میں دیکھا۔ میں نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی اور اُس پر تھانیداری کا رعب نہ جمایا۔ اس وجہ سے وہ بے تکلفی سے بولتی رہی۔ اُس کا بیان بہت لمبا تھا۔ مجھ کو تھانیدار کی حیثیت سے اُس کے اتنے لمبے بیان کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں ذاتی دلچسپی سے اُس کا بیان سُنتا رہا۔ میں آپ کو اتنی لمبی بات نہیں سناؤں گا۔ موٹی موٹی باتیں سنا دیتا ہُوں۔

اُس کا خاوند اُس کو کہتا رہتا تھا کہ وہ شاہ کے پاس جاتی رہا کرے وہ شاہ کو ضرورت سے زیادہ مانتا تھا۔ پہلے ساس پروین کو ساتھ لے کر شاہ کے پاس جاتی تھی۔ پھر شاہ کے کہنے پر پروین اکیلی جانے لگی۔ شاہ اُس پر کوئی عمل کرتا تھا۔ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ شاہ خوش طبع آدمی تھا۔ پروین اُس کے ساتھ بے تکلف ہو گئی تھی۔ ایک روز پروین نے شاہ کو کہا کہ اُس کی مُراد کب پوری ہو گی؟ ابھی تک کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ شاہ نے پروین کو جو جواب دیا، وہ شاید آپ کو حیران کر دے۔

"میں تم کو صاف صاف بتا دیتا ہوں پروین!" ــــ شاہ نے اُس کو کہا ــــ "تم میرے دل کو بہت اچھی لگتی ہو اس واسطے میں تم کو دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔ دُور دُور تک تم کو کوئی ایسا پیر نہیں ملے گا جو کسی عورت کو تعویذوں اور پھونکوں سے بچّہ دے دے۔ ایسی خدائی طاقت کسی کے پاس نہیں۔ تمہارا خاوند ویسے تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ تم کو وہ جسمانی خوشی اور اطمینان دے دیتا ہے لیکن وہ بچّہ

پیدا نہیں کر سکتا۔ میں تم کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم نے بچہ نہ پیدا کیا تو تمہاری ساس تم کو طلاق دلا دے گی۔ بچہ نہ پیدا کرنے کا جرم عورت کے کھاتے میں لکھا جاتا ہے۔ مرد کبھی نہیں مانتا کہ اُس میں کوئی خرابی ہے۔ تم کو اگر طلاق مل گئی تو تمہارے ساتھ کوئی آدمی شادی نہیں کرے گا۔ اپنی عمر دیکھو۔ ابھی تو تم پوری طرح جوان بھی نہیں ہوئیں۔"

"شاہ جی!" ــــ پروین نے کہا ــــ "آپ مجھ کو ڈرا رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اپنا پیر اُستاد مانا اور آپ بڑی ڈراؤنی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ شاید کوئی خاص بات بتانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں پروین!" ــــ شاہ نے کہا ــــ "میں تم کو خاص بات بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تم کو بچہ دوں گا جو میرا بچہ ہو گا اور تمہارا خاوند اُس کو اپنا بچہ سمجھے گا۔"

پروین نے مجھ کو بتایا کہ اُس کو اس طرح لگا جیسے شاہ نے اُس کے دل میں چاقو مار دیا ہو۔ اُس کو شاہ پہلے کی طرح پھر بُرا لگنے لگا۔ اُس نے شاہ کو کہا کہ وہ اپنے خاوند کی امانت میں خیانت نہیں کرے گی۔ شاہ نے اُس کو کہا کہ جو عورت کہتی ہے کہ اُس کو اُس کے پیر نے بچہ دیا ہے تو یہ سمجھ لو کہ یہ تعویذوں کا نہیں پیر کا بچہ ہے۔ پروین کا دماغ روشنی میں آ گیا۔ اُس نے شاہ کو ایک بار پھر کہا کہ وہ زہر کھا کر مر جائے گی، اپنا جسم کسی غیر مرد کے حوالے نہیں کرے گی۔

شاہ نے اُس کو دھمکی دی کہ وہ اُس کی بات نہیں مانے گی تو شاہ اُس کی ساس کو اور اس کے خاوند کو کہے گا کہ یہ لڑکی کسی غیبی پیر کی بد دعائی ہوئی ہے اور اس کی گود کبھی ہری نہیں ہو گی اور اس پر جو سایہ ہے وہ کچھ عرصے بعد پورے گھر کو تباہ کر دے گا۔

پروین کی غیرت جاگ پڑی۔ وہ گھر آ گئی۔ پھر اُس نے شاہ کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ ساس اور خاوند شاہ کے پاس جاتے رہے۔ دونوں پروین کو جانے کے لیے کہتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھی۔ جس طرح عدالت کی بہن کسی کو بتانے سے ڈرتی تھی کہ پیر نے اُس پر دست درازی کی ہے، اسی طرح پروین جب دیکھتی تھی کہ اُس کی ساس اور خاوند شاہ کو کتنی زیادہ عقیدت سے چاہتے ہیں تو

وہ انہیں شاہ کی اصلیت بتانے سے ڈرتی تھی، پھر بھی وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساس نے اُس کو بہت بُرے طعنے دینے شروع کر دیئے اور اُس کو طلاق کی دھمکیاں بھی دیں۔ خاوند نے بھی اُس کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔

ایک روز پروین نے خاوند کو کہہ ہی دیا کہ شاہ بہت بُرا آدمی ہے۔ پروین نے یہ بھی بتایا کہ شاہ نے اُس کو کیا کہا تھا۔ خاوند پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے پروین کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور کہا کہ شاہ جی ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ لڑکی بد دعائی ہوئی ہے۔ خاوند نے پروین کو حکم دیا کہ آج ہی شاہ جی کے پاس جاؤ اور اُن سے معافی مانگو۔

پروین کا دماغ پھر گیا۔ غصّے سے وہ پاگل ہو گئی۔ اُس نے پکا فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی رات شاہ کے پاس جائے گی اور اُس کو کہے گی کہ میری کوکھ سے بچہ پیدا کرو۔ اُس نے خاوند کو کہا کہ وہ آج رات شاہ کے گھر جائے گی۔ خاوند نے اُس کو کہا کہ رات کو کیوں جاؤ گی، دن کو جاؤ۔ پروین نے اُس کو کہا کہ شاہ جی نے کہا تھا کہ مجھ پر جو عمل وغیرہ کرنا ہے وہ رات کو کیا جاتا ہے، دن کو اثر نہیں ہوتا۔

خاوند نے بڑی خوشی سے اُس کو جانے کی اجازت دے دی۔

گناہ کرنے جا رہی تھی

"شاہ کا گھر دُور نہیں تھا" ــــ پروین نے مجھ کو سنایا ــــ "میں راستے میں روتی رہی۔ میں خاوند یا ساس کے ڈر سے یا طلاق کے خوف سے شاہ کی خواہش پوری کرنے نہیں جا رہی تھی۔ میرے دل میں انتقام کی آگ لگ گئی تھی۔ میں کہتی تھی کہ میرے خاوند کو اپنی عزت اور غیرت کی جگہ بچہ چاہیئے تو میں اُس کو بچہ دوں گی۔ اگر میں اپنے دل کی مرضی سے بدکاری کرنے جاتی تو کسی ایسے آدمی کے پاس جاتی جو میری پسند کا ہوتا۔ میرا خاوند تو مان ہی نہیں رہا تھا کہ شاہ بدکار اور کمینہ آدمی ہے۔ میں نے اُس کو کہا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے ہیں، اگر بچہ نہیں ہوتا تو اس میں نہ تمہارا قصور ہے نہ میرا۔ یہ تو اللہ کے

اختیار میں ہے۔ میرے خاوند نے کہا تھا کہ جو مرد باپ نہ بن سکے اُس کی مردوں میں عزت نہیں رہتی۔۔۔

"شاہ کا گھر قریب آگیا تو میرے قدم رُک گئے۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا اور میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ میرے مُنہ سے فریاد نکلی — 'تو نے میری قسمت میں کیا لکھ دیا ہے نیلے آسمان والے! تو دیکھ نہیں رہا تیرے گناہگار بندے کیا کر رہے ہیں' — خُدا کے سوا میں اور کِس کے آگے فریاد کر سکتی تھی میں نے فریاد کی لیکن اللہ مجھ کو معاف کرے، میں تو گناہ کرنے جا رہی تھی، میں نے خُدا کو دل اور زبان سے اتار دیا اور میں شاہ کے دروازے پر پہنچ گئی۔۔۔۔

"دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دو مرتبہ ہاتھ مارا۔ دروازہ شاہ نے کھولا اور غصّے سے بولا — 'کون ہے تو، اس وقت کیا لینے آیا ہے؟' — مجھ کو دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔ میں نے کہا، شاہ جی! میں آ گئی ہوں۔ اُس نے کہا — 'مجھ کو معلوم تھا تم ضرور آؤ گی' — اُس نے مجھ کو بازو سے پکڑ کر ڈیوڑھی میں کر لیا اور ذرا اونچی آواز میں بولا — 'اپنا ہی بندہ ہے' — ڈیوڑھی میں اندھیرا تھا — ڈیوڑھی میں ایک کمرے کا دروازہ تھا جو کھُلا ہُوا تھا۔ کمرے میں لالٹین کی روشنی تھی۔ شاہ نے مجھ کو ڈیوڑھی میں روک کر کہا کہ آؤ، میں تم کو ایک کمرے میں بٹھا دیتا ہوں۔ وہاں تھوڑی دیر میرا انتظار کرنا۔۔۔۔

"وہ ڈیوڑھی کے باہر والے دروازے کی زنجیر چڑھانے لگا تو میں نے ساتھ والے کمرے میں دیکھا۔ ایک آدمی فرش پر بیٹھا تھا اور ایک بوڑھا نائی جو ہمارے گاؤں کا ہے اُس آدمی کے بال قینچی سے کاٹ رہا تھا۔ پہلے میں سمجھی کہ یہ آدمی نہیں عورت ہے۔ میں اُس کو عورت اس وجہ سے سمجھی کہ اُس کے بال عورتوں کی طرح لمبے تھے۔ نائی سر کے قریب سے بال کاٹتا جا رہا تھا اور لٹیں گر رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ بال کٹوانے والے کی داڑھی لمبی تھی۔

"شاہ مجھ کو کندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈیوڑھی میں سے اندر ایک اور کمرے میں

لے گیا۔ اُس نے ماچس جلا کر لالٹین جلائی۔ کمرے میں ایک پلنگ پڑا تھا۔ مجھ کو اُس پر بٹھا کر شاہ نے کہا کہ اُس کو تھوڑی دیر لگے گی اور میں بے خوف ہو کر بیٹھی رہوں۔ وہ کمرے سے نکل گیا تو میرا دم اس طرح گھٹنے لگا جیسے مجھ کو اپنے خاوند نے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا ہو۔ مجھ کو اس طرح بھی محسوس ہُوا کہ یہ شاہ مجھ کو زبردستی گھر سے اٹھا لایا ہے، یا ایسے بھی لگتا تھا جیسے مجھ پر کوئی اور ہی اثر ہو گیا ہے اور میں اس کے آگے مجبور اور بے بس ہوں۔۔۔۔

"میں نے ایک بار پھر خدا کو یاد کیا اور میں رو پڑی۔ میرے دماغ میں بڑی صاف روشنی آ گئی۔ مجھ کو خیال نہیں کہ میں وہاں کتنی دیر بیٹھی رہی تھی۔ کسی چیز نے مجھ کو دھکا دے کر پلنگ سے اٹھا دیا۔ میں کمرے سے نکل آئی اور ڈیوڑھی میں آ گئی۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں باہر والے دروازے کی زنجیر کھول رہی تھی کہ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھُلا۔ شاہ مجھ کو دیکھ کر ڈیوڑھی میں آ گیا۔ حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کہاں جا رہی ہو۔ میں نے بڑے آرام سے کہا، ابھی آتی ہوں، دروازہ کھُلا رکھنا۔ اُس نے مجھ پر اعتبار کر لیا اور میں باہر آ گئی۔"

اس لڑکی کا دماغ تو خدا نے روشن کر دیا تھا لیکن لڑکی نے میرے دماغ کو بھی روشن کر دیا — اس کے بیان سے میری توجہ ہٹ گئی۔ مجھ کو کچھ اور یاد آ گیا تھا۔ اُس نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ ڈیوڑھی میں ایک آدمی بیٹھا ہُوا بال کٹوا رہا تھا اور اُس کے بال عورتوں کی طرح لمبے تھے اور اُس کی داڑھی بھی تھی۔

"ایک بات بتاؤ پروین!" — میں نے اُس سے پوچھا — "تم جب ڈیوڑھی سے نکل رہی تھیں اور شاہ نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا تو تم کو وہ آدمی نظر نہیں آیا تھا جس کے بال نائی کاٹ رہا تھا؟"

"ہاں ہاں" — پروین نے کہا — "معلوم نہیں وہ کون تھا۔ نائی اُس کے بال کاٹ کر آپ کے بالوں جتنے کر چکا تھا اور اب نائی اُس کی داڑھی مشین سے مونڈ رہا تھا۔ ایک طرف سے داڑھی صاف ہو چکی تھی۔"

"اُس کی ایک آنکھ پر ہرے کپڑے کا ٹکڑا بندھا ہُوا تھا؟" — میں نے پوچھا۔

"اتنی باریکی نظر نہیں آئی" ـــــ پروین نے جواب دیا اور پوچھا ـــــ "آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ وہ کوئی خاص آدمی تھا؟"

میں نے پروین سے پوچھا کہ کتنے دن پہلے کا واقعہ ہے؟ اُس نے سوچ کر اور یاد کر کے بتایا۔ میں نے حساب لگایا۔ ایک مہینے سے دو چار دن اوپر ہو گئے تھے۔ یہ وہی دن بنتے تھے جب جعلی پیر کیپٹن کے بھائی عدالت کے گھر سے بھاگا تھا۔

اس کے بعد پروین نے جو بیان دیا وہ میں نے پوری توجہ سے نہیں سُنا۔ مجھ کو آج اتنا ہی یاد ہے کہ اُس نے گھر جا کر اپنے خاوند اور ساس کو بتایا تھا کہ وہ شاہ کے گھر سے ہو آئی ہے اور اُس نے ایک وظیفہ بتایا ہے۔ پھر شاہ نے شاید اس کی شکایت کی تھی اور ساس اور خاوند نے اس کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔

پروین نے آخر تنگ آ کر اپنے دونوں بھائیوں کو بتا دیا کہ اُس کی ساس اور اُس کے خاوند نے اُس کا کیا حال کر رکھا ہے۔ پروین نے بھائیوں کو یہ بھی بتایا کہ شاہ اُس کو کیا کہتا ہے۔ بھائیوں نے بہن کی زبان سے یہ الفاظ سُنے تو انہوں نے اُسی وقت اُس کے خاوند کے ساتھ جا کر بات کی اور اُس کو بے غیرت تک کہہ ڈالا۔ بھائی اپنی بہن کو اپنے گھر لے آئے اور اس پر پروین کے بھائیوں اور اُس کے خاوند کی لڑائی ہو گئی۔ دونوں طرفوں کے آدمی نکل آئے اور لڑائی بڑھ گئی۔

لڑائی جھگڑے کے اِس کیس کو یہیں رہنے دیں۔ میں نے ان کا راضی نامہ کرا دیا تھا۔ جب پروین کا بیان پورا ہو گیا تو میں نے اُس کے خاوند کو جو دوسروں کی نسبت زیادہ زخمی تھا، بلا کر شرمسار کیا اور اُس کو کہا کہ میں اُس کو اس شاہ کی اصلیت دکھا دُوں گا۔ میں نے اِن سب کو گاؤں چلے جانے کو اور دوسرے دن آنے کو کہا۔

میری عزت کا خیال رکھیں

وقت دیکھا۔ مجھ کو آج تک یاد ہے، رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ میرے دماغ میں یہ بات اٹک گئی تھی کہ جعلی پیر کے بال کندھوں سے نیچے تک لمبے اور سیاہ داڑھی بتائی گئی تھی اور گاؤں کا نائی ایک آدمی کے لمبے بال کاٹ رہا تھا پھر اُس نے مشین سے اُس کی داڑھی مُونڈھ دی۔ دن وہی تھے جب وہ جعلی پیر بھاگا تھا۔

میں نے پروین سے اُس نائی کا نام معلوم کر لیا تھا۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل اور چار کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر میں شاہ کے گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ ایک مہینے سے زیادہ پرانی بات ہے، وہ آدمی نہیں مل سکے گا۔ اُس کی یہ نشانی بھی تھی کہ اُس کی ایک آنکھ خراب تھی جو پروین نہیں دیکھ سکی تھی، پھر بھی میرے دل سے آواز آ رہی تھی کہ یہ وہی آدمی ہے۔ اتنے لمبے بال اور داڑھی منڈھوانا بے معنی نہیں تھا۔

شاہ کا گاؤں زیادہ دُور نہیں تھا۔ وہاں پہنچے تو گاؤں کے کُتوں نے میرا استقبال کیا۔ نمبردار کو جگایا اور اُسے نائی کا نام بتا کر کہا کہ اُسے جگا لائے

لڑائی والی پارٹیاں ہمارے پیچھے پیچھے گاؤں میں پہنچیں۔

ایک بوڑھا نائی نمبردار کے ساتھ دوڑتا آیا اور اُس نے دونوں ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سلام کیا۔ میں نے اُس کو کہا کہ ایک مہینہ پہلے اُس نے شاہ کے گھر رات کو ایک آدمی کے بال کاٹے اور داڑھی مُونڈھی تھی۔

"نہ حضور!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "میں نے تو کسی کے بال نہیں..."

میرے بڑے ہی زوردار تھپڑ نے اُس کا جواب پورا نہ ہونے دیا۔ تھپڑ اُس کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ ایک طرف جا پڑا۔ نمبردار نے مجھ کو خوش کرنے کے واسطے نائی کو بڑی زور زور سے ٹھڈ مارنے شروع کر دیئے اور اُس کو کہا ـــــ "جھوٹ بولتا ہے؟"

"اٹھاؤ اِس کو" ——— میں نے کہا ——— "میرے سامنے کھڑا کرو" ——— وہ میرے سامنے آیا تو میں نے اُس کو کہا ——— "پہلے یہ بتا کہ تو نے جھوٹ کیوں بولا ہے؟ دیکھ میں تیری ہڈیاں کس طرح توڑتا ہوں"۔

"حضور!" ——— بوڑھے نائی نے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا ——— "شاہ جی میرے مُرشد ہیں۔ میں اُن کی بددُعا سے ڈرتا ہوں۔ اُنہوں نے مجھ کو ایک روپیہ بھی دیا تھا اور کہا تھا کہ کسی کو بتانا نہ کہ تم نے میرے گھر میں کسی کے بال کاٹے تھے۔ انہوں نے مجھ کو گھر سے بلایا تھا۔ میں انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا"۔

میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ اُس آدمی کی دونوں آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔ اُس کے کپڑے سفید تھے۔

"جب تم اُس کے بال کاٹ رہے تھے تو وہ اور شاہ کیا باتیں کرتے رہے تھے؟" ——— میں نے پوچھا۔

"وہ زیادہ تر خاموش رہے تھے" ——— بوڑھے نے جواب دیا ——— "وہ اس طرح باتیں کرتے تھے کہ مجھ کو اِن باتوں کا سر پیر نہیں ملتا تھا۔ شاہ جی نے اُس کو کہا تھا کہ فجر کی اذان سے پہلے نکل جانا۔ اُس آدمی نے کہا تھا کہ بلا ٹل گئی ہے۔ اب کوئی فکر نہیں"۔

"اس کے سر اور داڑھی کے بال کہاں پھینکے تھے؟" ——— میں نے پوچھا۔

"میں نے بال اپنے کپڑے میں اکٹھے کئے تو شاہ جی نے کہا کہ بال اس کپڑے میں باندھ کر مجھے دے دو" ——— بوڑھے نے جواب دیا ——— "میں نے بال اُس کو دے دیئے تھے۔ پھر شاہ جی نے مجھ سے قسم لی تھی کہ میں کسی کو بتاؤں گا نہیں"۔

میں نے اپنے آدمیوں کو، نمبردار، چوکیدار اور بوڑھے نائی کو ساتھ لیا اور شاہ کے گھر کو چل پڑے۔ میں نے سب کو پیچھے روک کر بٹھا دیا اور نمبردار کو کہا کہ وہ شاہ کے دروازے پر دستک دے۔ نمبردار نے دروازے پر ہاتھ مارے تو شاہ نے دروازہ کھولا۔ وہ غصے میں تھا کہ اُس کو جگایا گیا ہے۔ نمبردار نے اُس کو بازو سے پکڑا اور دروازے سے دُور لے آیا۔ میں نے آگے بڑھ

کر اُس کو سلام کیا اور اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ میرے کہنے پر وہ مجھ کو اندر لے گیا۔ میں اکیلا اندر گیا۔

"شاہ جی!" ——— میں نے اُس کو کہا ——— "کوشش یہ کریں کہ میرے ہاتھوں آپ کی عزت برباد نہ ہو۔ مجھ کو یہ بتا دیں کہ ایک مہینہ گزرا رات کے وقت ایک آدمی نے آپ کے گھر میں بال کٹوائے اور داڑھی صاف کرائی تھی، وہ آدمی کون تھا؟ اور یہ بھی بتائیں کہ وہ اب کہاں مل سکتا ہے"۔

اُس نے میرے منہ کی طرف یوں دیکھا جیسے میں نے اُس کو کوئی لطیفہ سنایا ہو۔

"ذرا جلدی بتائیں شاہ جی!"

"میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں" ——— اُس نے کہا ——— "میرے گھر میں کسی نے کبھی بال نہیں کٹوائے"۔

"سوچ کر جواب دیں شاہ جی!" ——— میں نے کہا ——— "میں آدھی رات کو آپ کے پاس ویسے ہی نہیں آگیا۔ جس نے بال کاٹے تھے، اُس کو ساتھ لایا ہوں اور جس نے اُس کو بال کاٹتے دیکھا تھا وہ بھی موجود ہے .... میں نے آپ کو کہا ہے کہ میرے ہاتھوں اپنی عزت برباد نہ کرائیں میں گارد ساتھ لایا ہوں۔ اس گھر کی تلاشی لوں گا اور جناب کو ہتھکڑی لگا کر تھانے لے جاؤں گا"۔

اُس نے پھر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کی۔

"اُس آدمی کا نام پتہ بتا دو" ——— میں نے اپنا لہجہ بدل کر کہا ——— "اور اُس کے بال جہاں دبائے تھے وہاں سے خود نکال دو.... فوراً.... اب زیادہ مہلت نہیں دوں گا"۔

اُس نے سر جھکا لیا۔

"کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟" ——— اُس نے پوچھا

"پہلے وہ بکو جو میں نے پوچھا ہے" ——— میں نے کہا ——— "وہ کون ہے؟"

"میری عزت کا خیال رکھیں" ——— اُس نے منت کی ——— "میں سب کچھ بتا دوں گا اور خدمت بھی کروں گا۔ اللہ کا دیا بہت ہے" ——— "کچھ اور

بک بک کے بعد اُس نے ایک قصبے کا نام لیا. جو وہاں سے آٹھ نو میل دُور تھا۔ کہنے لگا کہ وہ وہاں کا رہنے والا ہے۔

"اُسے جعلی پیر تم نے بنایا تھا؟"

اُس نے ہاں میں سر ہلایا اور اُس کا نام بتایا۔

اُس نے رشوت پیش کی

اس تفصیل کو آپ میرے تک رہنے دیں کہ میں نے اس شخص سے کس طرح اقبالِ جرم کرایا تھا۔ وہ تجربہ کار فراڈیا تھا۔ اس قماش کے لوگوں کے ساتھ پولیس والے ہی پورے اُتر سکتے ہیں۔ بات مختصر یہ ہے کہ اُس کو میں نے ایسا جال میں لیا کہ اُس نے جُرم کا اقبال کر لیا۔ اُس کا پورا بیان لینے سے پہلے میں نے اُس کو کہا کہ میں اندر سے اُس کا مکان دیکھوں گا۔ اُس نے منت کی کہ میں اُس کے اقبالی بیان پر ہی راضی ہو جاؤں۔ اس سے مجھ کو شک ہو گیا کہ یہاں کچھ اور بھی ہے۔

میں نے نمبردار، چوکیدار اور ایک اور آدمی کو بلا کر مکان کی تلاشی شروع کر دی۔ شاہ میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور منت کرنے لگا کہ میں تلاشی نہ لوں۔ میں نے اُس کو کہا کہ مجھ کو ملزم پیر کے سر اور داڑھی کے بال دے دے اور اگر اُس نے اپنی بائیں آنکھ پر کپڑا صرف بہروپ کے لیے باندھ رکھا تھا تو بتا دو کہ وہ کپڑا اُس کے پاس ہے یا تمہارے پاس۔ اگر تمہارے پاس ہے تو وہ مجھ کو دے دو۔

مجھ کو معلوم تھا کہ یہ شخص تجربہ کار نوسرباز ہے اور جعلی پیر بھی اناڑی نہیں تھا۔ یہ اتنے بیوقوف نہیں تھے کہ اتنے لمبے لمبے بال اور پوری داڑھی کُوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیتے۔ نائی مجھ کو بتا چکا تھا کہ بال شاہ نے لے لیے تھے۔

شاہ ہم کو ایک کمرے میں لے گیا اور ایک سوٹ کیس میں سے وہ بیضوی ہرا کپڑا نکال دیا جو جعلی پیر نے اپنی آنکھ پر باندھا ہوا تھا۔ اتنے میں

ہیڈ کانسٹیبل نے مجھ کو بتایا کہ ایک کمرے سے دو آدمی برآمد ہوئے ہیں، جو بھاگنے کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر شاہ نے بتایا کہ وہ دونوں اُس کے چیلے ہیں۔ میں نے شاہ کو کہا کہ اب بال برآمد کر دے۔ وہ مجھ باہر لے گیا اور ایک جگہ پاؤں رکھ کر کہا کہ بال یہاں دبائے تھے۔ میں نے اُس کو کہا کہ ہاتھ سے مٹی ہٹاؤ اور بال نکالو۔

اُس نے گواہوں کے سامنے سر اور داڑھی کے بال نکال دیئے۔ پھر میں نے سارے مکان کی تلاشی لی۔ دو لمبے لمبے خنجر برآمد ہوئے اور ایک ٹرنک سے پانچ ہزار کے قریب رقم برآمد ہوئی جو آج کے ساٹھ ہزار کے برابر بنتی ہے۔ میں شاہ کو، اُس کے چیلوں کو اور بوڑھے نائی کو تھانے لے گیا۔ برآمدگی کا مشیرنامہ شاہ کے گھر ہی تیار کر لیا تھا۔

میں جب تھانے پہنچا تو رات تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ لوہا گرم تھا اس واسطے میں نے اُسی وقت اُس کو ضربیں لگانا بہتر سمجھا۔ پہلے تو میں نے اُن دو آدمیوں میں سے ایک کو اپنے سامنے بٹھایا اور پوچھا کہ وہ شاہ کے گھر میں کیا کر رہا تھا۔

"جنابِ عالی!" ——— اُس نے کہا ——— "مجھ کو معلوم ہے آپ نے شاہ کو اور ہم دونوں کو کیوں پکڑا ہے۔ میں اس جرم میں شریک نہیں تھا۔ میرے ساتھ جو دوسرا آدمی ہے وہ سَرمد کے ساتھ گیا تھا اور وہاں سے بھاگ کر شاہ کے پاس آیا تھا جہاں کنوئیں پر سَرمد پکڑا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ دوسرا آدمی سَرمد کے شہر کا رہنے والا ہے۔"

اُس سے میں نے جو بھی بات پوچھی اُس نے بتا دی۔ شاہ کی بابت اُس نے بتایا کہ استاد آدمی ہے اور اِس علاقے کے لوگ اُس کو پیر مانتے ہیں۔

میں نے دوسرے آدمی کو تفتیش کے لیے بلایا اور اُس کو کہا کہ وہ جھوٹ بولنے کی بیوقوفی نہ کرے۔ وہ سیانا آدمی تھا۔ اُس نے فوراً مان لیا کہ وہ سَرمد (جعلی پیر) کے ساتھ تھا۔ اُس شخص نے کہا کہ میں اُس کو

سلطانی گواہ بنالوں۔ میں نے وعدہ کیا کہ وہ پورا بیان دے دے اور جب تمام ملزم گرفتار ہو جائیں گے تو میں اُس کو وعدہ معاف گواہ بنالوں گا۔

اُس نے بیان دے دیا۔ پھر شاہ کو بلایا۔ اُس نے رشوت پیش کی اور بیان بھی دے دیا۔ جعلی پیر کا اور اُس کے دوسرے ساتھی کا اُس نے نام اور پتہ بتایا۔ میں نے اُسی وقت اے۔ ایس۔ آئی کو تین کانسٹیبلوں کے ساتھ ان دونوں ملزموں کی گرفتاری کے لیے شہر بھیج دیا۔ شاہ اور اُس کے ایک چیلے کو جو جعلی پیر کے ساتھ گیا تھا، باقاعدہ گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا اور اُس کے دوسرے چیلے کو مشتبہ فہرست میں رکھا۔ شاہ نے اور اُس کے چیلے نے کہا تھا کہ اس شخص کا اس واردات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

میں ساری رات کا جاگا ہوا تھا۔ اے۔ ایس۔ آئی چلا گیا تھا۔ میں تھانے سے غیر حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ میں کانسٹیبلوں کی بارک میں جا کر سو گیا۔

اس قسم کا پہلا اور آخری ملزم دیکھا ہے

شہر کے دونوں ملزموں کی گرفتاری میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ یہ شہر نہیں قصبہ تھا۔ وہاں کے تھانیدار نے میرے اے۔ ایس۔ آئی کا کام آسان کر دیا تھا۔ اے۔ ایس۔ آئی نے اس تھانیدار سے پوچھا تھا کہ ملزم نمبر ایک یعنی سرمد کی ہسٹری کیا ہے۔ تھانے کے ریکارڈ میں اس کا نام نہیں تھا۔ اس کا ساتھی بھی سزا یافتہ نہیں تھا۔ اس کو تھانیدار جانتا تھا۔ وہ شہر کے بدمعاشوں میں سے تھا لیکن وہ چوری چکاری کرنے والا بدمعاش نہیں تھا۔

تھانیدار نے دو آدمیوں کو بلا کر سرمد کی بابت پوچھا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ اس شخص کے دماغ میں کوئی نقص معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی باقی رپورٹ یہ تھی کہ اُس کے دُور اور قریب کے رشتہ دار قصبے میں بھی تھے اور ایک گاؤں میں بھی لیکن سرمد اپنے آپ کو تنہا سمجھتا تھا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں

تھا۔ اس کی عمر تیس سال سے ایک دو سال اوپر ہو گئی تھی۔ اُس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ چال چلن کے معاملے میں وہ بدنام تھا۔ خوبصورت آدمی تھا۔ اُس زمانے کے جوان آدمیوں کی طرح اُس کا جسم گٹھا ہوا اور قد چھ فٹ کے لگ بھگ تھا۔ اُس کو ایک سے ایک اچھا رشتہ ملتا تھا اور وہ کسی کو بھی قبول نہیں کرتا تھا۔

وہ اس وجہ سے کسی کا محتاج نہیں تھا کہ اپنے باپ کی جائیداد کا اکیلا وارث تھا۔ اس کے ماں باپ مر گئے تھے۔ تین مکان تھے اور قصبے کے قریب زرعی زمین بہت تھی۔ اُس کا ایک مکان اتنا بڑا تھا کہ ہندوؤں نے اس میں لڑکیوں کے لیے پرائمری سکول بنا لیا تھا اور وہ سرمد کو معقول کرایہ دیتے تھے۔ زمینوں کی آمدنی بھی اچھی تھی۔ اس رپورٹ میں یہ بھی شامل تھا کہ سرمد خوش رہنے اور خوش رکھنے والا آدمی تھا۔ عجیب عجیب حرکتیں کرتا تھا۔ کبھی مصنوعی داڑھی لگا کر سر پہ سکھوں کی طرح پگڑی باندھ لیتا اور تین چار دن اسی حلیئے میں گھومتا پھرتا رہتا۔ کبھی گاؤں کے چوہدریوں کی طرح کُلّے پر طرّے والی پگڑی باندھ کر اچکن پہن لیتا۔ ایک بار وہ سادھو بن گیا تھا۔ سر پر موٹے موٹے بال اور چہرے پر راکھ مل لی تھی۔ اُس نے ہندوؤں کے گھروں سے بہت سارے پیسے اکٹھے کر لیے اور دوستوں کو کھلا پلا دیئے تھے۔ اُس کی ایک خوبی یہ تھی کہ خدا نے اس کو آواز بڑی سُریلی اور سوز والی دی تھی۔ بہت اچھا گاتا تھا۔

تھانے میں اُس کے خلاف کوئی رپورٹ نہیں تھی۔ شہر کا کوئی آدمی اُس کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

اے۔ ایس۔ آئی اُس کی یہ رپورٹ دے کر اُس کو میرے سامنے لایا۔ اُس کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ اُس آدمی کو ہتھکڑیوں میں نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ مجھ کو اُس کی یہ مسکراہٹ اچھی لگی لیکن مجھ کو یہ بھی محسوس ہوا کہ یہ شخص میرا مذاق اڑا رہا ہے ——— اُس کی دونوں آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔

معلوم نہیں یہ کیسا اثر تھا کہ میرے منہ سے میرے ارادے کے بغیر نکل گیا ــــ "اس کی ہتھکڑی کھول دو۔۔۔۔ بیٹھ جاؤ سُرمد!"

اُس کی ہتھکڑی کھل گئی اور وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا ڈرامہ کھیلا ہے سرمد!" ــــ میں نے پوچھا۔

"آپ بتائیں" ــــ اُس نے ہنس کر پوچھا ــــ "ڈرامہ رہا کیسا؟"

مجھ کو اس کی بابت یہ رپورٹ صحیح معلوم ہونے لگی کہ اس کے دماغ میں کوئی نقص ہے۔ اس کو احساس ہی نہیں تھا کہ یہ ڈرامہ اُس کو کس انجام تک پہنچا رہا ہے۔

"ڈرامہ تو بہت اچھا رہا" ــــ میں نے کہا ــــ "یہ بتاؤ کہ تم نے یہ جرم روپیہ پیسہ اکٹھا کرنے کے واسطے کھیلا تھا یا عورتوں کا شکار کھیلنے نکلے تھے؟"

"شکار تو بہت کھیلا ہے" ــــ اُس نے کہا ــــ "روپے پیسے کا کوئی لالچ نہیں تھا۔ میں نے مردان شاہ اور اُس کے ایک ساتھی کو حوالات میں دیکھا ہے۔ دونوں کو میرے سامنے لائیں۔ میں نے جتنا پیسہ اکٹھا کیا تھا، سب مردان شاہ کو دے دیا تھا۔"

ملزم شاہ کا نام مردان خان تھا اور مردان شاہ کہلاتا تھا۔

"سرمد!" ــــ میں نے پوچھا ــــ "ایسے لگتا ہے جیسے تم کو معلوم نہیں کہ تم جیل خانے میں جا رہے ہو۔"

"پھانسی تو نہیں دے دیں گے نا!" ــــ اُس نے کہا ــــ "میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ میں نے ڈاکہ بھی نہیں ڈالا۔ کہیں چوری نہیں کی، کسی کی جیب نہیں کاٹی۔ لوگ خود آکر پیسے دے جاتے تھے۔"

"اور جن عورتوں کو تم نے خراب کیا ہے؟" ــــ میں نے کہا۔

"کوئی ایک عورت میرے سامنے لے آئیں" ــــ اُس نے کہا ــــ "اور وہ کہہ دے کہ میں نے اُس پر زبردستی کی ہے" ــــ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا ــــ "میں آپ کا مقابلہ نہیں کر رہا۔ آپ کو ناراض نہیں کروں گا

آپ جو بیان کہیں گے میں وہی بیان دوں گا۔ آپ کی نوکری کا معاملہ ہے۔۔ میں مسافر ہوں جنابِ عالی! اس دنیا میں سیر سپاٹے کرنے آیا ہوں۔ اگر آپ مجھ کو سزا دلانے میں خوش ہیں تو سزا لے لوں گا۔ آپ کا دل خوش کر دوں گا۔"

میں نے اِتنی لمبی سروس میں اس قسم کا پہلا اور آخری ملزم دیکھا ہے۔

"پتہ چلا ہے کہ تم میں کوئی دماغی خرابی ہے" ــــ میں نے کہا ــــ "کیا تم اپنے آپ کو بالکل ٹھیک سمجھتے ہو؟"

"آپ کا میری بابت کیا خیال ہے؟"

"میں تم کو بہت زیادہ عقلمند سمجھتا ہوں میرے بھائی!" ــــ میں نے کہا ــــ "جتنی کامیابی سے تم نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے ایسا کمال دماغی خرابی والا کوئی آدمی نہیں دکھا سکتا۔"

میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اُس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور اُس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ میرے منہ کی طرف اور میں اُس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔

"میں نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا" ــــ اُس نے اداس سی آواز میں کہا ــــ "میں نے اپنے آپ کو دھوکہ دیا ہے اور بڑے عرصے سے اپنے آپ کو دھوکے دے رہا ہوں" ــــ وہ ہنس پڑا لیکن اب اس کی ہنسی زندہ نہیں، مُردہ ہنسی تھی ــــ "آپ تھانیدار ہیں۔ آپ کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ نے تو مجھ کو اس واسطے پکڑا ہے کہ میں نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔۔۔۔ میں صرف ایک بات اور کہوں گا۔ لوگ بے چارے مجبور ہیں۔ کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کو دھوکہ دو تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ جیسا بہروپیا اور مردان شاہ جیسا پیر ان لوگوں کو اوٹ پٹانگ حرف یا لفظ لکھ کر دیتا اور کہتا ہے کہ یہ تعویذ پی لو یا باندھ لو تو ان بے چارے لوگوں کی اُمیدوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ جب جان نکلنے لگتی ہے تو وہ ایک اور تعویذ لے آتے ہیں۔۔۔۔

"مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ کو میرے بارے میں کیا کیا رپورٹیں ملی ہیں۔ میں

آپ کو اُن لوگوں کی حالت بتاتا ہوں۔ میں جس گھر سے بھاگ کر نکلا تھا، اُس گھر والوں کو میں نے کہا تھا کہ یہاں خزانہ دفن ہے۔ اُس شخص کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اُس کو کہا کہ میں اولاد دوں گا۔ خُدا کی قسم، وہ شخص اپنی اتنی خوبصورت اور جوان بیوی کو رات کو میرے ساتھ بند کمرے میں چھوڑ جاتا تھا ویسے ان لوگوں میں غیرت اتنی ہے کہ کسی عورت کو کوئی بُری نظر سے دیکھے تو اُس کو قتل کر دیں۔"

"یہ تم نے کیا کہا ہے کہ تم اپنے آپ کو دھوکے دیتے ہو؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"سنیں گے آپ؟"۔۔۔ اُس نے پوچھا۔

"سرمد!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "تم ساری رات بولتے رہو، میں دلچسپی سے سنوں گا، لیکن یہ نہ بھولنا کہ میں نے کیس بھی تیار کرنا ہے میں تم کو تنگ نہیں کروں گا۔ تم مجھ کو پریشان نہ کرنا۔"

"جھوٹ نہیں بولوں گا"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "اگر آپ بیان میں کوئی فالتو بات کہیں گے تو وہ بھی کہہ دوں گا۔"

راستہ جو ہندو لڑکی نے دکھایا

یہ تو ایک موٹی کتاب کی کہانی ہے جو میں مختصر کر کے پرچے کے لیے لکھ رہا ہوں۔ میں تو اس کہانی کو برباد کر رہا ہوں لیکن مجبوری ہے۔ سرمد نے بہت ساری ایسی باتیں کی تھیں جن کا اس کیس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میں نے انسانی ہمدردی سے اُس کی زندگی کی ساری کہانی سنی۔ میں آپ کو یہ کہانی اپنے لفظوں میں سنا دیتا ہوں۔

سرمد امیر باپ کا بیٹا تھا۔ اُس کی عمر تقریباً چار سال تھی جب اُس کی بڑی بہن جس کی عمر تیرہ چودہ سال تھی، مر گئی۔ دو سال بعد اُس سے چھوٹی بہن بھی جو سرمد سے بڑی تھی، مر گئی۔ سرمد کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ اُس کی عمر تیرہ

چودہ سال ہوئی تو ماں مر گئی۔ باپ نے سرمد کی خاطر دوسری شادی نہ کی۔ اس خاندان پر موت کی نظر ایسی پڑی کہ سرمد اٹھارہ سال کا تھا جب اُس کا باپ بھی مر گیا۔

سرمد نے مجھ کو سنایا کہ باپ کی وفات کے ایک سال بعد تک اُس کی حالت پاگلوں جیسی رہی۔ رونے کے سوا کچھ سوجھتا نہ تھا۔ نیند اور بھوک ختم ہو گئی۔ گھر کے اندر خوف آتا تھا۔ عزیز رشتہ دار آتے اور اسے بہلاتے مگر اُس کی جذباتی حالت ٹھیک نہ ہوئی۔ آخر اُس کے دوستوں نے دن رات اُس کے ساتھ رہ کر اُس کو سنبھال لیا۔ وہ زندہ دل نوجوان تھا۔ دوست اُس کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اُس کا ایک دوست تھا جس کی محبت ایک ہندو لڑکی کے ساتھ تھی۔

ایک روز اس دوست نے سرمد کو کہا کہ ہندو لڑکی کے ساتھ ملاقات کی کوئی محفوظ جگہ نہیں اور اگر سرمد اجازت دے تو وہ لڑکی کو اس کے گھر بلا لے۔ سرمد کا دھیان عشق بازی کی طرف کبھی نہیں آیا تھا۔ اُس نے دوست سے کہا کہ وہ لڑکی کو اُس کے گھر بلا لے۔

رات کو ہندو لڑکی آ گئی۔ دوست نے اُس کا تعارف سرمد کے ساتھ کرا دیا اور لڑکی کے سامنے سرمد کو بتایا کہ اُن کی محبت اتنی پاک ہے کہ لڑکی اس کے واسطے اپنا مذہب چھوڑ دے گی۔ لڑکی شرماتی اور ہنستی رہی۔ سرمد نے مجھ کو بتایا کہ ان کی محبت واقعی پاک تھی۔ اُس رات کے بعد وہ تین چار بار چوری چوری سرمد کے گھر اُس کے دوست سے ملنے آئی۔

سرمد کے اس دوست کو تقریباً ایک سو میل دُور ایک شہر میں سرکاری نوکری مل گئی اور وہ چلا گیا۔ اُس کے جانے کے دو تین دن بعد ایک رات یہ ہندو لڑکی سرمد کے گھر آ گئی۔ سرمد نے اُس کے ساتھ اپنے دوست کی باتیں کیں لیکن لڑکی کی نظریں پھری ہوئی تھیں۔ سرمد بڑا خوبصورت نوجوان تھا۔ لڑکی نے اُس کو بے تکلفی سے کہہ دیا کہ وہ اُس کو چاہتی ہے۔ سرمد کے خیالات اس وقت تک پاک تھے لیکن لڑکی نے اُس کو پاک نہ رہنے دیا۔

اُس رات سرمد کا وہ سفر شروع ہو گیا جو تھانے میں آ کر ختم ہُوا۔ سرمد پر صدموں کا جو اثر تھا وہ کم ہونے لگا۔ یہ لڑکی اپنی شادی تک جو آٹھ نو مہینے بعد ہوئی تھی، سرمد کو اس راستے پر دُور تک لے گئی۔ وہ چلی گئی تو ایک اور آ گئی۔ سرمد کی زندہ دلی واپس آ گئی۔

سرمد کا رشتہ اپنے ایک ماموں کی لڑکی کے ساتھ طے تھا۔ منگنی نہیں ہوئی تھی۔ ماموں نے اُس پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ شادی جلدی کرے۔ دو اور لڑکیوں کی مائیں اُس کی غمخوار بن گئیں۔ وہ اُسے کچھ نہ کچھ پکا کر بھیجتی رہتی تھیں۔

وہ دونوں اپنی اپنی لڑکی کی جگہ بنا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور لڑکی کا باپ اُس کا ہمدرد بن گیا۔ کبھی کبھی اس کو گھسیٹ کر اپنے گھر لے جاتا۔ اور وہاں اس کی خوب خاطر تواضع ہوتی۔

سرمد کے رشتے کے یہ چار اُمیدوار تھے۔ چاروں لڑکیوں کے باپوں اور ماؤں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی سرمد کے گھر آ جاتا اور دوسرے امیدواروں کے خلاف باتیں شروع کر دیتا۔ اگر لڑکیوں کی ماؤں میں سے کوئی آ جاتی تو وہ باقی تینوں لڑکیوں کو آوارہ اور بدچلن ثابت کر جاتی۔ اس طرح یہ ہُوا کہ چاروں لڑکیوں کے "یارانوں" کی فہرست سرمد کو زبانی یاد ہو گئی۔

وہ زندہ دل آدمی تھا۔ اُس نے مجھ کو بتایا کہ وہ کوئی بے مزہ اور سنجیدہ بات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے دل کے زخم کُھل جاتے تھے۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنستا تھا تو اس کے دل اور دماغ سے غم صاف ہو جاتا تھا۔ وہ ان چاروں ماؤں اور باپوں سے تنگ آ گیا۔ اس نے باری باری سب کو جواب دے دیا اور ہر ایک سے کہا کہ تم مجھ کو نہیں میری جائیداد کو لڑکی دے رہے ہو۔

"دراصل ہُوا یوں تھا" سرمد نے کہا —— "مجھ کو ایک عورت نے بتایا تھا کہ فلاں لڑکی کی ماں تین چار عورتوں میں بیٹھی کہہ رہی تھی کہ سرمد شریف لڑکا تو نہیں لیکن اللہ نے اُسے زمین جائیداد اتنی زیادہ دی ہے کہ لڑکی سُکھی رہے گی۔ اسی عورت نے مجھ کو بتایا کہ ایک لڑکی کی ماں کہہ رہی

تھی کہ وہ مجھ کو بیٹی اس واسطے دے رہی ہے کہ بیٹی کی نہ ساس ہو گی نہ نند، بیٹی گھر کی اکیلی مالک ہو گی ....

"میں نے اس عورت کی اس بات کو اس وجہ سے سچ مان لیا کہ اُس کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی اور اس کو میرے ساتھ کوئی لالچ نہیں تھا۔ وہ مجھ کو کبھی کبھی ملتی تھی اور میری ماں کو بہت یاد کرتی تھی۔ اُس نے جب ان دو لڑکیوں کی ماؤں کی باتیں بتائیں تو مجھ کو بہت غصہ آیا۔ ایک تو اُن کی نظر میری جائیداد پر تھی۔ اور دوسرے یہ کہ وہ خوش تھیں کہ میری ماں اور بہنیں مر گئی ہیں۔ مجھ کو ان سب سے نفرت ہو گئی۔ پھر میں نے شادی کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔"

سرمد نے شادی کا خیال تو دل سے نکال دیا لیکن وہ اپنے آپ میں پیاس سی محسوس کرتا رہا۔ اس پیاس کو وہ اپنے ماں باپ اور دونوں بہنوں کی موت کا غم کہتا تھا۔ اس غم کو دبانے کے واسطے وہ اپنے تین چار دوستوں کو گھر میں بلا لیتا اور سب مل کر کچھ نہ کچھ پکاتے اور کھاتے تھے۔ یہ دوستی ایسی نہیں تھی کہ سب دوست سرمد کے پلّے سے کھاتے ہوں۔ ایسا نہیں تھا۔ ہر بار کوئی نہ کوئی دوست سارا خرچ اپنے ذمے لیتا تھا۔

سرمد میں سب سے بُرا عیب یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ غلط قسم کا دوستانہ لگائے رکھتا تھا۔ یہ تو میں نے خود دیکھا کہ وہ بہت ذہین آدمی تھا۔ ایک عام ذہین آدمی کی نسبت وہ بہت زیادہ ذہین اور حاضر دماغ اور حاضر جواب تھا۔ اُس کا ایک شغل تو یہ تھا کہ گاتا تھا، اُس نے دوسرا شغل بہروپ دھارنے کا اختیار کر لیا۔ اس کو ایکٹنگ قدرتی طور پر ملی تھی۔ وہ اپنی آواز ایسی خوبی سے بدلتا تھا کہ مصنوعی نہیں لگتی تھی۔ وہ سکھ بنا، سادھو بنا اور ایک بار وہ گدڑی اوپر لے کر فقیر بنا تو اُس کو جاننے والے لوگ بھی اُس کو نہ پہچان سکے۔

وہ میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی

اُس کی دوستی کا حلقہ پھیلتا گیا اور وہ اُن افراد میں مقبول ہو گیا جو شہر کے رجسٹرڈ بدمعاش اور جرائم پیشہ تھے لیکن اُس نے کبھی کبھی جُوئے کی بازی لگانے

کے سوا کوئی بدمعاشی نہ کی۔ میں نے سوچا کہ اُس نے بدمعاشی یا جُرم نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ وہ شریف اور بھلا مانس رہا ہے۔ مجرموں کی یاری کے اثرات سے وہ نہیں بچ سکتا تھا۔

انہی لوگوں کے ذریعے وہ مردان شاہ کے ڈیرے تک پہنچ گیا۔ وہاں جُوا بھی ہوتا تھا، شراب بھی چلتی تھی۔ مردان شاہ کو سرمد اتنا اچھا لگا کہ اُن کی دوستی گہری ہوگئی۔ سرمد کی عمر تیس سال کے قریب ہوگئی تھی۔ جنگِ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ اُس وقت تک مردان شاہ کے تعویذوں اور پھونکوں کی منڈی ٹھنڈی سی تھی۔

اُن دنوں سرمد نے شوقیہ داڑھی رکھی ہوئی تھی اور سر کے بال بڑھائے ہُوئے تھے۔ ایک روز مردان شاہ نے اُس کو بتایا کہ آج کل دیہاتیوں کی یہی ایک مراد ہے کہ بیٹا چھاؤنی میں رہے، آگے (جنگ میں) نہ جائے۔ اگر اُسے آگے بھیج دیا جائے تو وہ ہلاک اور زخمی ہونے سے محفوظ رہے۔ ان لوگوں کو کوئی فضول سا آدمی بھی کہہ دے کہ اُس کے پاس ایک علم ہے جو گولیوں، گولوں اور بموں سے محفوظ رکھتا ہے تو جن لوگوں کے بیٹے جنگ میں گئے ہوئے ہیں وہ اُس آدمی کے آگے سجدے کرنے لگتے ہیں۔

مردان شاہ نے سرمد کو جعلی پیر بن کر گاؤں گاؤں جانے کے لیے تیار کرلیا اور اس کو ایسی باتیں سکھا دیں جن سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ اپنا ایک آدمی بھی اُس کو دیا۔ سرمد نے اپنے شہر کا ایک آدمی تیار کرلیا۔ مردان شاہ نے چار ایسے آدمی اِس نوسر بازی میں شامل کرلیے جو ظاہری طور پر معمولی سے دیہاتی لگتے تھے۔

سرمد تین مہینے اپنے شہر سے غیر حاضر رہا اور مردان شاہ کے گھر چھپا رہا۔ سر کے بال خاصے لمبے ہوگئے۔ اُس کی داڑھی اِسی بوڑھے نائی نے تراش کر خوبصورت بنا دی۔ چار آدمی جو دیہاتی بنے ہوئے تھے، مختلف گاؤں میں چلے گئے۔ ایک تو انہوں نے پروپیگنڈہ کیا کہ ایک پیر اِدھر سے گزر رہا ہے اور دل کی مراد بغیر بتلائے جان لیتا ہے۔ انہوں نے جھوٹ موٹ کے واقعات سنا کر "پیر" کی کرامات کی دھاک بٹھائی اور ہر گاؤں کے دو تین گھروں کے حالات

معلوم کر لیے جو وہ سرمد کو کسی طرح پہلے ہی بتا دیتے تھے۔ مردان شاہ نے سرمد کا حُلیہ بگاڑنے کے واسطے اُس کی ایک آنکھ پر کپڑا باندھ دیا تھا۔

سرمد انہی گھروں میں جاتا جن کے حالات اس کو بتا دیئے جاتے۔ مثلاً عدالت کی بہن کو دیکھ کر ہی سرمد نے کہہ دیا تھا کہ یہ عورت اُجڑی بیٹھی ہے۔ عدالت کے گھر سے خزانہ نکالنے کا خیال سرمد کا اپنا تھا۔ مردان شاہ نے اُس کو صرف فوجیوں کے ماں باپ کو اُلّو بنانے کی ریہرسل کرائی تھی۔

یہ چار آدمی گرفتار نہیں ہوسکے تھے۔ مردان شاہ، سرمد اور اُن کے دو ساتھیوں نے ان کی نشاندہی سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"مجھ کو یہ تو معلوم تھا کہ لوگ پیر پرست ہیں" ــــ سرمد نے مجھ کو بیان دیتے ہوئے کہا ــــ "مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو لوگ خدا کی بجائے اپنے پیر کے آگے جا سجدے کرتے ہیں لیکن مجھ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ پیروں کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور اپنی جوان عورتوں کو بھی پیروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ تو میری بیوقوفی تھی کہ میں نے خزانے کا چکر چلا دیا اور آگے گیا تو کنوئیں میں سے پانی نکالنے کی حرکت کر بیٹھا۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو میں اِس سارے صوبے میں گھوم جاتا اور اتنا روپیہ سمیٹ لاتا جو مجھ سے سنبھالا نہ جاتا۔ خدا کی قسم، میں نے جس لڑکی پر نظر رکھی وہ مجھ کو مل گئی"۔

میں نے ابھی اس کو بتایا نہیں تھا کہ عدالت کی بیوی تاجی مجھ کو سب کچھ بتا چکی ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ عدالت کے گھر میں وہ کیا کرتا رہا ہے۔

"جناب انسپکٹر صاحب!" ــــ وہ سنجیدہ ہوگیا۔ کہنے لگا ــــ "میں نے اپنے جُرم کا اقبال کرلیا ہے۔ میری عرض ہے کہ جہاں آپ نے میری اتنی زیادہ باتیں سُن لی ہیں وہاں یہ بات بھی سن لیں ... عدالت کے گھر میں دونوں عورتیں میرے دل کو بہت اچھی لگی تھیں۔ میں نے پہلے عدالت کی بہن کو بلایا اور اس کو کہا کہ اُس کا خاوند خود آکر اُس کو لے جائے گا۔ میں نے اس عورت پر جال پھینکا لیکن وہ اتنی غیرت والی تھی کہ صاف نکل گئی، بلکہ یہ کہیں کہ اُس نے مجھ کو دھتکار دیا ....

"ان دونوں میں مجھ کو عدالت کی بیوی زیادہ اچھی لگتی تھی۔ میں نے عدالت کو کہا کہ چلّے کے دوران مجھ کو اُس کی بیوی کی ضرورت ہوگی۔ عدالت نے بیوی کو میرے حوالے کر دیا۔ پھر تین راتیں وہ میرے ساتھ کمرے میں رہی۔ میں نے اشارہ کیا تو اُس نے اپنا آپ پیش کر دیا۔ میں نے عدالت کو تو یہ کہا تھا کہ مجھ کو چلّہ کشی کی ایک شرط پوری کرنے کے واسطے اُس کی بیوی کی ضرورت ہے اور وہ مجھ سے سات قدم دُور بیٹھے گی لیکن میں نے اُس حسین عورت کو جس نیّت سے اپنے پاس رکھا تھا وہ آپ کو بتا دیا ہے....

"اس عرصے میں میری اور عدالت کی بیوی کی جس کا نام تاجی تھا، کیا کیا باتیں ہوئیں وہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔ آپ کو ان باتوں کی ضرورت بھی نہیں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے خوبصورت عورتوں کو ہمیشہ کھلونے سمجھا ہے۔ ایک کھلونا ٹوٹ گیا تو دوسرا ہاتھ آ گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ بدی میں محبّت نہیں کی جاتی۔ شیطان کی دنیا میں محبت نہیں ہوتی مطلب پرستی، ہوس کاری اور خود غرضی ہوتی ہے لیکن تاجی کا معاملہ کچھ اور نکلا۔ یہ عورت جو ابھی کمسن لڑکی لگتی ہے، میرے اوپر جادو بن کر سوار ہو گئی۔ دل کو اچھا لگنا کوئی اور بات ہوتی ہے۔ میرا تعلق جن عورتوں کے ساتھ رہا ہے وہ دل کو اچھی لگی تھیں لیکن دل پر سوار نہیں ہو سکیں۔ تاجی کا معاملہ اس طرح ہو گیا کہ میرے دل نے اور میری رُوح نے اس کو اپنے اندر بٹھا لیا....

"کبھی ایسا لگتا تھا جیسے ہم دونوں پچھلے جنم میں اکٹھے رہے ہیں اور اس جنم میں آ کر بچھڑ گئے تھے اور اب مل گئے ہیں۔ میں نے اُس کو یہ تو نہ بتایا کہ میں کوئی چلّہ نہیں کر رہا اور یہ صرف سوانگ ہے، میں چلّے کی ایکٹنگ کرتا رہا۔ کچھ وقت نکال کر میں تاجی کے ساتھ باتیں کر لیتا تھا۔ میں نے اُس کو اپنے دل کا حال بتا دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ مجھ کو سمجھ نہیں آتی کہ میری باقی زندگی اُس کے بغیر کس طرح گذرے گی۔ اُس کو میرے ساتھ مطلب تھا اور وہ مجھ کو بہت اونچا پیر سمجھتی تھی۔ اس وجہ سے وہ میرے ساتھ پیار کی جذباتی باتیں کرتی تھی لیکن میں سمجھتا تھا کہ اُس کی یہ باتیں اُس کے دل سے نکل رہی ہیں....

"میں نے اُس کو کہا کہ میرے ساتھ چلی چلو۔ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر کہنے لگی کہ ڈر لگتا ہے۔ سارے خاندان کی بے عزّتی ہوگی.... جنابِ عالی! میں آپ کو بات یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تاجی کو پاس بٹھا کر اور اُس کے وجود کو اپنے قبضے میں لے کر مجھ کو پتہ لگ جاتا تھا کہ میرے اندر بہت ہی زیادہ پیاس کی جو تلخی سی رہتی ہے۔ وہ ختم ہو گئی ہے۔ میں نے کسی عورت یا نوجوان لڑکی کے ساتھ اس طرح روح کی تسکین کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ یہ مجھ کو تاجی سے ملی۔ ایک رات تو ایسے ہُوا کہ میں نے اُس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھ کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ ماں اور بہنیں یاد آ گئیں اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تاجی نے پوچھا یہ آنسو کیوں آئے ہیں؟ میں نے مسکرا کر اُس کو ٹال دیا۔ وہ چپ ہو گئی۔ اُس کو خیال آ گیا ہوگا کہ یہ آنسو پیروں فقیروں کا راز ہوگا....

میں ان لوگوں کو خزانے کا دھوکہ دے چکا تھا اس واسطے مجھ کو وہاں سے بھاگنا تھا۔ میں نے رقم وصول کر لی تھی۔ میرا خدا جانتا ہے کہ میں تاجی کے بغیر وہاں سے کس طرح نکلا تھا۔ وہ تو میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی۔ میں تاجی کے گاؤں سے نکل گیا لیکن دل وہیں رہ گیا۔ میں جب اگلے گاؤں میں گیا تو مجھ کو صاف محسوس ہونے لگا کہ میری استادی ختم ہو گئی ہے۔ میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اس کھیل کو اب ختم کر دوں گا مگر کنوئیں والے مل گئے۔"

محبّت کی خاطر یا عزّت کی خاطر؟

اُس نے مجھ کو سنایا کہ اُس نے کنوئیں کا فراڈ کس طرح کیا تھا اور کس طرح پکڑا گیا۔ یہ میں آپ کو سنا چکا ہوں۔

"تقدیر کا چکّر دیکھو" ــــ سرمد نے کہا ــــ "میں پھر تاجی کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں ان لوگوں نے مجھ کو بہت مارا پیٹا۔ عدالت کی بہن اور اُس کی ماں مجھ کو گالیاں دیتی اور اپنے آدمیوں سے کہتی تھیں ــــ اور مارو۔ ہڈیاں توڑ دو اس کافر کی۔ جان سے مار ڈالو اسے ــــ لیکن تاجی چپ چاپ الگ کھڑی تھی۔ اس نے ایک لفظ نہ کہا۔ ان لوگوں نے مجھ کو اُسی کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں میں نے

اُن کو خزانے کا دھوکہ دیا تھا۔ انہوں نے یہ کم عقلی کی کہ مجھ کو باندھا نہیں۔ میری استادی دیکھو، میں وہاں سے نکل آیا۔ رات ہی رات مردان شاہ کے پاس پہنچا۔ اگلا دن اُس کے گھر میں چھُپا رہا۔ رات کو اُس نے نائی کو بلا کر میرے بال اور داڑھی صاف کرا دی۔"

"کس طرح نکلے تھے؟" ـــــ میں نے پوچھا۔

اُس نے بالکل غلط کہانی سنا دی۔ اُس نے وہی راستہ بتایا ـــــ کوٹھری کا دوسرا دروازہ، دریچہ، پچھلا صحن اور اُس صحن کا بڑا دروازہ ـــــ میں نے اس کو کہا وہ مجھ کو دریچے سے نکل کر دکھائے تو میں اُس کو پانچ سو روپیہ نقد دوں گا۔ میں نے اُس کو یہ بھی بتایا کہ پچھلے صحن کے دروازے کی زنجیر صبح چڑھی ہوئی دیکھی گئی تھی۔

"جھوٹ نہ بولو سرمد!" ـــــ میں نے کہا ـــــ "مجھ کو معلوم ہے تم وہاں سے کس طرح نکلے تھے۔"

"کس طرح؟"

"کیا تمہیں تاجی نے نہیں نکالا تھا؟" ـــــ میں نے کہا اور اُس کو سنایا کہ تاجی نے اُس کو کس طرح نکالا تھا۔

اُس نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی سنجیدگی سے منت کی کہ میں اس کیس میں تاجی کا نام نہ آنے دوں۔

"اگر وہاں سے بھاگنے کے جرم میں مجھ کو پھانسی کی سزا ہو جاتی ہے تو بھی تاجی کا نام نہیں لوں گا" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "آپ مہربانی کریں۔"

"میں نے تاجی کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ کسی کو پتہ نہیں چلنے دوں گا کہ تم کو اُس نے نکالا تھا" ـــــ میں نے کہا ـــــ "اُس نے مجھ کو ساری بات بتا دی تھی۔"

"کیا اُس نے کہا تھا کہ اُس نے میری محبت کی خاطر مجھ کو وہاں سے نکالا تھا؟" ـــــ اُس نے پوچھا۔

"اپنی عزت کی خاطر" ـــــ میں نے کہا۔

ہم دونوں نے فیصلہ کر لیا کہ تاجی کا نام نہیں آنے دیا جائے گا۔ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ حوالات میں یا جیل خانے سے نہیں بھاگا تھا۔ مجھ کو نوسربازی اور دھوکہ دہی کا جرم ثابت کرنا تھا۔ سرمد نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا۔

مردان شاہ اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے بھی اقبالِ جُرم کر لیا تھا لیکن اُن کو سزا دلانے کے لیے صرف اقبالِ جُرم کافی نہیں تھا۔ شہادتوں ثبوت کی ضرورت تھی۔ میرے کیس میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ سرمد اپنے بہروپ میں نہیں پکڑا گیا تھا۔ اُس کی شناخت بہروپ سے بنتی تھی۔ اصلی رُوپ میں اُس کو کوئی بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں نے اس کمزوری کو تین چار اپنے بنائے ہُوئے گواہوں سے رفع کر لیا۔

خاص بات جو آپ کو بتانے والی ہے وہ یہ ہے کہ سرمد اپنے اقبالی بیان سے منحرف نہ ہُوا۔ اُس نے خود کہا کہ اُس نے یہ بہروپ دھارا تھا۔ مردان شاہ اور اُس کا ایک چیلا اقبالی بیانوں سے منحرف ہو گئے تھے۔

یہ بڑا دلچسپ کیس تھا۔ میں اس کو مختصر کر کے بیان نہیں کر سکتا۔ کوئی ایک بھی ایسا گواہ نہیں آیا تھا جو یہ کہتا کہ اس شخص نے کسی عورت کو دھوکے سے بے آبرو کیا ہو۔

ان سب کو دو دو سال سزائے قید دی گئی۔ میں اُس وقت کورٹ میں تھا جب فیصلہ سنایا گیا تھا۔ سرمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ان چاروں کو کورٹ سے باہر لائے تو سرمد نے مجھ کو بلایا اور میرا ہاتھ اپنے ہتھکڑیوں میں بندھے ہُوئے ہاتھوں میں لے لیا۔

"میں آسانی سے بری ہو سکتا تھا" ـــــ اُس نے مجھ کو کہا ـــــ "وکیل مجھ کو بار بار کہتا تھا کہ اپنے بیان سے پھر جاؤ۔ کہہ دو کہ مار مار کر مجھ سے بیان لیا گیا ہے۔ میں دیکھتا رہا کہ آپ اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ تاجی کا نام بھی لیتے تو میں اپنے بیان سے پھر جاتا۔ آپ نے تاجی کی عزت رکھ لی۔ میں نے آپ کی عزت رکھ لی ہے۔"

اس کو آپ سرمد کے دماغ کی خرابی کہہ لیں یا یہ کہہ لیں کہ تاجی کی محبت

نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا کہ اُس نے دو سال قید قبول کرلی ، کورٹ میں تاجی
کا نام نہ آنے دیا۔ مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ جس رات وہ مجھ کو تھانے میں بیان
دے رہا تھا، اُس نے بڑی حسرت والی آہ لے کر کہا تھا کہ ـــــ "تاجی مجھ کو ساری
عمر نہیں مل سکے گی اور میں ساری عمر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکے دیتے
گذار دوں گا۔"

پھر ایک بچہ پیدا ہُوا

یہ کیس تو ختم ہو گیا لیکن کہانی ختم نہ ہوئی۔ اس کیس کے فیصلے کے
چھ سات مہینے بعد مجھ کو اُس تھانے سے ہٹا کر عارضی طور پر ایک اور ڈیوٹی
پر بھیج دیا گیا۔ دو سال کے قریب عرصہ وہاں گذرا اور مجھ کو سرمد کے قصبے کا تھانہ دے
دیا گیا۔ میں جب اس قصبے میں آیا تو مجھ کو بالکل یاد نہیں تھا کہ یہاں سرمد نام کا بھی
کوئی آدمی رہتا ہے۔ اڑھائی پونے تین سال گذر گئے تھے۔ اس عرصے میں ہزاروں
کے ساتھ پالا پڑا تھا۔ ان میں ملزم بھی تھے، مشتبہ اور گواہ بھی۔ کئی وارداتوں کی
تفتیش کی تھی۔

اس تھانے میں آئے پندرہ سولہ دن گذرے تھے کہ تھانے کا ایک
ہیڈ کانسٹیبل اور ایک کانسٹیبل تین آدمیوں کو لڑائی جھگڑے میں پکڑ کر تھانے لائے۔
ان کو باہر بٹھا کر ہیڈ کانسٹیبل نے مجھ کو آ کر بتایا کہ ایک آدمی اس شہر کا ہے،
دو دیہاتی ہیں۔ دیہاتیوں نے اس شہری پر بازار میں چاقوؤں سے حملہ کیا اور
شہری کو معمولی سا زخم آیا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں سائیکلوں والے کی دکان
سے سائیکل کا چمٹا آ گیا۔ اس نے دونوں کو دو دو تین تین ضربیں لگائیں۔ لوگوں
نے ان کو چھڑا لیا لیکن دیہاتی قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل
اُدھر سے گذر رہے تھے۔ وہ تینوں کو تھانے لے آئے۔

میں نے تینوں کو اندر بلایا اور مجھ کو اس طرح لگا جیسے میں خواب
دیکھ رہا ہوں۔ مجھ کو اڑھائی تین سال پرانے چہرے اور ان چہروں کی کہانی یاد

آ گئی ـــ جس کو چاقو لگا تھا وہ سرمد تھا۔ جس نے چاقو مارا تھا، وہ تاجی کا خاوند
عدالت تھا۔ اور اس کے ساتھ جو دیہاتی تھا، وہ عدالت کا رشتہ دار تھا۔ میں
سمجھ گیا کہ ان کی لڑائی کی وجہ کیا ہے لیکن ان کے بیان لیے تو وجہ اُس سے
زیادہ سنگین نکلی جو میں سمجھ رہا تھا۔

پہلے تو میں نے ان کے زخم دیکھے۔ سرمد کو بازو پر چاقو لگا تھا لیکن زخم بالکل
خفیف تھا۔ چار ساڑھے چار انچ لمبی خراش تھی۔ چاقو بڑے سائز کا کمانی دار تھا۔ عدالت
اور اُس کے ساتھی کو سرمد کے جو چمٹے پڑے تھے، ان سے زخم نہیں آئے تھے لیکن
چوٹیں خاصی سخت تھیں۔ تھانے میں فسٹ ایڈ کا سامان موجود تھا۔ میں اس
معاملے کو یہیں ختم کرنا چاہتا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل کو کہا کہ سرمد کے زخم کی مرہم پٹی
کر دے اور ان دونوں کی چوٹوں پر بھی کچھ لگا دے۔

میں نے سب سے پہلے عدالت کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ اُس نے
سرمد پر قاتلانہ حملہ کیوں کیا ہے۔

"کیا آپ کو اس کی واردات یاد نہیں رہی؟" ـــــ اُس نے پوچھا۔

"مجھ سے سوال مت پوچھو" ـــــ مجھ کو اس شخص پر غصہ آ گیا۔ میں نے
کہا ـــــ "مجھ کو یاد ہے۔ اس نے تم کو خزانے کا اور تمہاری بیوی کو اولاد دینے
کا دھوکہ دیا تھا اور تم نے چھ سات راتوں کیلئے اپنی بیوی کو اس کے حوالے کر دیا
تھا۔ اس شخص کو قانون نے سزا دے دی تھی۔ اب بولو، کیا چاہتے ہو۔ تم
نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے جس کی سزا سات سال ہے۔ دس سال بھی ہو سکتی
ہے۔"

"جناب! بات یہ ہے" ـــــ اُس کی آواز اب مری ہوئی تھی۔ کہنے
لگا ـــــ "اس نے میری بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔"

میں بہت حیران ہُوا اور پوچھا ـــــ "کیا اس نے تمہاری بیوی کو
اغواء کیا ہے یا اُسے ورغلا کر لے آیا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو تم نے تھانے
میں رپورٹ کیوں نہیں دی؟"

"میں رپورٹ نہیں کر سکتا جناب!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "میں نے

بیوی کو پہلے ہی طلاق دے دی تھی"——میرے کہنے پر اُس نے ساری بات اس طرح سنائی——"اس نے میری بیوی کو چلّہ کشی کے واسطے اپنے ساتھ رکھا تھا، پھر پتہ لگا کہ یہ شخص تو بہت بڑا مجرم ہے۔ اس کے بھاگ جانے کے بعد میری بیوی میں ماں بننے کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں۔ میں نے تین مہینے انتظار کیا، پھر مجھ کو یقین ہو گیا کہ میری بیوی ماں بن رہی ہے۔ اگر یہ شخص (سرمد) سچّا پیر ہوتا تو میں کہتا کہ یہ پیر کی دعا کا اثر ہے لیکن یہ تو مجرم تھا۔ میں بچّہ پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ یہ بچّہ اس دھوکہ باز کا تھا۔ میں نے بیوی کو اُس کے ماں باپ کے گھر بھیج دیا اور پیچھے پیچھے طلاق بھیج دی۔ اُن کے ساتھ جھگڑا ہُوا لیکن وہ ہمارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے . . .

"بچّہ دو سال کا ہو گیا ہے۔ گاؤں کا کوئی مرد، کوئی عورت اور کوئی بچّہ اس عورت کے ساتھ مُنہ نہیں لگاتا تھا۔ اس کے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں نے بھی اس کو دھتکار دیا تھا۔ سب کہتے تھے کہ اِس نے حرام کا بچّہ پیدا کیا ہے۔ کوئی چھ مہینے گزرے، وہ بچّے سمیت گاؤں سے لاپتہ ہو گئی۔ کسی نے اس کو تلاش نہیں کیا۔ ڈیڑھ دو مہینے گزرے، پتہ لگ گیا کہ وہ اسی مجرم یار کے پاس ہے اور اس کے ساتھ اُس نے نکاح پڑھوا لیا ہے . . .

"آج میں ایک کام سے شہر آیا تو یہ بدکار آدمی مل گیا۔ یہ جیل کاٹ آیا تھا۔ میں نے اس کو روک کر پوچھا، اوئے، گناہوں کی سزا بھگت آئے ہو؟ کیا وہ بدکار بچّے کو لے کر تمہارے پاس آگئی ہے؟ اس نے مجھ کو ایسی بات کہہ دی کہ میری غیرت جوش میں آگئی . . ."

"تم میں غیرت ہے؟"——میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ میرا خون غصّے سے سخت گرم ہو گیا تھا۔ میں نے کہا——"تم نے خزانے کے لالچ میں اپنی بیوی کو ایک ہٹے کٹے آدمی کے حوالے خود کیا اور الزام اُس پر لگایا کہ اُس نے حرام کا بچّہ پیدا کیا ہے۔ مجھ کو شک ہے کہ تم بھی کسی پیر کی اولاد ہو"

میں نے اتنی بکواس کی جو میں لکھ ڈالوں تو آپ مجھ کو مُتداور کا فر کہہ دیں گے جب میں بکواس کر کر کے تھک گیا تو میں نے اُس کو کہا کہ میں اُس کو دفعہ ۳۰۷ میں

گرفتار کر کے سات سال سزا دلاؤں گا۔ یہ کہہ کر میں نے اُس کو اور اُس کے ساتھی کو حوالات میں بند کر دیا۔ یہ میں نے صرف ڈرانے کے واسطے کیا تھا۔ میں نے اصل کارروائی یہ کی کہ اُس کے گاؤں اطلاع بھجوائی کہ ان دونوں کی نیک چلنی کی ضمانت دو اور ان کو لے جاؤ۔

پیاس بجھ گئی

سرمد کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اُس نے جو قصّہ سنایا، وہ میں اپنے الفاظ میں سناؤں گا۔ اُس کا قصہ بہت لمبا تھا۔ اُس کی سزا دو سال تھی۔ جیل میں اچھے اخلاق کی وجہ سے اُس کو چار مہینے معافی مِل گئی تھی۔ اُس کے دل سے تاجی نکلی نہیں تھی۔ جیل سے آکر وہ تاجی کو ملنے کے واسطے بے قرار رہنے لگا لیکن ملاقات ناممکن تھی۔ اُس کو یہ احساس بھی تھا کہ تاجی اُس کو گالیاں دیتی ہو گی۔ اُس نے تاجی کو دھوکہ دیا تھا۔

ایک مہینہ گزرا ہو گا کہ مردان شاہ کا ایک آدمی اُس کو مِلا۔ اُس نے سرمد کو بتایا کہ اُس کے جُرم نے تاجی کی زندگی تباہ کر دی ہے، اُس کے بطن سے بچّہ ہُوا تھا اور خاوند نے اُس کو اس جُرم میں طلاق دے دی ہے اور تاجی گاؤں میں اچھوتوں جیسی زندگی گزار رہی ہے۔

سرمد نے تاجی کی یہ حالت سُنی تو اُس کی اپنی حالت بگڑ گئی۔ وہ مردان شاہ کے پاس چلا گیا اور اُس کو کہا کہ وہ تاجی کا حال احوال معلوم کر کے اُس کو ایک پیغام دینا چاہتا ہے۔ مردان شاہ کے ہاتھ بڑے لمبے تھے۔ وہ قید کاٹ آیا تھا پھر بھی لوگ اُس کے تعویذوں کو مانتے تھے۔ اُس نے ایک غریب سی عورت کو اس کام کے لیئے تیار کر لیا اور اُس کو بتایا کہ وہ تاجی کی بابت کس طرح حال معلوم کرے گی۔

دوسرے ہی دن حال معلوم ہو گیا۔ تاجی اپنے بچّے کے ساتھ اپنے ماں باپ کے گھر رہتی تھی لیکن اس گھر میں نوکروں کی قدر تھی تاجی کی کوئی قدر نہیں تھی۔

اُس کے بچّے کو اُس کے اپنے ماں باپ ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے۔ وہ جوان اور حسین تھی۔ اگر وہ بیوہ ہوگئی ہوتی تو اُس کے ساتھ نکاح پڑھانے کے واسطے ایک درجن آدمی تیار ہوجاتے، مگر اب اُس کی طرف کوئی دیکھتا نہیں تھا۔

سرمد نے اس عورت کو کہا کہ وہ اگر اُس کا پیغام تاجی تک پہنچا دے تو وہ اُس کی جھولی پیسوں سے بھر دے گا۔ غریب سی یہ عورت تیار ہوگئی۔ سرمد نے پیغام یہ دیا کہ کل آدھی رات کے لگ بھگ تاجی گھر سے اور گاؤں سے اُس طرف نکل آئے جدھر سے سورج چڑھتا ہے۔ اپنے بچّے کو ساتھ لے آئے۔ سرمد موجود ہوگا۔ سرمد نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ اب شریفوں جیسی زندگی گزارنا چاہتا ہے لیکن تاجی اُس کے پاس نہ آئی تو سرمد کا انجام معلوم نہیں کیا ہوگا۔

اس عورت نے یہ کمال کر دکھایا۔ وہ تاجی کے گاؤں گئی اور بڑی استادی سے تاجی کو زبانی پیغام دے دیا۔ تاجی نے پیغام کا جواب دیا کہ وہ آدھی رات کو اُس طرف آجائے گی۔

سرمد مردان شاہ کی گھوڑی پر اگلی رات تاجی کے گاؤں چلا گیا اور گاؤں سے کچھ دُور رُک گیا۔ تاجی نے آنے نے زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس نے سویا ہوا بچّہ اٹھایا ہوا تھا۔ سرمد نے سوئے ہوئے بچّے کو پیار کیا اور تاجی کو گھوڑی پر اپنے آگے بٹھا لیا۔ سرمد نے تاجی کو کہا کہ اب وہ اُس کو دھوکہ نہیں دے گا۔

"میرے ساتھ اور زیادہ دھوکہ کیا ہوگا" —— تاجی نے کہا —— "میں نے جس دوزخ میں دو سال گزارے ہیں، اس سے بڑھ کر اور دھوکہ کیا ہوگا" —— اور وہ اتنی روئی کہ سرمد کو گھوڑی کو روک کر اُس کو بہلانا پڑا۔

فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔ مردان شاہ نے اُس کو کہا تھا کہ تاجی آجائے تو وہ راستے میں کہیں بھی نہ رُکے، سیدھا قصبے میں پہنچنے کی کوشش کرے۔ سرمد نے چھوٹا راستہ پکڑا تھا۔ مردان شاہ کے گاؤں کو وہ ایک طرف دُور چھوڑ گیا تھا۔ گھوڑی بڑی اچھی تھی۔ اچھی رفتار پر چل رہی تھی۔

تاجی اُس کو راستے میں بتاتی گئی کہ بچّے کے آثار ظاہر ہوتے ہی اُس کو خاوند نے دھتکار دیا تھا۔ اُس نے خاوند کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ یہ اُس کا بچّہ ہے لیکن سرمد کا پول کُھل جانے سے خاوند نے اس کے ساتھ تعلق توڑ لیا۔

"جس گاؤں میں میرا رُعب چلتا تھا" —— تاجی نے کہا —— "اس گاؤں میں میری یہ حالت ہوگئی تھی کہ چھوٹی چھوٹی ذاتوں کی عورتیں بھی میرے ساتھ بات نہیں کرتی تھیں۔"

سرمد صبح کی اذان سے پہلے قصبے میں پہنچ گیا اور اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُسی روز اُس نے اپنے دوستوں کو اور ایک مولوی کو بلایا اور تاجی کے ساتھ اس کا نکاح ہوگیا۔ سرمد نے کوئی غیر قانونی کارروائی نہیں کی تھی۔ تاجی بالغ تھی اور اُس کو طلاق ملی ہوئی تھی۔ وہ اپنے فیصلوں میں آزاد تھی۔ سرمد صرف یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا جو اُس پر آپڑا۔ اس کو یہی اُمید تھی کہ تاجی کے لواحقین اُس پر انتقامی وار کریں گے۔ یہ وار اُس پر عدالت نے کیا لیکن وہ بچ گیا۔

میں نے اُس کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ عدالت اور اس کے ساتھی کے آدمی رات کو تھانے میں آگئے۔ میں نے اُن کو کہا کہ ان دونوں کی نیک چلنی کی ضمانت دو۔ نمبردار اور ذیلدار ساتھ آئے تھے۔ میں نے ضمانت کے کاغذات تیار کئے اور عدالت اور اُس کے ساتھی کو چھوڑ دیا۔ میں نے سب کو ڈرایا کہ اب سرمد پر کسی نے حملہ کیا اور وہ نہ پکڑا گیا تو عدالت اور دوسرا آدمی شک میں گرفتار ہوں گے اور ان کے ضامن بھی پکڑے جائیں گے۔

میں نے سرمد کو پہلے ہی گھر بھیج دیا تھا۔ اُس کو میں نے کہا تھا کہ اب وہ کوئی مجرمانہ حرکت نہ کرے۔

"میری وہ پیاس بجھ گئی ہے جو مجھ سے اُوٹ پٹانگ حرکتیں کراتی رہتی تھی" —— اُس نے کہا تھا —— "خدا نے مجھ سے جو کچھ چھین لیا تھا، وہ اُس کی ذاتِ باری نے تاجی اور بچّے کے رُوپ میں مجھ کو واپس دے دیا ہے۔"

قرآن کی قسم اور کلہاڑی

شادی کے ایک مہینہ بعد اگر بیوی گم ہو جاتے تو میرا خیال ہے کہ انسان کی حالت بہت خراب ہو جاتی ہے۔ مَیں جب سب انسپکٹر ہوا کرتا تھا تو ایک خاوند میرے پاس آیا تھا جس کی بیوی شادی کے ایک مہینہ بعد گم ہو گئی تھی۔ اُس کے دل میں غصہ تو بہت ہو گا لیکن اُس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔ وہ سوچتا ہو گا کہ سُننے والے کہیں گے کہ بیوی نے اس شخص کو اپنے قابل نہیں سمجھا۔

مجھ کو تھانے میں جو آدمی رپورٹ دینے آتے تھے ان میں ایک خاوند تھا، ایک اُس کا باپ اور ایک لڑکی کا باپ۔ لڑکی کو لاپتہ ہوتے دو دن ہو گئے تھے۔ لڑکی کی شادی اس کے خاوند کے ساتھ ایک مہینہ پہلے ہوتی تھی۔ وہ اپنے سسرال کے گھر سے لاپتہ ہوتی تھی۔ وہ کہتے تھے اغوا ہوتی ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کس نے اغوا کی ہے تو اُنہوں نے کہا کہ اُن کو معلوم نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی پر اُن کو شک تو ہو گا؟ تب بھی اُنہوں نے کہا کہ کسی پر شک نہیں۔

وہ ایک گاؤں تھا لیکن چھوٹا نہیں تھا اور بہت بڑا بھی نہیں تھا۔ یہ لوگ جن کی بہو لاپتہ ہو گئی تھی، خوشحال زمیندار اور مسلمان تھے۔ لڑکی والے بھی انہی کی ٹکر کے لوگ تھے۔ میں نے پوچھا کہ لڑکی لاپتہ کس طرح ہوتی ہے تو

اُنھوں نے بتایا کہ ان کا مکان پکّا یعنی اینٹوں کا ہے۔ دیہات میں زیادہ مکان کچّے ہوتے ہیں۔ لڑکی کے سُسرال کا مکان کشادہ حویلی تھی۔ صحن کی طرف دو برآمدے تھے۔ رات کو لاپتہ لڑکی زرینہ اور اُس کا خاوند اقبال ایک برآمدے میں سوتے تھے۔ گمشدگی کی رات بھی دونوں وہیں سوتے تھے۔ گھر کے باقی افراد دوسرے برآمدے میں سوتے تھے۔

سحر کے اندھیرے میں زرینہ کے سُسر اور ساس اُٹھے۔ وہ روزانہ اسی وقت اٹھا کرتے تھے اور بھینس اور گائے کا دودھ دوہتے تھے۔ اُس روز وہ اُٹھے تو ڈیوڑھی میں جا کے دیکھا کہ بڑا دروازہ کھُلا ہُوا تھا۔ ساس اور سُسر کے سوا اتنی سویرے کوئی اور نہیں اٹھا کرتا تھا۔ سُسر نے اندر جا کر دیکھا۔ اُس کی بہُو زرینہ بستر پر نہیں تھی۔ سُسر نے اپنی بیوی کو بتایا۔ اُنھوں نے تھوڑا وقت انتظار کیا۔ زرینہ واپس نہ آئی۔

صبح ہو گئی پھر سورج نکل آیا۔ زرینہ واپس نہ آئی۔ زرینہ کا میکہ گاؤں ڈیڑھ میل دُور تھا۔ وہاں جا کر پوچھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ زرینہ اِدھر نہیں آئی۔ کسی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کہاں ڈھونڈیں۔ تین چار گھروں میں جا کر دیکھا اور وہ دن انھوں نے انتظار میں گزار دیا۔ رات کو زرینہ کا سُسر اور باپ اپنے پیر کے پاس چلے گئے۔ پیر نے اپنا "حساب کتاب" دیکھا اور بتایا کہ لڑکی دُور نکل گئی ہے۔ واپس آ جائے گی لیکن بہت زور لگانا پڑے گا۔ پیر نے اُن کو ایک مٹھی کالے ماش، اس سے آدھا نمک پسا ہُوا اور تین اُوٹ پٹانگ چیزیں لانے کو کہا۔ وہ یہ ساری چیزیں اپنے پیر کو دے آئے۔ اُس نے کہا کہ شام تک لڑکی اُڑتی ہوئی واپس آ جائے گی۔ زرینہ کے باپ اور سُسر نے پیر کو ڈبل نذرانہ دیا۔ جس طرح کپڑے ارجنٹ ڈرائی کلین کراؤ تو ڈبل پیسے دینے پڑتے ہیں اسی طرح ان لوگوں نے پیر کو کہا کہ لڑکی شام سے پہلے پہلے واپس آ جائے تو وہ پیر کی جھولی پیسوں سے بھر دیں گے۔ زرینہ کے باپ نے پیر کو ایک بکرا دینے کا بھی وعدہ کیا۔

مجھ کو یہ سُن کر بہت افسوس ہُوا کہ وہ ایک سکھ تھا جس نے ان کو کہا

کہ بیوقوفو، پولیس کو بتاؤ۔ یہ پیر لڑکیاں اغوا کرا سکتے ہیں، اغوا ہو جانے والی لڑکی کو واپس نہیں لا سکتے۔ اُنھوں نے زرینہ کی گمشدگی کو چھپانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن گاؤں میں کسی کا پردہ نہیں رہ سکتا۔ اس سکھ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ لوگ لڑکی کی واپسی کے واسطے پیر کے پاس گئے تھے۔ سکھ نے ان کی عقل کے دروازے کھولے تو یہ میرے پاس آ گئے۔

"لڑکی گھر سے کچھ لے گئی ہے؟" — میں نے پوچھا — "زیور، روپیہ پیسہ؟"

"کچھ بھی نہیں لے گئی" — سُسر نے جواب دیا — "ہم نے دیکھ لیا ہے .... پر ہم تو کہتے ہیں جی، کہ اُس کو کسی نے اغوا کیا ہے۔"

"کسی کے ساتھ دشمنی ہے؟"

"نہیں جی!" — سُسر نے جواب دیا — "چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں پر قتل اور اغوا والی دشمنی کسی کے ساتھ نہیں۔"

"ڈیوڑھی کا دروازہ رات کو اندر سے بند تھا؟"

"پکّا بند تھا جی!" — سُسر نے جواب دیا — "میں نے خود زنجیر چڑھائی تھی۔"

"مجھ کو ایک بات سوچ کر بتاؤ" — میں نے کہا — "کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری بیٹی کو اغوا کرنے والے آدمی دیوار کے اُوپر سے آئے اور لڑکی کو اُٹھا کر دروازہ کھولا اور نکل گئے؟" — میں نے زرینہ کے خاوند کو کہا — "تم بتاؤ، تم سوئے ہوئے تھے، مرے ہوئے تو نہیں تھے۔ اُنھوں نے لڑکی کو اُٹھایا تو اُس نے ذرا سی آواز تو نکالی ہو گی۔ وہ لڑکی تھی، لکڑی تو نہیں تھی کہ کوئی آیا اور اُسے لے کر چلا گیا۔"

"مجھ کو کچھ پتہ نہیں وہ کس طرح گئی ہے" — خاوند کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں تم سب کو بتاتا ہوں کہ لڑکی خود گئی ہے" — میں نے کہا — "میں اگر تم سے پوچھوں گا کہ لڑکی کا چال چلن کیسا تھا تو تم کہو گے کہ وہ پاک صاف اور نیک لڑکی تھی۔ میں تم کو کہوں گا کہ لڑکی اس اقبال کی بجائے کسی اور کو پسند

کرتی تھی اور اُس کے ساتھ چلی گئی ہے تو تم کہو گے کہ وہ تو اس شخص پر جس کا نام اقبال ہے، مرتی تھی .... تم میں کون سچ بولے گا؟"

میں نے اُن تینوں کی طرف دیکھا لیکن کسی نے بھی جواب نہ دیا۔

"جناب! ہم تو یہی کہیں گے کہ لڑکی ایسی نہیں تھی"۔۔۔ زرینہ کے سُسر نے کہا۔۔۔ "وہ بالکل چُپ چاپ لڑکی تھی۔ آپ کسی اور سے پوچھ لیں"۔

انہوں نے دو دن ضائع کر دیئے تھے اس واسطے یہ معلوم کرنا ناممکن ہو گیا تھا کہ لڑکی خود گئی ہے یا اُٹھائی گئی ہے۔

"تم نے پیر کو بتایا نہیں کہ لڑکی شام تک واپس نہیں آئی؟"

"بتایا تھا جی!"۔۔۔ زرینہ کے سُسر نے جواب دیا۔۔۔ "وہ کہتے تھے کہ لڑکی پر بڑے سخت تعویذ کئے گئے ہیں۔ واپس آجائے گی پر بہت دن لگ جائیں گے"۔

لڑکی چُپ رہتی تھی

میں اُن کے گھر چلا گیا۔ برآمدے میں وہ جگہ دیکھی جہاں لڑکی سوتی تھی۔ اُس کے خاوند کی چارپائی اُس کی چارپائی کے ساتھ ملی ہوتی تھی۔ باہر کی دیوار اتنی اُونچی تھی کہ کوئی اُدھر سے اندر نہیں آسکتا تھا۔ چھت کی طرف سے آنا بھی بہت مشکل تھا۔ میں نے مکان کو بڑی اچھی طرح دیکھا۔ مجھ کو یہی ایک بات سمجھ میں آتی تھی کہ لڑکی خود گئی ہے۔ اس گھر سے لڑکی کو اٹھا لے جانا اُسی کا کام ہو سکتا تھا جو نامی گرامی اور زبردست ڈاکو ہو گا۔

ایک شک اور بھی میرے دماغ میں آیا۔ وہ یہ کہ اقبال (خاوند) نے کسی وجہ سے لڑکی کو قتل کر دیا ہو گا اور لاش کہیں پھینک آیا۔ میرا یہ شک اس واسطے کچا تھا کہ اقبال نے زرینہ کو قتل کیا ہوتا اور وہ لاش کو کہیں پھینک آیا ہوتا تو لاش کسی نہ کسی کو نظر آجاتی۔ یہ ہو سکتا تھا کہ اُس نے لاش کو دفن کر

دیا ہو گا۔ مجھ کو اقبال پر شک اس واسطے بھی تھا کہ وہ بالکل چپ تھا۔ اُس کا باپ بولتا تھا۔ ہر سوال کا جواب وہی دیتا تھا۔

"جناب!"۔۔۔ اقبال کے باپ نے کہا۔۔۔ "ایک بات میرے ناقص دماغ میں آتی ہے۔ لڑکی اگر خود جاتی تو پیسے اور زیور ضرور لے جاتی"۔

میں اس کو ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ اُس کا یارانہ ایسے آدمی کے ساتھ ہو گا جس کو روپے پیسے اور زیور کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب باتیں ابھی مجھ کو معلوم کرنی تھیں۔ مجھ کو لاپتہ لڑکی کے سُسرال کے مشوروں کی ضرورت اس واسطے نہیں تھی کہ اُن کی ناک پر مکھی بیٹھ گئی تھی۔ نئی نئی بہو کا بھاگ جانا بڑی بُری بے عزتی والی بات تھی۔ میرے پاس بہت ذریعے تھے جن سے مجھ کو زمین کے نیچے کا حال بھی معلوم ہو جاتا تھا۔

ایک ضروری پہلو اپنے سامنے رکھ لیں۔ یہ اُس وقت کی واردات ہے جب آج کل کی طرح آزادی نہیں تھی۔ لوگ اخلاق اور کردار کے پابند ہوتے تھے۔ لڑکے لڑکیاں آسانی کے ساتھ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے۔ شرم اور حیا کو بہت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ آج کل کسی لڑکی کا کسی کے ساتھ نکل جانا کوئی بڑا واقعہ نہیں سمجھا جاتا۔ اُس زمانے میں کوئی لڑکی گھر سے بھاگ جاتی تو اُس کو بہت عجیب اور بہت دلیر لڑکی کہتے تھے۔

میں نے اقبال کو الگ کر کے پوچھا کہ وہ خود مجھ کو کچھ بتا دے گا یا میں پہلے دوسروں سے پوچھوں کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُس نے ایسا جواب دیا جس نے میری تسلی نہ کی، بلکہ شک ہو گیا۔ میں نے اُس کو پرے کر دیا اور اُس کی ماں کو الگ بٹھا لیا۔

"دیکھو ماں جی!"۔۔۔ میں نے اُس کو صاف بات کہی۔۔۔ "اب اپنی عزت بے عزتی کا خیال نہ کرو۔ جب معاملہ پولیس کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے تو کسی کا پردہ نہیں رہتا۔ تمہاری بہو اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اب تم کسی کا لحاظ نہ کرو۔ مجھ کو ہر بات بتاؤ۔ سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ لڑکی کی عادتیں کیسی تھیں۔ چال چلن کیسا تھا؟ تمہارے بیٹے کے ساتھ اُس کا سلوک کیسا تھا؟ گھر میں تم سب کے

ساتھ کیسا سلوک کرتی تھی، ہوشیار تھی، چالاک تھی یا بدھو سی رہتی تھی؟

"ہم نے اُس کی دو خوبیاں دیکھ کر اُس کا رشتہ لیا تھا" — اقبال کی ماں نے کہا — "ایک اُس کی خوبصورتی اور دوسرا وصف یہ کہ بالکل چپ رہنے والی لڑکی تھی۔ اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی بہت کم بولتی تھی۔ نماز روزہ باقاعدہ کرتی تھی۔"

"اُداس اُداس رہتی تھی؟" — میں نے پوچھا۔

"نہیں" — اقبال کی ماں نے جواب دیا — "خوش رہتی تھی۔"

"یہاں تمہارے گھر میں اُس کا سلوک کیسا تھا؟"

"یہاں بھی خاموش رہتی تھی" — اُس نے جواب دیا۔

"اور خوش بھی؟"

اقبال کی ماں سوچ میں پڑ گئی پھر اُس نے کہا — "اُس طرح خوش نہیں تھی جس طرح اپنے ماں باپ کے گھر ہوتی تھی۔"

"اور اپنے خاوند کے ساتھ؟"

"وہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہماری لڑکیاں شادی کے بعد سب کے سامنے اپنے خاوندوں کے ساتھ بات کرتے شرماتی ہیں" — اقبال کی ماں نے کہا — "اقبال کے ساتھ زرینہ کو بات کرتے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اقبال اتنی خوبصورت دلہن سے بہت خوش ہوگا؟" — میں نے کہا — "مجھ کو بالکل ٹھیک جواب چاہیئے۔ سوچ کر جواب دو۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ وہ خود گئی ہے یا اُسے کوئی اُٹھا کر لے گیا ہے۔"

"میرا بیٹا خوش نظر نہیں آتا تھا" — اُس نے بتایا — "میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ میرا بیٹا ہنسی مذاق والا لڑکا تھا مگر اُس کی ہنسی غائب ہی ہو گئی تھی۔"

"اگر میں تم سے پوچھوں کہ زرینہ کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا تو تم کہو گی کہ بہت اچھا تھا" — میں نے کہا — "تم سچ نہیں بولو گی۔"

"اگر میں سچ نہیں بولوں گی تو میرے بیٹے سے پوچھ لیں" — اُس نے

کہا — "ہمارے دائیں بائیں گھر ہیں، ان سے پوچھ لیں۔ زرینہ کی ماں سے پوچھ لیں۔ میں اُسے یہ ضرور کہتی تھی کہ زبان کو ذرا کھولو۔ لوگ کہیں گے کہ اس کو ساس نے دبا کر رکھا ہوا ہے۔"

"پھر وہ کیا کہتی تھی؟"

"پھر بھی چپ رہتی تھی" — اقبال کی ماں نے جواب دیا — "ساس بہو کی لڑائی مشہور ہے لیکن وہ تو بولتی ہی نہیں تھی۔"

اس عورت کے ساتھ میں نے بہت مغز کھپایا۔ اس سے مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ زرینہ اور اقبال کے درمیان کوئی بات ضرور تھی۔ زرینہ چپ تو رہتی تھی لیکن اپنے ماں باپ کے گھر کی طرح خوش نہیں تھی اور اقبال جو ہنسی مذاق والا آدمی تھا، اُس کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ میں نے یہ بھی دماغ میں رکھا ہوا تھا کہ زرینہ کو ساس تنگ کرتی ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ساس نے اپنے بیٹے کے کان بھر کر زرینہ کو اُس کے ہاتھوں پٹوا دیا ہو۔ دیہاتی لوگ بیویوں کو مارنے پیٹنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

مجھ کو بہت ساری باتیں معلوم کرنی تھیں۔ میں نے زرینہ کی ماں کا پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے گاؤں سے یہاں آئی ہوتی ہے۔ اُس کو بلایا۔ میں اقبال کے گھر کی ڈیوڑھی میں بیٹھ گیا تھا۔

وہ رات کو نکل جاتی تھی

زرینہ کی ماں رو رہی تھی۔ اُس کو بہت زیادہ صدمہ ہوا تھا۔ اُس کی بیٹی گم ہو گئی تھی۔ میں نے اُس کو بہلایا اور اُس کا رونا ختم کیا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری بیٹی مل جائے تو مجھ کو اپنی بیٹی کی بابت ہر ایک بات بتاؤ" — میں نے اُس کو کہا — "پہلی بات یہ ہے کہ تم کچھ بتا سکتی ہو یا سوچ سکتی ہو کہ وہ کہاں گئی ہوگی؟ کس کے ساتھ گئی ہوگی؟"

"اللہ کی قسم لے لو، میرے سر پر قرآن مجید رکھ دو" — اُس نے کہا

——"میری بیٹی کسی کے ساتھ جانے والی نہیں۔ وہ چُپ چاپ اللہ کو یاد کرنے والی لڑکی ہے۔"

"اقبال کے ساتھ رشتہ طے ہُوا تو وہ خوش تھی؟"

"نہ جی!"——اُس نے جواب دیا ——"یہ میں آپ کو سچ بتا دیتی ہوں کہ وہ خوش نہیں تھی۔"

"کیا کہتی تھی؟"——میں نے کہا ——"یہی کہتی ہو گی کہ اقبال اچھا نہیں لگتا۔"

"پہلے کہتی تھی کہ میری شادی نہ کرو"——زرینہ کی ماں نے کہا ——"کہتی تھی کہ میں دوسرے گھر میں خوش نہیں رہوں گی۔ میں نے اُس کو سمجھایا کہ اقبال اتنا خوبصورت جوان ہے۔ اس کے ساتھ وہ خوش رہے گی۔ پھر کہنے لگی کہ اقبال کے ساتھ شادی نہ کرو۔ میں نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ شادی سے میرا دل گھبراتا ہے۔ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ نو عمر لڑکی ہے اس واسطے شادی سے گھبراتی ہے۔"

"تم ماں جی، کیا خیال ظاہر کرتی ہو؟"——میں نے پوچھا ——"کیا وہ اقبال کو پسند نہیں کرتی تھی؟ پھر وہ کس کو چاہتی تھی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اقبال کو پسند نہ کرتی ہو"——زرینہ کی ماں نے جواب دیا ——"آپ نے اقبال کو دیکھا ہے۔ اُس کو ہر لڑکی پسند کرتی ہو گی....

میری بیٹی باہر گھومنے پھرنے کی شوقین نہیں تھی اور وہ جوان لڑکیوں کی طرح شوخیاں نہیں کرتی تھی۔ وہ کسی اور کو نہیں چاہتی تھی .... اپنی بیٹی کی بابت میں قسم کھا سکتی ہوں۔"

"قسم نہ کھاؤ ماں جی!"——میں نے کہا ——"کسی کے دل کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوتا .... مجھ کو یہ بتاؤ کہ اُس کے سُسرال نے اُسے تنگ کیا ہو گا اور وہ گھبرا کر بھاگ گئی ہو گی۔"

"وہ بھاگ کر جاتی کہاں؟"——اُس نے جواب دیا ——"اپنے ہی گھر آتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس ایک مہینے میں وہ تین مرتبہ میرے پاس آئی تھی۔ میں

نے اُس کی ساس، سُسر اور اقبال کے سلوک کی بابت پوچھا تھا۔ اُس نے کوئی شکایت نہیں کی تھی۔"

"ماں جی!"——میں نے کہا ——"میں تمہاری بیٹی کو کہیں نہ کہیں سے نکال لاؤں گا لیکن اُس کی بابت اُس کی سہیلیوں سے معلوم کرو۔ وہ کسی نہ کسی کو چاہتی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اُس کو کسی نے اٹھایا نہیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ میں اُس کو دیکھتا رہا۔ آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ وہ خوشحال زمیندار خاندان کی معزز عورت تھی۔ اُس کے بولنے کا طریقہ بڑا اچھا تھا۔

"آپ کہتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے"——اُس نے کہا ——"اس سے میرے دل کو رنج ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے میں آپ کو ایک بات بتاتی ہوں۔ زرینہ کو نیند میں چلنے کی عادت تھی، لیکن .... لیکن میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"نیند میں چلنے کی عادت تھی؟"——میں نے حیران ہو کر پوچھا ——"کیا وہ نیند میں باہر نکل جاتی ہے؟"

میری زبان پر اکٹھے ہی بہت سارے سوال آ گئے جو میں نے اُس سے ایک قطار میں پوچھ لئے۔ وہ میرے مُنہ کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جس طرح مجھ کو بیوقوف سمجھتی ہو۔ اُس نے ضرور سوچا ہو گا کہ اس بیوقوف آدمی کو کیا ہو گیا ہے۔ اُس نے میرے تمام سوالوں کے جواب دے دیئے۔ میری کہانی پڑھنے والے بہن بھائیوں کو معلوم ہو گا کہ بعض لوگوں کو، خصوصاً بچوں کو، نیند میں چلنے کی بیماری لگ جاتی ہے۔ اس بیماری والا انسان سوتے سوتے چارپائی سے اُٹھتا ہے اور کمرے میں یا صحن میں گھوم پھر کر چارپائی پر آ کر لیٹ جاتا ہے۔ اُس کی آنکھ نہیں کھلتی بلکہ ایسا کہیں کہ اُس کی نیند نہیں کھلتی۔ وہ سویا رہتا اور چلتا رہتا ہے۔ صبح اُسے بالکل یاد نہیں ہوتا کہ رات کو وہ چلتا پھرتا رہا ہے۔ یہ نفسیاتی بیماری ہوتی ہے۔

زرینہ کی بابت اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ مہینے میں ایک مرتبہ اور کبھی دو مرتبہ آدھی رات کے وقت نیند میں اُٹھ کر چل پڑتی تھی۔ ماں یا گھر کا کوئی فرد

جاگ اٹھتا اور اُسے روکتا تھا تو اُس کو احساس نہیں ہوتا تھا کہ اُس کو کوئی روک رہا ہے۔ وہ صحن میں چکر لگا کر واپس آجاتی تھی۔ دو مرتبہ وہ کوٹھے پر چڑھ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے اُس کو دونوں مرتبہ ماں نے دیکھ لیا تھا اور اُس کو بازو سے پکڑ کر لے آئی تھی۔ اُس کی آنکھ نہیں کھُلی تھی۔ اس حالت میں اُس کی آنکھیں آدھی کھلی رہتی تھیں۔ اُس کو یہ مرض شادی سے پانچ چھ سال پہلے شروع ہُوا تھا۔ ایسا سمجھتے کہ جب مرض شروع ہُوا اُس وقت اُس کی عمر تیرہ چودہ سال تھی۔

ماں باپ اس کا علاج تعویذوں سے اور خانقاہوں کی مٹی سے کرتے رہتے تھے۔ اُن کو معلوم نہیں تھا کہ یہ ذہن لاشعور کا اثر ہے اور یہ ایسا نفسیاتی مرض ہے جو تعویذوں اور دوائیوں سے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

"اس کے سُسرال کو تم نے بتایا تھا کہ اس کو یہ بیماری ہے؟"

"نہیں جی!" — زرینہ کی ماں نے جواب دیا — "اگر بتا دیتے تو وہ اس کا رشتہ نہ لیتے۔"

میں نے اس عورت کے ساتھ بھی بہت مغز کھپایا۔ اس کو میں نے بہت دفعہ کہا کہ اُس کی بیٹی کسی اور کو چاہتی تھی، وہ اُس آدمی کا سراغ لگاتے۔ وہ کہتی تھی کہ ایسا کوئی آدمی نہیں۔ میرے دماغ میں اب زرینہ کا نیند میں چلنا اٹک گیا۔ زرینہ کی ماں کو میں نے باہر بھیج دیا۔

میں نے نمبردار، ذیلدار اور دو معزز آدمیوں کو بلایا۔ اُن کو کہا کہ تمہارے گاؤں کی ایک لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے، اُن کو آرام نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ سب سراغرسانی کریں اور مجھ کو بتائیں کہ لڑکی عادتوں کی کیسی تھی۔ میں نے اُن کو یہ بھی کہا کہ وہ زرینہ کے گاؤں میں جاسوسی کریں اور مجھ کو بتائیں کہ اُس کا درپردہ دوستانہ کس کے ساتھ تھا۔

یہ لوگ بڑے کام کی باتیں معلوم کر لیا کرتے تھے۔ نمبردار نے بتایا کہ اقبال زندہ دل آدمی تھا لیکن شادی کے بعد وہ اس طرح بدل گیا تھا کہ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نہیں آتی تھی۔

میں نے زرینہ کے باپ، اقبال کے باپ اور اقبال کو اپنے ساتھ

لیا اور تھانے چلا گیا۔ کوئی انسان لاپتہ ہو جاتے تو بہت ساری کاغذی کارروائی کرنی ہوتی ہے۔ دوسرے تھانوں کو گمشدہ فرد کا نام پتہ اور حُلیہ لکھ کر بھیجا جاتا ہے۔ میں نے محرّر کو اس کام پر لگا دیا اور اقبال کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

پہلی رات کِس طرح گزُری؟

"اگر تم اب بھی مجھ کو کچھ نہیں بتاؤ گے تو میں کہوں گا کہ تمہاری دُلہن نے تم کو پسند نہیں کیا اور تم نے اُس کو قتل کر کے لاش کہیں دبا دی ہے" — میں نے اقبال کو کہا — "تمہاری خاموشی مجھ کو شک میں ڈال رہی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ میں نے تمہارے گاؤں میں کتنے آدمیوں کے ساتھ باتیں کی ہیں۔ تمہاری ماں نے بھی مجھ کو کچھ بتایا ہے اور زرینہ کی ماں نے بھی۔ مجھ کو صرف اس سوال کا جواب دے دو کہ شادی سے پہلے تم ہنستے مسکراتے تھے مگر شادی کے بعد تم کو کیا ہو گیا ہے؟ اتنی خوبصورت لڑکی کے ساتھ شادی کر کے تم کو کیا روگ لگ گیا تھا؟"

"میں نے اُس کو قتل نہیں کیا" — اُس نے کہا — "اگر قتل کرنا ہوتا تو پہلی رات کر دیتا۔"

"کیوں؟" — میں نے پوچھا — "پہلی رات ہی کیوں قتل کر دیتے؟"

اُس نے اس طرح آہ بھری جس طرح کسی کے اندر بہت غم ہوتا ہے، پھر اُس نے سر آگے کو پھینک دیا۔ میں اُس کو دیکھتا رہا۔ اُس نے سر اُوپر اُٹھایا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں۔ وہ خوبصورت جوان تھا۔ عمر چوبیس سال سے اُوپر نہیں کم ہو گی۔

"میں کمزور دل والا آدمی نہیں ہوں" — اُس نے کہا — "اور مجھ کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ اداسی اور غم کیسے ہوتے ہیں۔ مجھ کو گاؤں کی جوان عورتیں کسی اور نگاہ سے دیکھتی ہیں لیکن میری شادی ہوئی تو پہلی رات دلہن نے مجھ کو کہہ دیا کہ میرے قریب نہ آنا، میں نے تم کو دل سے خاوند قبول نہیں کیا۔ اُس

سے یہ بات ڈرتے ڈرتے اور شرم وحیا سے نہیں کہی تھی۔ اُس نے بڑی دلیری سے مجھ کو ہاتھ پیچھے رکھنے کو کہا تھا....

"مجھ کو سب نے بتایا تھا کہ تم کو جو دُلہن مل رہی ہے وہ اتنی چُپ رہتی ہے کہ اُس کو گونگی کہتے ہیں مگر گونگی نے مجھ کو گونگا کر دیا۔ میری جو دلیری مشہور تھی وہ پتہ نہیں کدھر چلی گئی۔ میں پلنگ سے اُٹھ کر اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میرا دماغ مجھ کو جواب دے گیا۔ جو آدمی اپنے آپ کو شہزادہ سمجھتا ہو اور کہتا ہو کہ اُس پر عورتیں مرتی ہیں، اُسے ایک لڑکی کہہ دے کہ پیچھے رہو، میرے قریب نہ آنا تو وہ برف کی طرح پگھل کر پانی بن جائے گا یا آگ کا شعلہ بن جاتے گا۔ وہ مر جاتے گا یا مار دے گا۔ مجھ کو اس طرح لگا کہ میں برف کی طرح پگھل گیا ہوں....

"میری زبان میں بولنے کی طاقت نہ رہی۔ وہ سمجھی کہ مجھ کو بہت غصہ چڑھ گیا ہے۔ اُس نے کہا کہ تم مرد ہو اور میں کمزور لڑکی ہوں۔ مجھ کو مارو پیٹو۔ مجھ کو قتل کر دو لیکن تمہاری بیوی نہیں بنوں گی۔ زبردستی بیوی بناؤ گے تو میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکوں گی۔ لڑائی جھگڑا نہیں کروں گی لیکن یہ سوچ لو کہ تم پر ایسے ایسے الزام لگاؤں گی کہ تم مُنہ چھپاتے پھرو گے....

"مجھ کو معلوم تھا کہ عورت یہ مشہور کر دے کہ میرا آدمی میرے قابل نہیں تو آدمی کا سر جھک جاتا ہے۔ ویسا ہی میرے ساتھ ہُوا۔ میں" نے اُس کو بہت ساری باتیں کہیں۔ اُس کو سمجھایا کہ وہ نکاح کے وقت انکار کر دیتی، اب تو وہ میری بیوی بن چکی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں بھاگوں گی نہیں، تمہارے گھر میں رہوں گی لیکن میاں بیوی والا تعلق نہیں رکھوں گی۔ اُس نے اپنے چہرے سے گھونگھٹ اُٹھا دیا تھا۔ اگر اُس کی شکل وصورت معمولی سی ہوتی تو معلوم نہیں میں کیا کر گزرتا۔ زرینہ کے حُسن کو دیکھ کر مجھ پر ایسا اثر ہُوا جس نے مجھ کو زندہ لاش بنا دیا....

"میں نے اُس کو کہا کہ میں اتنا بدصورت تو نہیں جو تم مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو۔ اُس نے کہا کہ تم کو کس نے کہا ہے کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ تم ماں کے اتنے خوبصورت بیٹے ہو۔ تم کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے لیکن جس

طرح تم نے مجھ کو قبول کیا ہے اس طرح میں نے تم کو قبول نہیں کیا۔ اگر تم مجھ کو طلاق دے دو تو تمہارا یہ احسان ساری عمر نہیں بھولوں گی....

"میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے جس کے واسطے تم مجھ کو لات مار رہی ہو۔ اُس نے کہا کہ یہ تو کبھی بھی نہیں بتاؤں گی.... بس جناب! رات اسی طرح گزر گئی۔ صبح مجھ کو چکر آ رہے تھے۔"

"تم نے اپنی ماں یا اپنے باپ کو نہیں بتایا؟"

"نہیں جی!" ــــ اقبال نے جواب دیا ــــ "میں نے اُن کو نہیں بتایا... اگر آپ پوچھیں کہ میں نے کس واسطے نہیں بتایا تو میں آپ کو کچھ بھی جواب نہیں دوں گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس لڑکی نے مجھ پر پہلے سے کوئی تعویذ یا ٹُونہ کیا ہُوا ہے۔ آپ سارے گاؤں سے پوچھیں، میں کتنا دلیر آدمی ہوں لیکن اس لڑکی کے آگے میری ساری دلیری جواب دے گئی۔ مجھ کو دوست مذاق میں کچھ نہ کچھ کہتے تھے اور پوچھتے تھے کہ پہلی رات کس طرح گزاری ہے۔ میں بہت مشکل سے صرف یہ کہتا تھا کہ اچھی گزاری ہے۔"

آپ کو معلوم ہو گا کہ تعویذ اور ٹونہ کیا ہوتا ہے۔ عامل لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں کالا علم یا جادو ہوتا ہے جس کو اُلٹا علم بھی کہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس علم کو نہیں مانتے لیکن یہ علم موجود ہے اور اس کا اثر اچھا بھی ہو سکتا ہے لیکن زیادہ لوگ اس کو اپنے دشمنوں کے خلاف بُرے اثر کے لئے استعمال کراتے ہیں۔ میرے پاس اس طرح کے دو کیس آتے تھے۔ اقبال کو یقین تھا کہ اُس کی دُلہن زرینہ نے اُس کے پاس آنے سے پہلے اُس پر کالے علم کا تعویذ کرا لیا تھا۔ یہ یقین اُس کو اس واسطے ہو گیا تھا کہ وہ اتنا خوبصورت اور دلیر جوان تھا مگر ایک لڑکی کے آگے وہ خود کہتا تھا کہ برف کی طرح پگھل گیا تھا۔ اُس کے دماغ میں زرینہ کے خلاف کوئی کارروائی آتی ہی نہیں تھی۔

وہ جب بیان دے رہا تھا تو میں بے صبری سے انتظار کر رہا تھا کہ وہ آخر میں کہے گا کہ اُس نے زرینہ کو قتل کر دیا ہے یا یہ کہے گا کہ اُس نے زرینہ کو گھر سے نکال دیا ہے اور وہ اگر اپنے ماں باپ کے پاس نہیں گئی تو فلاں آدمی

کے پاس اس واسطے چلی گئی ہوگی کہ وہ اُس کو چاہتی تھی مگر اقبال نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اُس نے زرینہ کو قتل نہیں کیا۔

"مجھ کو ایک بات بتا دو پھر میں تمہاری باقی باتیں سُن لوں گا"—— میں نے کہا ——"کیا تم کو معلوم ہے کہ وہ کس کو چاہتی تھی؟"

"میں نے معلوم کرنے کی بہت کوشش کی ہے"—— اُس نے کہا —— "مجھ کو پتہ نہیں چلا۔ اُس سے بھی پوچھا تھا۔ اُس نے نہیں بتایا۔ اس کے گاؤں کے لوگ اس کو شریف، نیک اور خاموش رہنے والی لڑکی کہتے ہیں۔"

"اس ایک مہینے میں کبھی ایسا ہُوا ہے کہ زرینہ رات کو اُٹھ کر چل پڑی اور ویسے ہی صحن میں چکر لگا کر واپس بستر پہ آگئی ہو؟"

"نہ جی!"—— اُس نے ذرا سوچ کر جواب دیا —— "ایسا تو نہیں ہُوا.... یہ آپ نے کیوں پوچھا ہے؟"

میں نے اُس کو ٹال دیا۔ خود میرے دماغ میں ابھی یہ بات صاف نہیں تھی کہ لڑکی کے لاپتہ ہونے کا تعلق اُس کی اس بیماری کے ساتھ تھا کہ وہ نیند میں چلتی تھی۔

تعویذ زرینہ کو پلا دیا

بہت سی اور باتیں پوچھ کر میں نے یہ معلوم کرنے کے لئے اُس سے کچھ سوال پوچھے اور جرح کی کہ اُس نے زرینہ کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کی ہوگی۔

"یہ تو ایک روگ تھا جو مجھ کو لگ گیا"—— اقبال نے کہا —— "میں کسی کو بتانے سے شرماتا تھا۔ میں نے زرینہ پر زبردستی بھی نہ کی۔ چھ سات دن گزر گئے تو میں اپنے پیر صاحب کے پاس چلا گیا۔ اُن کے قدموں پر سر رکھ کر میں بہت رویا اور اُن کو بتایا کہ میری بیوی کے دل پر کسی اور کا قبضہ ہے اور وہ مجھ کو اپنا خاوند نہیں بناتی۔ میں نے اُن کو یہ بھی بتایا کہ اس لڑکی نے میرے اوپر تعویذ

کر دیتے ہیں۔ میں اُس کے سامنے بول بھی نہیں سکتا۔ پیر صاحب نے کہا کہ اُس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں نے اُن کو کہا کہ یا پیر دستگیر، وہ نہیں آتے گی۔ وہ سمجھ جاتے گی کہ میں اُس کے دل کو کسی دوسرے کے قبضے سے نکال کر اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہوں۔ پیر صاحب نے کہا کہ اُس کو مت لاؤ، میں خود تمہارے گھر آجاؤں گا....

"اُسی شام کو پیر صاحب ہمارے گھر آگئے۔ میں حیران ہو گیا کہ میری قسمت جاگ پڑی ہے کہ پیر و مرشد میرے گھر آتے ہیں۔ انہوں نے زرینہ کو پتہ نہ چلنے دیا کہ وہ اُس کا دماغ درست کرنے کے واسطے آتے ہیں۔ انہوں نے زرینہ کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اُس کو پانچ روپے سلامی دی اور کہا کہ میں ایک چلّہ کر رہا تھا اس واسطے مبارک اور سلامی دینے اتنے دنوں کے بعد آیا ہوں۔ اُنہوں نے کچھ پڑھا اور زرینہ کے سارے جسم پر پھونک ماری، پھر منہ زرینہ کے کے قریب لے جا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا اور زرینہ کو کہا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں تمہارے دشمن کا سایہ نظر آتا ہے۔ زرینہ کچھ نہیں بولی۔ پیر صاحب نے ایک تعویذ لکھا اور پانی میں گھول کر زرینہ کو پلا دیا۔ زرینہ کو اُنہوں نے بہت ڈرایا کہ یہ سایہ خطرناک ہوتا ہے....

"پیر صاحب زرینہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر چلے گئے۔ رات کو زرینہ نے مجھ کو کہا کہ پیر صاحب کو اگر تم نے بلایا تھا تو ان کا تعویذ میرے اُوپر اثر نہیں کرے گا۔ میں نے اُس کو بتایا کہ میں نے ان کو نہیں بلایا نہ ان کے ساتھ میری بات چیت ہوتی ہے۔"

"وہ تمہارے ساتھ غصّے سے بولتی تھی؟"—— میں نے پوچھا —— "لڑائی جھگڑا کرتی تھی؟"

"نہ جی!"—— اُس نے جواب دیا —— "بہت آرام سے اور شرافت سے بات کرتی تھی۔"

اقبال نے جس پیر کا نام لیا تھا، میں اُس کا نام نہیں لوں گا۔ یہ گدّی ابھی تک قائم اور مشہور ہے۔ میرے اُستاد جناب احمد یار خان صاحب نے

آپ کو کئی بار سنایا ہے کہ کئی پیروں کے آستانے اور ان کی قلعوں اور محلات جیسی حویلیاں بدمعاشی اور بڑے خوفناک جرائم کے اڈے تھے جو اب بھی ہیں۔ ان کی حویلیوں میں عورت کھلونا ہوتی ہے۔ دیہاتی علاقے کے سرکردہ اشخاص اور تھانیداران کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ میں اپنے محترم استاد کے اثر سے پیری مریدی کے سخت خلاف تھا۔ ان پیروں اور گدی نشینوں کو میں نے ان کی خفیہ دنیا میں جا کر دیکھا تھا، اس واسطے میں ان کو عادی مجرموں میں شمار کرتا تھا۔

جس پیر کا اقبال اور اس کا سارا خاندان اور اس علاقے کے سارے مسلمان مرید تھے، اصل بدمعاش آدمی تھا۔ اس کا ایک جوان بیٹا تھا جو کھا کھا کر اور نکما رہ کر لال رنگ کا بھینسا بن گیا تھا۔ میں جب اس تھانے میں آیا تو مجھ کو اے۔ ایس۔ آئی نے جو ہندو تھا، بتایا تھا کہ پیر کا یہ بیٹا عورتوں کا شکاری ہے اور لوگ اس واسطے چپ رہتے ہیں کہ پیر کا لاڈلا بیٹا ہے۔

میں جب اپنے تھانے کا علاقہ دیکھنے کے واسطے نکلا تو اس پیر کے گھر بھی گیا تھا۔ مجھ سے پہلے یہاں آنے والے تھانیدار اس کے یار بیلی تھے۔ مجھ کو بھی اس نے ویسا ہی سمجھا اور میرے ساتھ اس طرح بات کی جس طرح کہ اس علاقے کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اس کو کان کھول کر بتایا کہ اس علاقے کا حاکم میں ہوں اور وہ اپنے بیٹے کو ذرا لگام ڈال کر رکھے۔ اس نے مجھ پر پیری اور اپنے مرے ہوئے بزرگوں کی گدی کا رعب جھاڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کے دماغ سے رعب داب نکال دیا۔

"یہ لڑکا منہ زور ہو گیا ہے" — پیر نے مجھ کو اپنے بیٹے کی بابت کہا تھا — "یہ تو گھر کے اندر بھی ہاتھ مار جاتا ہے .... آپ کو سچی بات بتاؤں۔ میرے ساتھ اس کی بول چال بند ہے۔ یہ میری عزت اور گدی کے احترام کا سوال ہے، نہیں تو میں اس کو گھر سے نکال دیتا۔"

"پیر صاحب دو روز بعد پھر آئے" — اقبال بیان کر رہا تھا — "انہوں نے زرینہ کو پاس بٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر کہا کہ اس پر

بڑا برا سایہ ہے۔ مجھ کو پیر صاحب نے باہر نکال دیا تھا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ پیر صاحب نے اس کو تعویذ پانی میں گھول کر پلایا اور چلے گئے ....

"میں پیر صاحب کے سلام کو جاتا رہا۔ وہ کہتے تھے کہ لڑکی پر کسی نے تعویذ کئے ہوتے ہیں جب تک یہ اثر قائم ہے لڑکی کسی کو اپنا خاوند نہیں بنائے گی۔ میں نے پیر صاحب کی بہت خدمت کی اور عرض کی کہ یہ اثر ہٹا دیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہٹ جائے گا پر کچھ دن لگیں گے .... کچھ دن گزر گئے تو لڑکی لاپتہ ہو گئی۔ میں پھر پیر صاحب کے پاس گیا اور ان کو بتایا کہ لڑکی گم ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا، مجھ کو یہی ڈر تھا۔ اس پر سایہ بہت سخت تھا۔ وہ اس کو کھینچ کر لے گیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ یا پیر و مرشد! اس کو واپس لائیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ ابھی وہ واپس نہ آئے تو اچھا ہے، نہیں تو تم کو بہت نقصان ہو گا اور وہ تمہاری بیوی نہیں بنے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کو تلاش نہ کرنا اور تھانے نہ جانا، نہیں تو سب مارے جاؤ گے۔"

"پھر تم تھانے کس واسطے آ گئے؟"

"میرا باپ اور اس کا باپ مجھ کو ساتھ لے آئے تھے" — اقبال نے جواب دیا — "میں اسی واسطے خاموش تھا کہ پیر دستگیر نے مجھ کو منع کیا تھا۔"

"تم کو بیوی واپس چاہیئے؟"

"کیا کروں گا اس کو؟" — اس نے جواب دیا — "پیر صاحب کے اثر پر آئی تو ٹھیک ہے۔ آپ اس کو کہیں سے لے آئیں گے تو وہ میرے کسی کام کی نہیں ہو گی۔"

اقبال نے اس پیر کا ذکر کر کے مجھ کو شک میں ڈال دیا۔ پیر کو میں اس کیس میں مشتبہ سمجھنے لگا، لیکن میں اس کو ابھی شامل تفتیش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اتنا کچا نہیں تھا کہ فوراً جال میں آ جاتا۔ میں نے کوشش سے شہادت کا جال تیار کرنا تھا پھر اس میں پیر کو لانا تھا مگر میرے واسطے سوچنے والی بات یہ بھی کہ زرینہ اقبال کو خاوند تسلیم نہیں کرتی تھی۔ یہ معاملہ بالکل صاف تھا کہ اس کے دل

میں کوئی اور آدمی تھا۔ پیر بعد میں اُس کے گھر آیا تھا۔ زرینہ پیر کے گھر نہیں گئی تھی۔ مجھ کو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا تھا کہ زرینہ کسے چاہتی تھی۔

کس کو چاہتی تھی؟

اگلے تین دن میں اس کیس کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ سیشن کورٹ میں قتل کے ایک کیس میں گواہی دینی تھی۔ دوسرے دن ایک اور کیس میں پیشی تھی اور تیسرے دن ایک اور مصروفیت تھی۔ سیشن کورٹ میرے تھانے سے اٹھائیس میل دُور تھی۔ سیشن کورٹ کا پی پی (سرکاری وکیل) ایک ہندو کدار ناتھ شرما تھا۔ بہت قابل آدمی تھا۔ میں نے اُس کو زرینہ کے لاپتہ ہونے کا واقعہ سنایا اور اُس کو بتایا کہ لڑکی کبھی نیند میں بستر سے اُٹھ کر چلتی پھرتی ہے۔ میں نے پی پی سے پوچھا کہ ایسے ہوسکتا ہے کہ لڑکی نیند میں باہر نکل گئی ہو؟

"یہ کوئی عجیب واقعہ نہیں" — پی پی نے کہا — "لاپتہ لڑکی خاموش رہنے کی عادی ہے۔ نہ جانے اُس نے اپنے ذہن میں کیا کیا بند کیا ہُوا ہے۔ وہ بولتی نہیں اور اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔ وہ خیالوں اور تصوّروں میں رہتی ہے۔ ایسے لوگ نیند میں باتیں کرتے ہیں یا اُٹھ کر چلتے پھرتے ہیں۔ نیند میں وہ کسی ایسی جگہ جا رہے ہوتے ہیں جہاں وہ بیداری میں نہیں جا سکتے۔ یہ ذہنی معاملہ ہوتا ہے۔ اس کو نفسیاتی مرض کہتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ لڑکی کی شادی اُس کی پسند کے خلاف ہوئی اور اُس نے اپنے خاوند کو قبول نہ کیا لیکن وہ خاوند کے گھر میں قید ہوگئی۔ اس وجہ سے اُس پر نیند میں چلنے کا دورہ پڑا اور وہ باہر نکل گئی۔ وہ کھیتوں میں جا رہی ہو گی۔ کسی نے دیکھ لیا ہو گا۔ وہ اُس کو اُٹھا کر لے گیا۔"

پی پی کدار ناتھ شرما نے مجھ کو بڑی اچھی طرح سمجھایا۔ اُس نے بڑی لمبی بات کی تھی۔ میں نے مختصر سنائی ہے۔ اگر زرینہ اس طرح لاپتہ ہوئی تھی جس

طرح پی پی نے رائے دی تھی تو میرے واسطے کام بہت مشکل ہو گیا تھا۔ میں نے اُس کو اپنے ذہن میں رکھا اور یہ معلوم کرنا ضروری سمجھا کہ زرینہ کس کو چاہتی تھی۔ مجھ کو یقین تھا کہ وہ اُس آدمی کے پاس گئی ہے۔

زرینہ کو لاپتہ ہوتے پانچ دن گزر گئے تھے۔ مُخبروں اور دونوں گاؤں کے معزز اشخاص کی طرف سے جن کا اُٹھنا بیٹھنا تھانیداروں کے ساتھ تھا، مجھ کو رپورٹیں ملیں۔ سب کہتے تھے کہ لڑکی خاموش طبع اور نیک ہے۔ زرینہ کے گاؤں کے چوکیدار نے اپنی بیوی کی رپورٹ دی۔ یہ عورت خوشحال گھروں میں کام کاج کرتی تھی۔ یہ میری درپردہ مُخبر تھی۔ چوکیدار نے مجھ کو بتایا کہ زرینہ کا ایک ماموں زاد بھائی ہے۔ اس کی عمر تیئس چوبیس سال ہے۔ اُس کی دو بہنیں ہیں۔ ان کی ماں مر گئی ہے۔ گھر لڑکیوں نے سنبھالا ہُوا ہے۔ زرینہ کا ماموں زاد بھائی عباس زرینہ کے گھر زیادہ آتا جاتا ہے۔ زرینہ کی ماں اُس کو اپنے بھائی کا بیٹا ہونے کے واسطے بہت چاہتی ہے۔

"زرینہ اور کہیں نہیں جاتی" — چوکیدار نے بتایا — "وہ صرف ماموں کے گھر جاتی ہے۔ میری بیوی نے پہلے بھی دیکھا ہے کہ زرینہ عباس کو دیکھ کر چمک اُٹھتی ہے اور اُس کے ساتھ اتنی باتیں کرتی ہے جو وہ کسی اور کے ساتھ نہیں کرتی۔ عباس کی بہنیں زرینہ کے ساتھ ہنستی کھیلتی ہیں۔ میری بیوی نے عباس اور زرینہ کو ایک کمرے میں ایک ہی چارپائی پر بیٹھے ہوتے دیکھا ہے۔"

میں نے چوکیدار کو اُسی وقت یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ اپنی بیوی کو اور زرینہ کی ماں کو ساتھ لے آئے۔ میں یہ نہیں مان سکتا تھا کہ عباس نے اگر زرینہ کو ورغلایا ہے تو اُس نے زرینہ کو اپنے پاس رکھا ہو گا۔ اُس کا باپ اور زرینہ کے ماں باپ اُس کو اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ زرینہ کو اپنے گھر میں رکھے۔

چوکیدار زرینہ کی ماں کو اور اپنی بیوی کو ساتھ لے آیا۔ میں نے پہلے چوکیدار کی بیوی کو اپنے پاس بٹھایا اور اُس کو کہا کہ وہ زرینہ اور عباس کا تعلق اچھی طرح بتائے۔ اُس نے وہی بیان دیا جو چوکیدار دے چکا تھا۔

"عباس کے سوا زرینہ کسی اور کے ساتھ بات نہیں کرتی تھی" —

چوکیدار کی بیوی نے کہا ——"میں اس گھر میں زیادہ جاتی ہوں۔ عباس کی بہنیں مجھ کو اچھی لگتی ہیں اور وہ میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ میں ان کا کام زیادہ کرتی ہوں۔ میں نے عباس اور زرینہ کو جس طرح وہاں دیکھا ہے اس طرح اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ان کو میں نے ایک چارپائی پر اکٹھے بیٹھے دیکھا ہے۔ زرینہ کے گھر میں بھی میں نے دیکھا ہے۔ زرینہ کو میں نے دیکھا کہ جس طرح اُس کی عادت ہے اُسی طرح وہ چپ چاپ تھی۔ عباس آگیا تو زرینہ گلاب کے پھول کی طرح کھل گئی اور اُس کی زبان چل پڑی۔ میں نے اُس کو اس طرح کئی بار دیکھا ہے۔ ایسا بھی ہُوا ہے کہ زرینہ نے مجھ کو کہا کہ عباس کو اِدھر بھیجنا لیکن کسی کو پتہ نہ لگے کہ میں نے تم کو کہا ہے۔"

"شادی کے بعد تم نے ان دونوں کو دیکھا ہوگا" ——میں نے کہا —— "پھر بھی اُن کی ملاقات ہوتی ہوگی۔"

"اس ایک مہینے میں زرینہ تین چار بار گھر آئی تھی" ——چوکیدار کی بیوی نے کہا ——"میں نے دو مرتبہ عباس اور زرینہ کی ملاقات دیکھی تھی۔ دونوں کے چہرے اُداس تھے۔ ایک بار تو میں نے زرینہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔"

میں نے اس عورت کے ساتھ بہت باتیں کیں اور اُس کی سُنیں۔ ان سے مجھ کو پُورا پُورا یقین ہوگیا کہ زرینہ اپنے ماموں زاد عباس کو چاہتی تھی۔

"مجھ کو پیر پر بھی شک ہے" ——چوکیدار کی بیوی نے کہا ——"آپ کو تو معلوم ہوگا کہ پیر کے گھر میں کیا ہوتا ہے۔ میرے اوپر تو اُس کی بہت مہربانیاں ہیں۔ سات آٹھ دن گزرے پیر نے مجھ کو بلایا اور کہا —— 'کسی بہانے زرینہ کے سُسرالی گاؤں جاؤ اور زرینہ کے کان میں کہو کہ تمہارا خاوند میرے ہاتھ سے تم پر تعویذ کرانا چاہتا ہے جو میں نہیں کرتا۔ میں اُس کے کہنے پر دو مرتبہ تمہارے پاس آیا تھا۔ میں نے تم کو جو تعویذ پلائے ہیں وہ خالی کاغذ تھے تعویذ نہیں تھے۔ میں تمہارے دل کا حال جانتا ہوں۔ تم جس کو دل سے چاہتی ہو اُس کو بھی جانتا ہوں۔ تم ایسے کرو کہ کسی روز میرے پاس آجاؤ۔ میں تم کو ایسا تعویذ دوں گا کہ اقبال تم کو طلاق دے دے گا اور تمہاری شادی

اُس آدمی کے ساتھ ہو جائے گی جس کو تم چاہتی ہو' ....

"خدا کا کرنا کیا ہُوا کہ دوسرے دن زرینہ اپنے ماں باپ کے پاس آئی۔ میں نے موقع نکال کر اُس کو پیر کا پیغام دے دیا۔ زرینہ نے کہا، 'پیر جی کو کہنا کہ آپ مجھ پر بہت مہربانی کر رہے ہیں۔ اگر آپ مجھ کو طلاق دلوا کر میری دوسری شادی کرانے کی طاقت رکھتے ہیں تو آپ یہ کام میرے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔ آپ یہ کام کر دیں تو جتنا نذرانہ آپ کہیں گے اُس سے زیادہ دوں گی'۔

"میں نے پیر کو زرینہ کا جواب دیا۔ اُس نے کہا کہ اُس کو کہو کہ اُس کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ زرینہ نے رات ماں باپ کے گھر گزاری۔ میں نے صبح کو اُس کو کہا کہ پیر کہتا ہے کہ تمہارا آنا ضروری ہے۔ زرینہ نے جواب دیا کہ میں ایسی ہوتی تو اقبال سے زیادہ خوبصورت جوان کون ہوگا۔ میں نے اپنے خاوند کو جواب دے دیا ہے، میں کسی اور کے پاس نہیں جا سکتی۔ پھر پتہ چلا کہ زرینہ لاپتہ ہوگئی ہے۔"

"پیر نے زرینہ کا جواب سُن کر کیا کہا تھا؟" ——میں نے پوچھا۔

"پیر نے سَر ہلا کر کہا تھا کہ آجائے گی" ——چوکیدار کی بیوی نے جواب دیا۔

"جب آتی ہے روتی ہے"

میں نے چوکیدار کی بیوی کو باہر بیٹھنے کو کہا اور سوچنے لگا۔ دماغ پر بہت زور دیا۔ میرے سامنے دو آدمی تھے .... پیر اور عباس .... عباس کی بابت بات صاف تھی۔ وہ لڑکی کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے چوکیدار کو اندر بلا کر کہا کہ وہ عباس کے گھر پر دن رات نظر رکھے۔ وہ جدھر جائے اُس کو دیکھے۔ اگر آدھی رات کے وقت یا اس کے بعد بھی کوئی ایسی گڑبڑ دیکھے جو مجھ کو بتانی ضروری ہو تو مجھ کو آکر جگا لے۔

اُس کی بیوی کو میں نے پھر اندر بُلایا اور اُس کو کہا کہ وہ عباس کے گھر کے اندر کا حال دیکھے اور وہ پیر کے پاس بھی جاتی رہے اور دیکھنے یا سُونگھنے

کی کوشش کرے کہ زرینہ وہاں تو نہیں۔

میرا زیادہ شک پیر کے اُوپر تھا۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اُس کا اثر و رسوخ جادو کی طرح کام کرتا تھا۔ اُس کے گھر پہ چھاپہ مارنا آسان نہیں تھا۔ چھاپہ تو مارا جاسکتا تھا لیکن چھاپہ ناکام ہونے کا ڈر تھا۔ اس پیر کے خلاف کارروائی کے واسطے پورے ثبوت اور شہادت کا ہونا لازمی تھا۔ میں نے اُس کے گھر کی مُخبری کے واسطے انتظام کر دیا اور عباس کی نقل و حرکت دیکھنے کے واسطے بھی میں نے چوکیدار اور اُس کی بیوی کے علاوہ مزید انتظام کر دیا۔

زرینہ کی ماں اپنے خاوند کے ساتھ آتی ہوتی تھی۔ اُس کو اندر بُلایا۔ اُس نے اندر آتے ہی روتے ہوئے پوچھا ——— "میری بیٹی کا کچھ پتہ چلا؟"

"بیٹھ جاؤ ماں جی!" ——— میں نے اُس کو کہا ——— "اللہ مددگار ہے لیکن تم کچھ بتاؤ گی تو میں تمہاری بیٹی کو واپس لاسکوں گا.... مجھ کو صرف یہ بتاؤ کہ وہ کس کو پسند کرتی تھی۔ اُس نے جب تم کو کہا تھا کہ اُس کی شادی نہ کرو، پھر یہ کہا تھا کہ اقبال کے ساتھ شادی نہ کرو تو تم نے یہ تو سوچا ہوگا کہ وہ اپنی مرضی کے کسی آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔"

وہ چپ رہی۔ میں اُس کے جواب کے انتظار میں چُپ ہوگیا، پھر اُس نے سر جُھکا لیا۔ وہ عزّت دار عورت تھی اور دیہاتی بھی تھی۔ وہ منہ سے ایسی بات نکالنے کو بُرا سمجھتی تھی کہ اُس کی بیٹی کسی اور کو چاہتی تھی۔

"تم جو بات کہنے سے جھجکتی ہو وہ میں کہہ دیتا ہوں" ——— میں نے کہا ——— "وہ عباس کو چاہتی تھی۔ عباس تمہارے بھائی کا بیٹا ہے نا؟.... مُنہ سے کچھ بولو۔ پردے نہ ڈالو۔ اگر بیٹی چاہیئے تو پردے اُٹھا دو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں" ——— اُس نے کہا ——— "اُس نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ میرا رشتہ عباس کو دے دو۔"

"پھر کیوں نہ دیا؟"

"اگر میری مرضی چلتی تو زرینہ عباس کے گھر ہی جاتی" ——— اُس نے کہا

——— "زرینہ کا باپ نہیں مانتا تھا۔ وہ میرے بھائی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اقبال کا خاندان زیادہ امیر ہے اور اقبال عباس سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میں اصل وجہ جانتی تھی۔ میں نے اپنے بھائی کو کہا تھا کہ زرینہ کے باپ کو راضی کر کے ہاتھ میں لے لو اور زرینہ کو عباس کے لئے مانگ لو لیکن زرینہ کے باپ کو راضی کرنے میں وہ اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔"

اس عورت کے ساتھ بہت باتیں ہوئیں۔ کہانی پڑھنے والوں کو صرف یہ بتانا کافی سمجھتا ہوں کہ اس عورت نے بتایا کہ زرینہ عباس کو صرف چاہتی ہی نہیں تھی بلکہ اس طرح کی محبّت تھی کہ زرینہ عباس کو دیکھ کر زندہ رہتی تھی۔ ان لوگوں کی سیاست اتنی اُلٹی تھی کہ اس پہ اپنی اولاد کی خوشیاں قربان کر دیتے تھے۔

میں نے زرینہ کی ماں سے پوچھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ زرینہ اقبال سے بھاگ کر عباس کے پاس آگئی ہو؟... اُس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے پھر اُس نے عقل کی ایک بات کہی۔

"اگر اُس کو خاوند کے گھر سے بھاگنا تھا تو وہ شادی سے پہلے عباس کے ساتھ بھاگ جاتی" ——— اُس نے کہا ——— "میرے دل کو بھی اس کا افسوس رہے گا کہ میری بیٹی پر ظلم ہُوا ہے پر مَیں کیا کر سکتی تھی۔"

"بیٹی نے تم کو بتایا ہوگا کہ اقبال کے ساتھ اُس نے دل لگا لیا ہے یا نہیں۔"

"دل کہاں لگا لیا تھا جی!" ——— اُس نے کہا ——— "وہ تو جب آتی ہے روتی ہے۔"

"اُس نے تم کو بتایا تھا کہ اُس کا اقبال کے ساتھ اور اقبال کا اُس کے ساتھ سلوک کیسا ہے؟"

"نہیں" ——— اُس نے جواب دیا ——— "کبھی نہیں بتایا۔"

میں نے اُس کو گھر بھیج دیا۔

کلہاڑی والی عورت کون تھی؟

اسی رات کا واقعہ ہے۔ میں گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ دروازے پر کسی نے بڑے زور زور سے ہاتھ مارے۔ میں نے دروازہ کھولا۔ زرینہ کے گاؤں کا چوکیدار تھا۔

"جناب گستاخی معاف" ـــــ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا ـــــ "ایک خبر لایا ہوں۔ میں گاؤں کا چکر لگا رہا تھا۔ کسی کو بہت تیز تیز باہر سے گاؤں کی طرف آتے دیکھا۔ میں اُس کے راستے میں چھُپ گیا۔ چاندنی مدھم ہے لیکن آدمی نظر آجاتا ہے۔ وہ کوئی عورت تھی۔ اُس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ اُس نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ میرے قریب سے دوڑتی ہوئی گزر گئی۔ میں نے اُس کو پہچانا نہیں۔ وہ آگے نکلی تو میں اُس کے پیچھے جانے کے واسطے دوڑ کر ایک مکان کے پیچھے چھُپ گیا۔ اُس نے میرے قدموں کی آواز سُن لی ہو گی اس واسطے اُس نے رُک کر پیچھے دیکھا پھر تیز دوڑ پڑی۔ میں وہاں سے اور آگے ایسی جگہ چلا گیا جہاں سے اُس کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ عباس کے دروازے پر رُکی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھُلا اور وہ اندر چلی گئی۔ اگر وہ آہستہ آہستہ چلتی آتی تو مجھ کو شک نہ ہوتا۔ وہ دوڑتی آرہی تھی اور دوڑتی گئی۔ پھر اُس کے ہاتھ میں کلہاڑی بھی تھی۔"

میں نے وقت دیکھا۔ آج تک مجھ کو یاد ہے۔ گیارہ بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے۔ وہ گاؤں تھانے سے ڈیڑھ پونے دو میل دُور تھا۔ میں نے ذرا سا بھی نہ سوچا نہ انتظار کیا۔ جو کپڑے پہنے ہوتے تھے، انہی میں دوڑ پڑا اور تھانے میں گیا۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل اور تین کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا۔ سائیکلیں نکالیں اور ہم سب روانہ ہو گئے۔ لاٹھیاں، ٹارچیں اور دو ہتھکڑیاں ساتھ لے لی تھیں۔ گاؤں کی طرف پگڈنڈی جاتی تھی۔ سڑک ہوتی تو ہم زیادہ وقت نہ لگاتے۔ چوکیدار دوڑتا آرہا تھا۔ اُس کے واسطے سائیکل نہیں تھی۔

گاؤں کے باہر رُک کر سائیکلیں پھینکیں۔ مجھ کو عباس کا گھر معلوم نہیں تھا۔

گاؤں میں اتنی خاموشی تھی جیسے ساری آبادی مر گئی ہو۔ ہم کو چوکیدار کا انتظار کرنا پڑا۔ غریب آدمی نوکری کا مارا ہُوا دوڑتا آرہا تھا۔ اُس کا سانس اُکھڑ گیا تھا۔ وہ ہم کو عباس کے گھر کے سامنے لے گیا۔

میں نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ دو کانسٹیبلوں کو مکان کے پیچھے بھیج دیا اور دروازے پر پھر ہاتھ مارا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے چوکیدار کو کہا کہ عباس کے باپ کو آواز دو اور اس کو کہو کہ دروازہ کھولو۔ تھانیدار آیا ہے۔ نہیں کھولو گے تو تمہاری بیٹیوں کو بھی گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

چوکیدار نے میرے کہنے پر عمل کیا اور اُس نے دروازے پر ہاتھ مارا۔

دروازہ کھُل گیا۔ چوکیدار نے مجھ کو بتایا کہ یہ عباس کا باپ ہے۔

"تمہارے گھر میں کلہاڑی والی جو عورت آئی ہے اُس کو سامنے لاؤ" ـــــ میں نے اُس کو کہا۔

وہ چُپ چاپ کھڑا رہا۔ میں نے اپنا سوال دُہرایا تو اُس نے آگے آکر میری ٹھوڑی پکڑ لی۔

"آپ اندر آجائیں" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "وہ میری بھانجی زرینہ ہے۔ ہم کو تو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کریں۔ اندر آکر دیکھیں۔"

میں اندر چلا گیا۔ صحن میں ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ اُس کو میں پہچانتا تھا۔ وہ زرینہ کا باپ تھا۔ وہ مجھ کو بڑے کمرے میں لے گئے۔ وہاں زرینہ کی ماں کھڑی تھی۔ اُس کے چہرے پر خوف تھا۔ تین جوان لڑکے بھی وہاں تھے اور تین لڑکیاں۔ سب گھبرائے ہوتے تھے۔ مجھ کو سب کی بابت بتایا گیا۔ دو زرینہ کے بھائی تھے۔ ایک بڑا ایک چھوٹا۔ ان کے ساتھ عباس کھڑا تھا۔ دو لڑکیاں عباس کی بہنیں تھیں اور تیسری زرینہ تھی۔

میں نے چوکیدار کو کہا کہ نمبردار کو ساتھ لے آئے اور اُس کو کہے کہ دو تین معزز آدمی بھی ساتھ لیتا آئے۔ نمبردار دو آدمیوں کے ساتھ آگیا تو میں

انہیں کمرے میں لے گیا اور اُن سے پوچھا کہ وہ لاپتہ لڑکی زرینہ کو پہچانتے ہیں؟ تینوں اُس کو پہچانتے تھے۔ میں نے لڑکی کی برآمدگی کی کاغذی کارروائی کی اور سب کو تھانے چلنے کو کہا۔ میں ان سے یہاں بیان نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں نے جب چوکیدار کو بھیجا تھا کہ وہ نمبردار کو بلا لائے، اُس وقت نمبردار کے آنے تک میں نے زرینہ سے کچھ باتیں پوچھی تھیں لیکن وہ اتنی زیادہ گھبراہٹ میں تھی کہ اُس نے میرے مُنہ کی طرف دیکھتے رہنے کے سوا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ دوسروں کا بھی یہی رویہ تھا۔ بیان لینے کے لئے تھانہ موزوں جگہ ہوتی ہے۔

میں آگے نکل گیا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل ان سب کو میرے پیچھے پیچھے تھانے لے آئے۔ اُس وقت صبح کی اذان ہو رہی تھی۔

میں نے عباس اور زرینہ کو اپنے دفتر میں بٹھا لیا۔ ان سے الگ الگ تفتیش ہونی چاہیے تھی لیکن لڑکی برآمد ہو چکی تھی۔ میں نے اُن کو اکٹھے بٹھانا بہتر سمجھا۔ میں نے زرینہ کو دیکھا۔ میں نے اُس جیسی خوبصورت اور اتنے اچھے قد کاٹھ کی لڑکیاں بہت کم دیکھی ہیں۔

"جھوٹ نہ بولنا عباس!" — میں نے کہا — "تم نے ڈاکہ نہیں ڈالا، چوری نہیں کی، تم نے جوانمردوں والا کام کیا ہے۔ اب ڈرو نہیں۔ تم نے جو کچھ کیا ہے وہ محبت کے پیچھے کیا ہے۔ اگر زرینہ شادی شدہ نہ ہوتی تو پھر اس کو گھر سے بھگا لینا جُرم نہیں تھا۔ میں اس کا بیان لکھ لیتا کہ یہ بالغ ہے اور اپنی مرضی سے گئی ہے لیکن یہ کسی کی بیوی ہے۔ کسی کی بیوی کو ورغلا کر یا اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جانا جُرم ہے۔ اس کے سُسرال والے اچھے لوگ ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ زیور اور پیسہ نہیں گیا، صرف لڑکی گئی ہے۔"

"مجھ کو اِس نے اغوا نہیں کیا" — زرینہ نے کہا — "میں خود گئی تھی۔"

"پھر بھی یہ جُرم ہے" — میں نے کہا — "تم اس کے گھر سے برآمد ہوئی ہو۔"

"میں آپ کے آنے سے ذرا پہلے اِس کے پاس آئی تھی" — زرینہ نے کہا۔

"اتنے دن کہاں رہیں؟"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں جہاں بھی رہی، اس کے پاس نہیں تھی" — زرینہ نے کہا۔

"اگر تم عباس کو سزا سے بچانا چاہتی ہو تو بتا دو کہ تم کہاں تھیں" — میں نے کہا — "میں تم کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ کوئی جگہ بتاؤ گی تو تم کو ثابت کرنا پڑے گا کہ تم اتنے دن وہاں رہی ہو۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ بتا دو کہ تم کہاں رہیں یا عباس کو دو تین سال کی قید دلا دو۔"

پاپی جلدی نہیں مرا کرتے

زرینہ کی بابت میں نے جو باتیں سُنی تھیں وہ ٹھیک نکلیں۔ وہ بہت کم بولتی تھی۔ میرے ساتھ بات کرتی تھی تو پتہ چلتا تھا کہ زبان اُس کا ساتھ نہیں دے رہی۔ وہ چالاک نہیں تھی۔ مجھ کو پتہ تھا کہ یہ لڑکی ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

"تم کہتی ہو کہ میرے آنے سے پہلے تم عباس کے گھر آئی تھیں" — میں نے کہا — "مجھ کو یہ بتاؤ کہ تم دوڑتی ہوئی کیوں آ رہی تھیں اور تمہارے ہاتھ میں کلہاڑی کیوں تھی؟"

وہ چُپ رہی۔

"اگر وہ تم نہیں تھیں تو مجھ کو عباس بتلائے گا کہ وہ عورت کون تھی جس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی" — میں نے کہا — "بولو عباس!"

عباس بھی چُپ رہا۔ میں نے دونوں کو اس طرح گھیرا کہ دونوں پر باری باری سوال کرتا تھا۔ دونوں عادی مجرم نہیں تھے۔ زرینہ تو گھر کی چار دیواری میں قید رہی تھی، وہ میری پوچھ گچھ سے تنگ آ گئی۔ اُس کے آنسو نکل آئے پھر وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

اتنے میں باہر کچھ شور سا سنائی دیا۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل دوڑتا ہوا

میرے پاس آیا اور مجھ کو بتایا کہ پیر اپنے بیٹے کی لاش لایا ہے۔ میں نے اس سے زیادہ نہ سُنا۔ ایک کانسٹیبل کو عباس اور زرینہ پر کھڑا کر کے میں باہر کو دوڑا۔ پیر میری طرف آ رہا تھا۔ برآمدے میں ایک چارپائی پڑی تھی۔ پیر نے اتنا ہی کہا — "میرا بیٹا" — اُس کے بیٹے کی لاش چارپائی پر پڑی تھی۔ اُوپر چادر تھی۔ چہرہ ننگا تھا۔ میں نے جا کر اُس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا پھر اچھی طرح دیکھا۔ وہ سانس لے رہا تھا۔

"یہ تو زندہ ہے" — میں نے کہا — "ہوش میں نہیں"۔

"زخمی ہے" — پیر نے کہا۔

آپ کا دماغ خراب تو نہیں قبلہ؟" — میں نے پیر کو کہا — "اسے موقعہ سے اُٹھا لاتے ہو تو سیدھا ہسپتال لے جاتے۔"

قاعدے قانون کے مطابق میں نے اُس کے زخم دیکھ کر لکھنے تھے۔ لیکن میں نے کہا کہ اس کو فوراً ہسپتال لے چلو۔ میں وہیں آتا ہوں۔ میں نے صرف یہ دیکھا کہ اُس کی گردن پر کپڑے لپٹے ہوتے تھے۔ اُس کے اپنے کپڑے خون سے لتھڑے ہوتے تھے۔ اُس کو فوراً ہسپتال بھیجنے سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجھ کو اس سانڈ کے ساتھ ہمدردی تھی۔ میری ہمدردی بس اتنی تھی کہ مجھ کو بیان دے دے اور بتا دے کہ اُس کو کس نے مارا ہے، پھر اگر مرنا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے مر جاتے۔

میں نے اے۔ ایس۔ آئی کو ہسپتال بھیج دیا۔ اُس کو یہ کام دیا کہ یہ شخص ہوش میں آجاتے تو ڈاکٹر کی موجودگی میں اس کا نزعی بیان لے لے۔ میں زرینہ کا کیس ختم کرنے کی کوشش میں تھا۔ میں نے کسی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ پیر کا بیٹا کس طرح زخمی ہوا ہے۔ یہ سارا معاملہ اے۔ ایس۔ آئی نے معلوم کرنا تھا۔ وہ تجربہ کار اور سیانا آدمی تھا۔ میں نے عباس اور زرینہ کی طرف توجہ دی تو محرّر ہیڈ کانسٹیبل میرے پاس آیا۔

"جناب! آپ تو بیٹھ گئے ہیں" — اُس نے کہا — "یہ بڑی سنگین واردات ہے۔ زخمی کو گھر سے دُور کھیتوں میں سے اُٹھا کر لاتے ہیں۔ معلوم نہیں رات کس وقت کا وہاں پڑا تھا۔ اس کے جسم میں خون کا تو ایک قطرہ

نہیں رہا ہوگا۔"

"اس کا خون دو دن اور ختم نہیں ہوگا" — میں نے کہا — "ان لوگوں نے مریدوں کا بہت خون پیا ہُوا ہے .... تم ایسے کرو، ہسپتال چلے جاؤ اور جگّو کو کہو کہ یہ سارا کیس سنبھال لے اور موقعہ پر پہنچے۔ تم ایف۔ آئی۔ آر لکھ لینا۔ اگر جگّو کے جانے کے بعد زخمی ہوش میں آجاتے تو مجھ کو اطلاع کر دینا۔ میں نزعی بیان لے لوں گا۔"

جگّو میرا اے۔ ایس۔ آئی تھا۔ پورا نام جگن ناتھ تھا۔ ضلع رُہتک کا رہنے والا تھا۔ میں نے یہ کیس اُسی کے سپرد کر دیا۔ میرے پاس زرینہ کے علاوہ چھ اور کیس زیرِ تفتیش تھے۔

"کیا چھوٹے شاہ جی فوت ہو گئے ہیں؟" — عباس نے مجھ سے پوچھا۔

"ایسے پاپی اتنی جلدی نہیں مرا کرتے" — میں نے کہا — "تم بھی شاید اسی گدّی کے مرید ہو؟"

"ہاں جی!" — عباس نے کہا — "ان کے تو ہزاروں مرید ہیں"

"زرینہ ان کی مرید نہیں" — میں نے زرینہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوتے کہا — "کیوں زرینہ! پیر نے تم کو بلایا تھا۔ تم گئی نہیں"

میں نے دیکھا کہ زرینہ کا رنگ لاش کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی ایسی ہو گئی تھیں کہ ان میں جوانی کی چمک رہی ہی نہیں تھی۔ ایسے نظر آتا تھا جیسے اُس کی آنکھیں ٹھہر گئی ہوں۔ مجھ کو ڈر لگا کہ یہ لڑکی بے ہوش ہو جاتے گی۔

"زرینہ!" — میں نے کہا — "اتنا مت گھبراؤ۔ میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم کہاں گئی تھیں اور تم کو کس نے ورغلایا یا اغوا کیا تھا" — میں نے زرینہ کا جواب سُنے بغیر عباس سے پوچھا — "وہ کھاہڑی والی عورت کون تھی جو رات کو تمہارے گھر آئی تھی؟ نہیں بتاؤ گے تو دماغ میں یہ رکھ لو کہ یہ لڑکی لاپتہ ہو گئی تھی۔ تھانے میں کیس لکھا گیا ہے۔ لڑکی گواہوں کے سامنے

تمہارے گھر سے برآمد ہوئی ہے۔ میں نے تمہارے باپ کو نہیں پکڑا، اس واسطے کہ مجھ کو معلوم ہے کہ زرینہ کی اور تمہاری محبت ہے۔ زرینہ کی خواہش تھی کہ اُس کی شادی تمہارے ساتھ ہو۔ وہ نہ آتی۔ اس نے اپنے دولہا کو صاف جواب دے دیا کہ تم کو میں اپنا خاوند مانتی ہی نہیں ... میں تم کو پہلے کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ تم نے ایک شادی شدہ عورت کو اغوا کیا ہے۔ اگر سچی بات نہیں بتاتے تو سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ محبت تم کو بہت مہنگی پڑے گی ... پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کلہاڑی والی عورت کون تھی؟"

قرآن کی قسم

"وہ میں تھی" — زرینہ نے کہا — "مجھ کو عباس نے اغوا نہیں کیا۔ میں خود گئی تھی۔"

"کہاں؟" — میں نے پوچھا — "کس کے پاس؟ .... اور رات کو اس کے پاس کیوں آئیں ... میری بات مانو زرینہ! یہ نہ سمجھو کہ میں تم کو یا عباس کو ضرور ہی سزا دلواؤں گا۔ میں تم دونوں کو صاف بچا سکتا ہوں۔ میری یہ بات مانو کہ پورا بیان دے دو۔"

"جناب!" — عباس نے منت کی اور کہا — "آپ مجھ کو گرفتار کر لیں۔ اس کو میں نے اغوا کیا تھا۔ یہ رات کو کہیں سے بھی نہیں آتی تھی۔ یہ اتنے دن میرے پاس رہی ہے۔ میں نے اِس کو قید کر لیا تھا۔"

مجھ کو غصہ بھی آیا اور میں حیران بھی ہوا کہ یہ شخص کیا بکواس کر رہا ہے۔ زرینہ کہتی ہے کہ کلہاڑی والی عورت وہی تھی اور عباس کہتا ہے کہ یہ اُس کے پاس رہی ہے اور کہیں سے بھی نہیں آئی۔

"تم جانگلی ہو" — میں نے رُعب سے کہا — "اور تم مجھ کو بھی جانگلی سمجھتے ہو۔ تم ملزم ہو اور تھانے میں بیٹھے ہو۔ دماغ کو حاضر کرو۔ یہ سوچو کہ تمہاری دونوں بہنوں کو بھی تھانے بلایا ہوا ہے۔ عزت والے خاندان کی یہ کتنی بے عزتی

ہے۔ میں تمہاری بہنوں سے بھی بیان لوں گا۔ تمہارے باپ سے بھی بیان لوں گا۔ زرینہ کی ماں، باپ اور بھائی بھی یہیں ہیں۔ تم کو معلوم نہیں کہ تھانیدار کس طرح بیان لیا کرتے ہیں۔ سب کی بے عزتی ہو گی۔"

"میں اپنے اور عباس کے خاندان پر قربان ہو جاؤں گی" — زرینہ یکلخت دلیر ہو گئی۔ کہنے لگی — "میں آپ کو ساری بات سناتی ہوں۔ عباس مجھ کو بچانے کے واسطے جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ میری جگہ گرفتار ہونا چاہتا ہے۔ مجھ کو اپنے اللہ کا آسرا ہے۔ آپ تھانیدار ہیں۔ آپ میری غیرت کو نہیں سمجھیں گے۔"

مجھ کو سب نے بتایا تھا کہ زرینہ چُپ رہتی ہے مگر اُس کی زبان بڑی تیز چل رہی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اُس کا چہرہ جو لاش کی طرح سفید ہو گیا تھا، وہ سُرخ ہو گیا اور اُس کی آنکھوں میں جوانی کی چمک واپس آگئی۔ وہ اپنے اصلی حُسن میں آگئی۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ میں نے اس لڑکی کے چہرے پر نُور دیکھا۔ مجھ کو وہ بدمعاش اور بدکار نہیں لگتی تھی۔ میں نے اُس کو کہا کہ مجھ کو بالکل سچ اور پوری بات سنا دے۔ ذرا بھی جھوٹ نہ بولے۔

"میں نے جو کیا ہے وہ خدا نے دیکھا ہے" — زرینہ نے کہا — "مجھ کو خدا کی مدد پر بھروسہ ہے۔ آپ کے آگے جھوٹ بولوں گی تو خدا کے آگے جھوٹ بولوں گی۔"

پولیس کی سروس میں بڑی خوفناک وارداتیں دیکھی ہیں۔ بڑے خوفناک مجرم دیکھے ہیں۔ ایسے مظلوم اور مضروب دیکھے ہیں کہ دل کانپ جاتا تھا لیکن زرینہ اُن انسانوں میں سے تھی جن کو میں اب تک یاد کرتا ہوں۔ زرینہ نے میرے اوپر پتہ نہیں کیسا اثر کر دیا تھا۔ اُس نے جو بیان دیا وہ میں آپ کو اتنا ہی سناتا ہوں جتنا ضرورت ہے۔ میں نے اُس پر جو جو سوال کئے اور اُس نے جو جواب دیئے وہ سب سنانے کی ضرورت نہیں۔

اُس نے بات یہاں سے شروع کی کہ وہ عباس کو چاہتی تھی۔ کسی اور غیر مرد کے ساتھ بات نہیں کرتی تھی۔ خاموش رہنا اُس کی عادت تھی۔ کسی کی

کوئی بات بُری لگتی تھی تو اس بات کو سینے میں دبا لیتی تھی۔ اُس کو نیند میں چلنے کی عادت تھی لیکن ہر رات نہیں۔ بیس پچیس دن بعد اُس کو دَورہ پڑتا تھا۔ اُس کو گھر والے بتاتے تھے کہ رات کو وہ صحن میں پھرتی رہی ہے۔ وہ خواب میں گھومتی پھرتی تھی۔

ماں باپ نے اُس کی شادی اقبال کے ساتھ کر دی۔ وہ ماں کے آگے روتی کہ اُس کی شادی اقبال کے ساتھ نہ کرو، عباس کے ساتھ کرو لیکن اُس کے باپ نے اُس کی خواہش کو مار دیا۔

"عباس میرے پاس بیٹھا ہُوا ہے" ــــ زرینہ نے بیان دیا ــــ "میں اس کو کہتی ہوں کہ میں جھوٹ بولوں تو تم مجھ کو روک دو .... اِس نے اور میں نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ ہم میاں بیوی بنیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ یہ کسی اور لڑکی کو اپنے گھر میں نہیں بسائے گا اور میں نے قسم کھائی تھی کہ میں کسی اور کو اپنا خاوند قبول نہیں کروں گی۔"

پھر ہُوا اس طرح کہ اقبال اُس کا خاوند بن گیا۔ زرینہ خدا اور قرآن پاک سے ڈرنے والی لڑکی تھی۔ وہ ڈرتی تھی کہ اُس کی قسم ٹوٹ گئی ہے اور اس گناہ کی اُس کو سزا ملے گی۔ یہ گناہ اُس کا اپنا نہیں تھا۔ وہ دیہات کی مجبور لڑکی تھی۔ اُس کی قسم اُس کے باپ نے توڑی تھی۔

پہلی رات جب اُس کو خاص کمرے میں بٹھا دیا گیا تو اُس نے خُدا کو یاد کیا اور رو کر دعا مانگی کہ خُدا اُس کی مدد کرے۔ اُس نے خدا کو یہ الفاظ کہے ــــ "اپنے پاک کلام کی لاج رکھنا میرے خُدا!"

جب اقبال اُس کے پاس آیا تو زرینہ نے اُس کو روک دیا اور کہا کہ اُس نے اُس کو خاوند تسلیم نہیں کیا۔ زرینہ نے مجھ کو بتایا کہ وہ اتنی جرأت اور ہمت والی نہیں تھی کہ ایک دلیر اور جوان مرد کو اس طرح کہہ دیتی۔ وہ حیران تھی کہ اُس نے یہ لفظ کس طرح کہہ دیتے ہیں۔ پھر وہ اس پر حیران ہوتی کہ اقبال پیچھے ہٹ گیا۔ زرینہ کو یہ اُمید نہیں تھی بلکہ اُس کو یہ امید تھی کہ اقبال اُس کے مُنہ پر تھپڑ مارے گا اور اُس کو اپنی لونڈی سمجھ کر اُس پر زبردستی اپنا حکم چلائے

گا۔ شادی سے پہلے اُس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اقبال خوبصورت ہے، نڈر ہے اور گاؤں میں اُس کا رُعب مانا جاتا ہے۔

زرینہ تو حیران تھی ہی، میں بھی حیران ہُوا۔ میں بھی مرد ہوں۔ اقبال جو جذبات لے کر عروسی کے کمرے میں داخل ہُوا تھا، ان جذبات کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ ہر آدمی سمجھتا ہے۔ اقبال دیہاتی تھا۔ شاید گاؤں میں تین چار جماعتیں پڑھا ہو گا۔ ایسا سمجھیں کہ اُس وقت جب زرینہ جیسی دلکش لڑکی اس کی زوجیت میں تھی اُس وقت اُس کے جذبات کیا ہوں گے۔ میں اس کو حیوانوں والی کیفیت کہوں گا جب آدمی درندہ بھی بن جاتا ہے مگر میں نے آپ کو پہلے سنایا ہے کہ اقبال نے مجھ کو بتایا تھا کہ جب زرینہ نے اُس کو خاوند قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اُس کی مردانگی اور جرأت ختم ہو گئی۔ اُس نے کہا تھا کہ زرینہ نے میرے اُوپر تعویذ کرائے ہوتے ہیں۔

پلنگ پر پھینک دیا

زرینہ نے مجھ کو وہی بیان دیا جو اقبال نے دیا تھا۔ پورا ایک مہینہ اقبال نے اُس کو اپنی بیوی بنانے کی جرأت نہ کی بلکہ تین چار مرتبہ زرینہ کی مِنّت کی۔ زرینہ نہ مانی۔ اُس نے اقبال کو دھتکارا نہیں۔ اُس کو اپنے کمرے میں سُلاتی رہی اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرتی رہی۔

"تم نے سوچا کیا تھا زرینہ؟" ــــ میں نے اُس سے پوچھا ــــ "جیسا تم چلانا چاہتی تھیں ایسا کب تک چل سکتا تھا؟ اقبال کب تک تمہارا یہ سلوک برداشت کر سکتا تھا؟"

"میں نے یہ سوچا تھا کہ اقبال تنگ آ کر مجھے طلاق دے دے گا" ــــ زرینہ نے جواب دیا ــــ "اگر طلاق نہیں دے گا تو مجھ کو مار پٹائی کرے گا پھر میں اس کو بدنام کر دوں گی اور یہ مجھ کو قتل کر دے گا یا میں تنگ آ کر خودکشی کر لوں گی۔"

اس نے اچھا سوچا یا بُرا سوچا، میں آپ کو اُس کا بیان سُنا رہا ہوں۔ آپ خود سوچ لیں کہ اُس نے اچھا کیا یا بُرا کیا۔

زرینہ نے پھر پیر کا قصّہ سنایا۔ وہ خاموش طبع لڑکی تھی لیکن بیوقوف نہیں تھی۔ جب پیر اُس کے پاس آیا تو وہ سمجھ گئی کہ اُس کو اقبال لایا ہے۔ پیر نے زرینہ کو کہا کہ تمہاری آنکھوں میں بڑا خطرناک سایہ ہے لیکن زرینہ نہ ڈری۔ وہ سُسرال میں نمازیں پوری پڑھتی تھی اور اپنی نجات کے لئے خدا سے دُعا مانگتی رہتی تھی۔

پیر دوسری مرتبہ آیا تو زرینہ کو سب سے الگ بٹھا لیا۔ اُس نے پہلے کی طرح اُس کی آنکھوں میں دیکھا اور پوچھا کہ تم کو یہ خاوند اچھا نہیں لگتا؟ زرینہ نے اُس کو بتایا کہ ہاں یہ اچھا نہیں لگتا۔ پیر اُس کو تعویذ پلا کر چلا گیا اور چوکیدار کی بیوی کی زبانی پیغام بھیج کر زرینہ کو بلایا۔ زرینہ کو سوچ آئی کہ اس پیر کے ہاتھ میں کرامات ہوتی تو وہ اس کو اقبال کی بیوی بنا دیتا اور وہ اقبال کی غلام ہو جاتی۔ زرینہ پیر کے دوسرے پیغام پر اُس کی نیّت کو سمجھ گئی۔ اُس نے اپنا گیان دھیان خدا پر لگایا ہُوا تھا۔

پانچ چھ دن گزر گئے۔ زرینہ بہت پریشان تھی۔ اقبال اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا تھا۔ زرینہ کے دل میں عباس تھا اور اُس کو ہر وقت عباس نظر آتا رہتا تھا۔ سُسرال میں اُس کی ایسی کوئی سہیلی نہیں تھی جس کو اپنے دل کا حال بتاتی۔ اپنے گاؤں میں بھی اُس کی ہمراز سہیلی کوئی نہیں تھی۔ اس وجہ سے غبار اُس کے اندر ہی اندر بھرتا رہا۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اُس نے ایک خواب دیکھا۔

خواب میں اُس نے عباس کو دیکھا۔ وہ دُور کھڑا زرینہ کو بلا رہا تھا۔ راستے میں کھیت اور درخت تھے۔ زرینہ اُس کی طرف چل پڑی۔ فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ چلتی گئی۔ عباس ایک جگہ کھڑا تھا۔ وہ جگہ دُور ہی دُور ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک کہیں سے دو آدمی آ گئے۔ اُنھوں نے زرینہ کو پکڑ لیا اور اُس کو گھسیٹنے لگے۔ زرینہ ان کے ساتھ نہیں جاتی تھی۔ ایک آدمی نے اُس کو کندھے پر اُٹھا لیا۔

دوسرے نے چاقو نکال لیا اور زرینہ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی۔

پھر اندھیرا ہو گیا اور پھر مدھم سی روشنی ہو گئی۔ زرینہ ایک آدمی کے کندھے پر تھی اور ایک آدمی اُس کو چاقو دکھا رہا تھا۔ وہ خواب سے بیدار ہو گئی اور اُس کو پہلا خیال یہ آیا کہ وہ نیند میں چلتی ہوتی گھر سے نکل آتی ہے اور ان دو آدمیوں نے اُس کو پکڑ لیا ہے۔ اُس نے شور مچا دیا۔ اُسے کندھے سے اُتار کر کھڑا کر دیا گیا۔ دوسرے آدمی نے چاقو کو اُس کی شہ رگ پر رکھ کر کہا کہ چُپ نہیں ہوتی تو اس کی گردن کاٹ دو۔ زرینہ نے چلّا چلّا کر کہا کہ ہاں، میری گردن کاٹ دو۔

"تم کس یار کے پاس جا رہی تھیں؟" — ایک آدمی نے اُس سے پوچھا — "ہم تم کو آگے نہیں جانے دیں گے۔"

زرینہ نے اُن کو روتے ہوتے بتایا کہ اس کو نیند میں چلنے کی بیماری ہے اور وہ فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی ہے۔ ایک آدمی نے اُس کو کہا کہ چلو تم کو گھر چھوڑ آتے ہیں۔ اُس نے دھوکے میں پیچھے ہو کر اُس کا دوپٹہ اتار دیا اور دونوں نے اُس کو گرا کر دوپٹہ اُس کے مُنہ میں ٹھونس دیا، پھر ایک نے اُس کو اُٹھا لیا۔

"تم اُن کو پہچانتی ہو؟" — میں نے پوچھا۔

"نہیں" — زرینہ نے جواب دیا — "ایک تو چاندنی بہت مدھم تھی دوسرے اُن دونوں نے سر اور چہرے پگڑیوں میں چھپاتے ہوتے تھے۔"

یہ آدمی اُس کو ایک مکان میں لے گئے۔ اُس کو اِس طرح کندھے پر اُٹھایا ہُوا تھا کہ اُس کا پیٹ اس شخص کے کندھے پر تھا۔ اُس کی ٹانگیں اس شخص کے آگے اور سر اور بازو اس کے پیچھے لٹک رہے تھے۔ وہ دیکھ نہیں سکتی تھی کہ اُس کو کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ اُس نے اتنا ہی محسوس کیا کہ یہ مکان ہے۔ کسی کے یہ الفاظ اُس کے کان میں پڑے — "شکار ہے... شکار ہے۔"

میں نے پہلے بتایا ہے کہ نیند میں چلنے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ حقیقی

طور پر چل رہا ہے۔ زرینہ نیند میں اُٹھ کر ڈیوڑھی میں گئی، دروازے کی زنجیر کھولی اور باہر نکل گئی۔ اس میں حیران ہونے والی بات نہیں۔ میں نے سرکاری وکیل (پی پی) کدار ناتھ شرما کے ساتھ بات کی۔ اُس نے ایک عورت کا یہی مرض سنایا تھا۔ وہ عورت تیسری چوتھی رات نیند میں اُٹھ کر سُوٹ کیس میں سے کپڑے نکالتی، پہنے ہوتے کپڑے اُتارتی اور دوسرے کپڑے پہن کر بستر پر جا لیٹتی تھی۔

بات کو ذرا اور مختصر کر کے سناتا ہوں۔ زرینہ کو ایک کمرے میں لے جا کر پلنگ پر پھینک دیا گیا۔ وہاں ایک لالٹین جل رہی تھی۔ دونوں آدمی باہر چلے گئے اور باہر سے دروازہ بند کر گئے۔ زرینہ کو غشی آگئی۔ اُس کو معلوم نہیں تھا کہ کتنی دیر بعد اُس کو ہوش آئی۔ جب اُس کی آنکھیں کُھلیں تو اُس کے پلنگ پر پیر بیٹھا ہُوا تھا۔ زرینہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔

"تم نے کہا تھا کہ پہلے اپنی کرامات دکھاؤ"—— پیر نے ہنستے ہوتے کہا —— "دیکھ لی ہماری کرامات؟ .... میرے جِن تمھیں کس طرح اُٹھا لاتے ہیں"۔

"میں نیند میں چلتی نہ جانے کہاں تک آپہنچی ہوں"—— زرینہ نے روتے ہوتے کہا اور پیر کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولی —— "خدا کے لئے مجھ کو چھوڑ دو۔ میرا خاوند مجھ کو جان سے مار دے گا"۔

پیر کو اُس پر رحم نہ آیا۔ اُس نے زرینہ کے ساتھ وحشیوں والا سلوک کیا۔ زرینہ چیختی چلاتی رہی۔

موت کے ساتھ دوستی کر لی

پیر نے زرینہ کو سبز باغ دکھاتے۔ بڑے بڑے لالچ دیتے اور اُس کو کہا کہ وہ اُس کے خاوند سے اُس کو طلاق دلا دے گا اور اُس کے ساتھ شادی کر لے گا لیکن زرینہ چیختی چلاتی رہی۔ دو دن پیر نے اُس کو اس طرح قید میں رکھا کہ سوائے ایک عورت کے جو اُس کو کھانا دینے آتی تھی، کوئی اور

اُس کے کمرے میں نہ گیا۔ ایک رات پیر پھر آگیا۔ زرینہ نے اُس کے پاؤں بھی پکڑے مگر پیر انسانیت سے بہت دُور چلا گیا تھا۔

دو تین دن اور گزر گئے اور ایک رات پیر کا بیٹا اُس کے کمرے میں آگیا۔ گاؤں کی عورتیں اُس کو بڑی اچھی طرح جانتی تھیں۔ زرینہ نے اُس کو دیکھا ہوا تھا۔ اُس کی بدمعاشی کی کہانیاں بھی سنی ہوتی تھیں۔ اُس کو دیکھ کر زرینہ اور زیادہ ڈر گئی لیکن پیر کے اس سانڈ جیسے بیٹے نے زرینہ کے ساتھ پیار اور مہربانی کے لہجے میں بات کی —— "مجھ کو آج پتہ چلا ہے کہ میرے باپ نے تمہیں اغوا کرایا ہے اور یہاں قید کر رکھا ہے۔ مجھ کو موقع نہیں مل رہا تھا کہ تم کو یہاں سے آزاد کراؤں۔ آج موقع مل گیا ہے"۔

"وہ کہاں ہے؟"—— زرینہ نے پوچھا۔

"یہیں ہے"—— پیر کے بیٹے نے کہا —— "لیکن اتنی زیادہ شراب پی گیا ہے کہ بے ہوش پڑا ہُوا ہے"۔

"چھوٹے شاہ جی!"—— زرینہ نے مِنّت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا —— "مجھ کو میرے ماں باپ کے گھر پہنچا دو۔ روپوں سے آپ کی جھولی بھر دوں گی"۔

"میں تم سے کچھ نہیں لوں گا"—— چھوٹے شاہ جی نے کہا —— "چلو، میں تم کو گھر پہنچا دوں گا"۔

چھوٹا شاہ زرینہ کو چوروں کی طرح دبے پاؤں حویلی میں سے نکال کر لے گیا۔ اُس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ تقریباً آدھا میل گئے تو زرینہ نے دیکھا کہ اُس کا گاؤں دوسری طرف ہے اور چھوٹا شاہ اُسے اُلٹی طرف لے جا رہا ہے۔ زرینہ نے اُس کو کہا کہ گاؤں تو اُدھر ہے۔ چھوٹے شاہ نے کہا کہ چکّر کاٹ کر جائیں گے، راستے میں میرے باپ کا کوئی آدمی نہ مل جاتے۔ زرینہ اُس کے دھوکے میں آگئی۔ جب وہ بہت دُور چلے گئے تو زرینہ نے کہا کہ چھوٹے شاہ جی، میرا گاؤں تو بہت دُور رہ گیا ہے۔

"میں تم کو تمہارے گاؤں نہیں لے جا رہا"—— چھوٹے شاہ نے کہا —— "میں تم کو جہاں لے جا رہا ہوں وہاں جا کر تم کو خوشی ہو گی۔ میں نے تم کو

تمہاری شادی سے پہلے دیکھا تھا۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ تم کو اپنی ملکہ بناؤں گا لیکن تمہاری شادی ہوگئی۔ میں نے اپنی گدّی کی طاقت استعمال کی اور تم خود میرے پاس آگئیں۔ اب تم اپنے گھر کو بھول جاؤ۔"

زرینہ نے مجھ کو بیان دیتے ہوئے کہا — "میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اپنے آپ کو ختم کرلوں گی مگر کوئی ذریعہ نہیں ملتا تھا۔ مجھ کو جس کمرے میں رکھا گیا تھا وہاں چھری چاقو نہیں تھا جس سے میں اپنا پیٹ چاک کر لیتی۔ چھوٹے شاہ نے مجھ کو اتنی دُور لے جاکر اپنی نیت بتائی تو میرا دماغ بالکل صاف ہوگیا۔ میں نے موت کے ساتھ دوستی کرلی تھی۔ میں نے چھوٹے شاہ کو کہا کہ مجھ کو کوئی اعتراض نہیں۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گی لیکن آپ مجھ کو کہاں رکھیں گے۔ پیر جی آپ سے ناراض نہیں ہوں گے؟"

زرینہ نے مجھ کو بتایا کہ اُس نے اپنے باپ کو ننگی گالی دے کر کہا کہ اُس کو میں سیدھا کرلوں گا۔ ابھی میں تم کو ایک اور گاؤں لے جارہا ہوں۔ وہاں تم کو اپنے ایک دوست کے گھر چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔ پھر دو تین دنوں بعد تمہارے پاس آجاؤں گا۔

زرینہ کے بیان سے ہٹ کر میں ایک دو باتیں اپنی طرف سے کہتا ہوں۔ ان پیروں کی اندرونی دنیا میں اِس طرح کے جرم جو زرینہ مجھ کو سنا رہی تھی، کوئی عجیب بات نہیں۔ ان پر پردہ ڈالنے کے واسطے اِن کے مرید موجود ہوتے ہیں۔ آپ کسی پیر کے مرید کو کہیں کہ اُس کا پیر بدمعاشی کرتا ہے تو وہ مرید آپ کی کھوپڑی توڑ دے گا۔ اِن پیروں کی حویلیوں میں باپ بیٹے کی رقابت اور دشمنی بھی ایک عام بات ہے۔ یہ چھوٹا شاہ جی زرینہ کو ملکہ بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ مجھ کو پہلے تھوڑا تھوڑا معلوم تھا، باقی بعد میں معلوم ہوگیا کہ باپ اور بیٹے کی آپس میں دشمنی تھی۔ اُس کو معلوم ہوگیا کہ اُس کے باپ نے ایک خوبصورت لڑکی کو اغوا کرایا ہے۔ بیٹے نے لڑکی کو ورغلا لیا۔

یہ زرینہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ نیند میں باہر نکل گئی اور راستے میں پیر کے دو آدمی مل گئے۔ انہوں نے اتنے قیمتی شکار کا انعام بہت سارا لیا ہوگا۔ اب

اس باپ کا بیٹا زرینہ کو کہیں لے جاکر خراب کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد پتہ نہیں وہ زرینہ کا کیا کرتا۔

زرینہ نے راستے میں اُس کو کہہ دیا کہ اُس کو اُس کے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہیں۔ زرینہ نے دراصل چھوٹے شاہ پر اپنا اعتبار جمایا تھا۔ چھوٹا شاہ خوش ہوگیا۔ وہ جگہ گاؤں سے دُور ویران اور سنسان جگہ تھی۔ چھوٹے سرکار نے زرینہ کو اپنے بازوؤں میں لے کر گلے لگا لیا۔ زرینہ نے ہنستے ہنستے اُس کے ہاتھ سے کلہاڑی لے لی۔ تھوڑی دُور تک زرینہ اُس کے ساتھ پیار محبّت کی باتیں کرتی گئی۔

ذرا اور آگے جاکر زرینہ پیچھے ہوگئی اور پیچھے سے اُس نے چھوٹے شاہ کو پورے زور سے کلہاڑی ماری۔ یہ وار چھوٹے شاہ کے کندھے پر گردن کے قریب لگا۔ وہ پیچھے مُڑا تو زرینہ نے دوسرا وار کیا۔ یہ دوسرے کندھے پر پڑا۔ چھوٹا شاہ دو زخموں سے گرنے والا نہیں تھا۔ وہ زرینہ کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ زرینہ عورت تھی۔ اُس نے کلہاڑی کبھی نہیں چلائی تھی۔ چھوٹے شاہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر زرینہ ایسی گھبرائی کہ کلہاڑی کو ہاتھوں میں سنبھال نہ سکی۔ اُس نے اُلٹے قدموں سے پیچھے ہٹتے ہوتے کلہاڑی کا ایک اور وار کردیا لیکن کلہاڑی اُلٹی تھی یعنی اس کا بلیڈ پیچھے کو تھا۔ کلہاڑی چھوٹے شاہ کے سر پر ہتھوڑے کی طرح لگی۔ اس سے زرینہ کو یہ فائدہ ہُوا کہ سر پر چوٹ لگنے سے چھوٹا شاہ بیہوش ہوگیا۔

زرینہ کو اپنے گاؤں کا راستہ معلوم تھا۔ وہ دوڑ پڑی۔ اُس نے کلہاڑی پھینک دی لیکن آگے جاکر پھر واپس آگئی۔ اُس نے اِس واسطے کلہاڑی اٹھا لی کہ راستے میں اُس کو کوئی اور بدمعاش مل گیا تو کلہاڑی سے اُس کا بھی دماغ کھول دے گی۔

اُس نے مجھ کو کہا تھا کہ اُس نے موت کے ساتھ دوستی کرلی تھی لیکن ایک آدمی کو مار کر اس کا جو حال ہُوا اُس کو وہ بیان نہیں کرسکتی تھی۔ وہ بیان دیتے وقت کانپ رہی تھی اور اُس کی زبان ٹھیک طرح الفاظ نہیں نکالتی تھی۔ اُس نے رو رو کر خدا سے مدد مانگی۔ اُس نے کوئی فیصلہ نہ کیا کہ کس کے پاس

جاتے ـــ اپنے ماں باپ کے پاس؛ اقبال کے پاس؛ عباس کے پاس؟ــ وہ کچھ دوڑتی کچھ تیز چلتی ایک گاؤں کے قریب پہنچ گئی۔ وہاں اُس کو پتہ چلا کہ یہ اپنا ہی گاؤں ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی عباس کے گھر چلی گئی۔

غنڈے اور بدمعاش میرے ہاتھ میں ہیں

عباس اور اُس کے باپ اور اُس کی بہنوں نے زرینہ کے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھی جس پر خون تھا اور اُس کے کپڑے دیکھے جن پر خون کے چھینٹے پڑے ہوتے تھے تو سب سخت گھبراتے۔ زرینہ کے مُنہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ان کو یہی واردات سنائی جو میں آپ کو سُنا چکا ہوں۔ عباس کے باپ نے زرینہ کے ماں باپ اور بھائیوں کو بلا لیا۔ سب چکرا گئے۔ ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔ انہوں نے یہ کام کیا کہ زرینہ کو عباس کی ایک بہن کے کپڑے پہنا دیئے اور اس کے خون آلود کپڑے چُھپا دیئے۔ کلہاڑی سے خون دھو کر کلہاڑی چُھپا دی۔ ان سب کے دماغ جواب دے گئے اور پھر میں نے ان کو جا کر پکڑ لیا۔

"جناب!"ـــ زرینہ کا بیان ختم ہونے پر عباس نے مجھ کو کہا ـــ "ایک مہربانی کریں۔ لکھ لیں کہ چھوٹے شاہ جی کو میں نے کلہاڑی ماری ہے۔ یہ جرم میرے نام لکھ دیں۔ زرینہ کو چھوڑ دیں۔"

سچی بات یہ ہے کہ میں بھی چکرا گیا تھا۔ مجھ کو اِس پیر اور اُس کے چھوٹے شاہ سے پہلے ہی نفرت تھی۔ یہ نفرت غصے میں بدل گئی۔ مجھ کو اُس خبر کا انتظار تھا کہ پیر کا بیٹا زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ میں نے اپنے ذہن میں فیصلہ کر لیا کہ زرینہ کو بچاؤں گا اور پیر کو زرینہ کے اغوا اور جبری آبروریزی کے جرم میں گرفتار کر کے سزا دلواؤں گا۔

زرینہ اور عباس کو میں نے الگ بٹھا دیا اور ان دونوں کے باپوں کو اپنے پاس بُلا کر کہا کہ اپنی مستورات کو ساتھ لے کر اپنے گھروں کو چلے

جاؤ اور زرینہ کے خون آلود کپڑے جلا دو۔ اُن کو یہ بھی کہا کہ کلہاڑی کا دستہ توڑ کر جلا دو اور اس کا بلیڈ مویشیوں کی کھُرلی میں یا کہیں اور زمین میں دبا دو یا گاؤں کے کنوئیں میں پھینک دو مگر اس طرح کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ ان کو اور بھی بہت ساری باتیں سمجھائیں اور رخصت کر دیا۔

اس کے بعد ہسپتال سے اطلاع آئی کہ چھوٹا شاہ بیان دینے کے قابل ہو گیا ہے۔ اے۔ ایس۔ آئی موقع پر گیا ہُوا تھا۔ میں ہسپتال چلا گیا۔ چھوٹا شاہ پوری طرح ہوش میں تھا۔ پیر اُس کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ میں نے پیر کو کہا کہ وہ باہر نکل جائے۔ وہ باہر نہیں جا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں دکھائیں تو وہ باہر چلا گیا۔

"کیوں چھوٹی سرکار!"ـــ میں نے پیر کے بیٹے سے پوچھا ـــ "یہ جرأت کس بدبخت نے کی ہے۔ ذرا نام تو لو۔ میں اُسے دس سال قید دلواؤں گا۔"

"پتہ نہیں جناب!"ـــ اُس نے کہا ـــ "وہ تین آدمی تھے۔ دو نے میرے اوپر کلہاڑیاں چلائیں اور میں بے ہوش ہو گیا۔ اب جیب دیکھی ہے تو جیب میں جو تھوڑی رقم تھی وہ غائب ہے۔"

مجھ کو دھکا سا لگا۔ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ کیا یہ ہوش میں ہے؟ اس کے سر پر ضرب پڑی تھی۔ کیا یہ اس ضرب کا اثر ہے؟

"کیا کہہ رہے ہیں آپ چھوٹی سرکار؟"ـــ میں نے پوچھا ـــ "کیا آپ پوری طرح ہوش میں ہیں؟"

"پوری طرح ہوش میں ہوں"ـــ اُس نے کہا ـــ "آپ تھانیدار صاحب ہیں اور یہ ڈاکٹر صاحب ہیں۔"

میں نے اور ڈاکٹر نے اُس کے ساتھ گپ شپ کی طرح باتیں کیں تو پتہ چلا کہ وہ مکمل ہوش میں ہے۔ اُس نے یہی بیان دیا کہ تین آدمیوں نے اُس کو روکا اور اُس پر کلہاڑیاں چلائیں۔

"اُن آدمیوں کے ساتھ کوئی عورت تو نہیں تھی؟"ـــ میں نے اُس سے

پُوچھا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میں مُسکرایا۔

"نہ جناب!" ـــ اُس نے جواب دیا ـــ "کوئی عورت نہیں تھی۔ یہ عورت کا چکر نہیں تھا۔"

میں نے مُنہ اُس کے کان کے ساتھ لگا کر کہا ـــ "مجھ کو معلوم ہے کہ یہ کیا چکر تھا۔ اگر چاہتے ہو تو میں وہی بیان لکھوں گا جو آپ دے رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں" ـــ اُس نے کہا ـــ "یہی لکھو جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں اپنی بے عزتی نہیں کرانا چاہتا۔"

میں سمجھ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو یا اُس کے باپ کو پتہ چلے کہ وہ اُس کا شکار اُڑا کر لے جا رہا تھا اور شکار کا شکار ہو گیا۔

"اور آپ کسی کے خلاف مقدمہ درج نہ کریں" ـــ اُس نے کہا ـــ "میری طرف سے کوئی عرض رپورٹ نہیں ہے۔"

مگر وہ رپورٹ درج نہیں کرانا چاہتا تھا تو میرے اُوپر اپنے آپ رپورٹ درج کرنے کی کوئی پابندی نہیں تھی لیکن اُس کے باپ کے ساتھ بات کرنا ضروری تھا۔ میں نے پیر کو اندر بُلا کر بتایا کہ اُس کا بیٹا کیا کہتا ہے۔

پیر نے بیٹے سے پوچھا۔ بیٹے نے باپ کو گھور کر اور بڑی گستاخی سے جواب دیا۔ پیر کو یہ خوش فہمی تھی کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ پیر کے ہاتھ سے زرینہ نکل گئی تھی۔ اُس کو یقین ہو گا کہ یہ کارستانی اُس کے بیٹے کی ہی ہو سکتی ہے۔ باپ بیٹا پہلے ہی ایک دوسرے سے کِھچے ہوتے تھے، اب دشمنی زیادہ ہو گئی۔ پیر صرف اس لئے ہسپتال آ گیا تھا کہ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ باپ اپنے بیٹے کے حادثے پر نہیں آیا۔

"مجھ کو کچھ بتائیں جناب!" ـــ میں نے پیر سے پوچھا ـــ "آپ اپنے بیٹے پر کسی کے حملے کا کیس درج کرائیں گے؟"

"مجھ کو کیا پتہ ہے یہ کہاں زخمی ہُوا ہے؟" ـــ پیر نے کہا ـــ "میری طرف سے کوئی رپٹ نہیں۔"

مختصر قصّہ یہ ہے کہ پیر اور اُس کے بیٹے نے رپورٹ درج نہ کرائی

مجھ کو خوشی ہوئی کہ زرینہ صاف بچ گئی ہے لیکن میرے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ زرینہ کے ساتھ پیر نے جو سلوک کیا تھا اس کی اسے سزا کس طرح دلاؤں۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ زرینہ اُن دو آدمیوں کو شناخت نہیں کر سکتی تھی جو اُس کو مڑ کر پیر کے پاس لے گئے تھے۔ یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پیر نے زرینہ کو قید میں رکھا اور اُس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا۔ زرینہ کسی اور جگہ سے برآمد ہوئی تھی۔

میں پیر کو الگ لے گیا۔

"میری بات دھیان سے سنو پیر صاحب!" ـــ میں نے اُس کو کہا ـــ "مجھ کو معلوم ہے کہ یہ واردات کس طرح ہوئی ہے۔ زرینہ میرے پاس ہے۔ آپ نے جو جرم کیا ہے وہ مجھ کو معلوم ہے۔ آپ کے بیٹے نے آپ کے شکار پر ہاتھ صاف کر دیا مگر خود رگڑا گیا۔ میں آپ کو گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"آپ اس علاقے میں نئے آئے ہیں" ـــ اُس نے کہا ـــ "مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہ کرنا۔ اگر آپ میرے آدمیوں کو پکڑیں گے اور اُن سے اقبالی بیان لے لیں گے تو آپ کو عدالت میں شرمندہ ہونا پڑے گا۔ وہ اقبالی بیان سے منحرف ہو جائیں گے۔"

"تم جو کچھ ہو وہ میں جانتا ہوں" ـــ میں نے اُس کو آپ کی بجائے تم کہنا شروع کر دیا ـــ "میں تم کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی بدمعاشیوں کو اپنے گھر کے اندر رکھو۔ اگر تم نے زرینہ کے خلاف زبان کھولی یا اُس کے ماں باپ کو یا اس سلسلے میں کسی کو پریشان کیا تو میں تمہاری پیری کو ننگا کر دوں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تم کو گرفتاری اور سزا کی دھمکی دے رہا ہوں۔ میں تم کو تمہارے بیٹے کے ہاتھوں مروا دوں گا۔ تمہاری لاش اُس وقت ملے گی جب آدھی گیدڑ اور کُتے کھا چکے ہوں گے۔"

میں دراصل زرینہ کو بچا رہا تھا۔ میں نے پیر کو یہ نہ بتایا کہ اُس کے بیٹے کو زرینہ نے مارا ہے۔ پیر کے ساتھ ذرا گرما گرمی ہوئی۔ آخر وہ دوستی بنانے پر اُتر آیا۔ اُس نے کہا کہ پہلے تھانیدار کو کچھ رقم ماہوار دیا کرتا تھا۔ اگر میں زیادہ

رقم لینا چاہوں تو میرا وظیفہ لگا دے گا۔ میں نے انکار کر دیا اور اُس کو خبردار بھی کیا۔

مجھ کو زیادہ خطرہ پیر کے بیٹے کی طرف سے تھا۔ ابھی وہ ٹھیک حالت میں نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ دو تین روز بعد اس کے ساتھ بات کروں گا۔ میں تھانے چلا گیا اور زرینہ اور عباس کو کچھ باتیں سمجھا کر گھر چلے جانے کو کہا۔ دونوں نے مجھ کو اس طرح دیکھا جیسے ان کو میری زبان پر یقین نہیں آیا۔

"آپ ہم کو پھر بلائیں گے؟" — زرینہ نے پوچھا۔

"نہیں" — میں نے کہا — "میں تم کو کیا سمجھا چکا ہوں؟ میں تم کو نہیں بلاؤں گا .... یہ تم سوچ لو کہ خاوند کے گھر جاؤ گی یا اپنے ماں باپ کے گھر۔ یہ تمہارا معاملہ ہے۔"

دونوں چلے گئے۔

میں تیسرے روز ہسپتال گیا۔ پیر کا بیٹا بہتر ہو گیا تھا۔ میں نے اُس کو وہی باتیں کہیں جو میں نے پیر کو کہی تھیں۔ مزید یہ کہا کہ تم کو شرم آنی چاہیئے کہ ایک عورت نے تم کو اُلٹا کر دیا ہے۔

"میں بدلہ لوں گا" — اُس نے کہا۔

اگر زرینہ اغوا ہو گئی یا قتل ہو گئی تو میں سیدھا تمہارے گھر آ کر تم کو گرفتار کر لوں گا" — میں نے کہا — "سزا دلوا کر رہوں گا۔ اگر تم نے ویسے اُسے تنگ کیا تو سوچ لو چھوٹے شاہ علاقے کے سارے غنڈے بدمعاش میرے ہاتھ میں ہیں۔"

یہ تو لمبی باتیں ہیں۔ ان کو یہیں رہنے دیں۔ کچھ دس روز بعد کسی نے مجھ کو بتایا کہ افضال نے زرینہ کو طلاق دے دی ہے۔ دو چار مہینے گزرے تو پتہ چلا کہ زرینہ اور عباس کی شادی ہو گئی ہے۔ اس کے بعد میں ڈیڑھ سال اس تھانے میں رہا۔ اس عرصے میں مجھ کو پیر اور اس کے بیٹے کے خلاف زرینہ کے معاملے میں کوئی رپورٹ نہ ملی۔ بعد کا مجھ کو پتہ نہیں۔